خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ

رِدا ڈائجسٹ

JANUARY 2015

سالِ نو مبارک

ماڈل: نیہا

میک اپ: روز بیوٹی پارلر

فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

سلسلے وار ناول

تجھ سے مانگوں میں تجھ کو	شازیہ مصطفیٰ عمران	١٠
جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے	نائلہ طارق	٨٧
تیرے پیار کی خوشبو	قمروش شہک	١٢٦

مکمل ناول

ایک تھی ساحرہ	فاطمہ خان	٢٤
مشرق کی شہزادی	روشانے عبدالقیوم	١٧٤

ناولٹ

اظہار محبت	سلمیٰ غزل	٤٤

افسانے

نیا سال سنگ سجنا کے	ریما نور	٥٦
سال کی آخری شام	عائشہ ذوالفقار	٥٨
بے غم	سحر مبین	٦٤
چھوٹی سی بات	نظیر فاطمہ	٧٤
میں، تم اور سال نو	مہرین کنول	٩٤
اعتراف	گیتی آراء	١٠٠
بے مراد	ایقان علی	١٠٤
وفا کیسی کہاں کا عشق	ثناء کنول	١١٢
وہ ادھورا خواب میرا	حنا کنول	١١٦
نیو ایئر پارٹی	دانیہ آفرین	١٢٠
میری کہانی	سحرش فاطمہ	١٤٠
محبت امبر کی صورت	فرح ناز رفیق	١٤٤
پوشیدہ مصلحت	مریم ماہ منیر	١٥٤
آشیانہ	تبسم فیاض	١٦١
اے دل نشیں مسافر	فریدہ فرید	١٦٦

مستقل سلسلے

ردائے جنت	صالحہ محمود	٧	سندیسے	صالحہ محمود	٢٠٨
ردا کی ڈائری	صدف سعد	١٩٣	گوشہ چشم	ادارہ	٢٢٠
ذرا پھر سے کہنا	شہلا مشتاق	٢٠٢	کچن	ثریا اقبال	٢٢١
خوشبو	نورین ملک	١٩٩	سنگھار	شہلا مشتاق	٢٢٥
اس ماہ میں	نورین ملک	١٩٦	اشعار	نورین ملک	١٩٥
			دوستوں کے نام پیغام	عائشہ حمد	٢١٦



جنوری 2015ء
جلد نمبر 20 شمارہ نمبر 1
قیمت 60 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
720 روپے

34535726

پبلشر وایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ١٢٩/ڈی بلاک۔ 2۔ پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

صالحہ محمود

16 دسمبر

ہم اداس ہیں شہر پشاور تیرے لیے

پھولوں کے شہر میں پھولوں کی ہے تدفین
ہے سوگ کا عالم
ہر آنکھ اشکبار ہوئی
پھولوں کے شہر میں پھولوں کے جنازے
وہ جو حصول علم میں لہو رنگ ہو گئے
شمعیں روشن ہیں
ہزاروں خوش رنگ پھولوں پر
خوشبو پھیلی ہے جواں خون کی
کراچی سے خیبر تک اضمحلال طاری ہے
اک سانحہ جو ہمیں دولخت کر گیا
ایک سانحہ جو ہمیں یکجا کر گیا
اس دکھ پر قلم بے معنی سا ہوا
کوئی وقعت کوئی حیثیت نہیں لفظوں کی
16 دسمبر میں جو سانحہ گزرا
سرد راتوں میں مہکتی ہے
ان کے خون کی خوشبو
غنچے تھے میرے شہر کے
جو مرجھا گئے کل صبح
تیرگی ہی تیرگی ہے ہر سمت ہے اداسی
گلاب چہرے تھے جو خوں نہا گئے
تمہارے خون سے روشن رہیں گی
شبِ تاریک میں اس شہر کی گلیاں
اے شہر پشاور!
تیری گود میں ہیں ماؤں کے وہ لختِ جگر
جو مکتب میں شب کی تاریکی میں نہیں
دن کے اجالے میں مارے گئے
جن کی آنکھوں کے رتن چور ہوئے
جن کے جسم سرخ غازے سے رنگین ہوئے
اپنے پیرہن میں وہ طفل جو خاک ہوئے
وہ گھر کے گلاب تھے
اپنے ہی گھر کے صحن میں مرجھا گئے
مسلے ہوئے پھولوں کی طرح
مرجھائے ہوئے پھولوں کی طرح
ارواح شہداء کی مہک
تروتازہ ہے ابھی تک
غم و غصے میں ہے یہ قوم بہت
تمہارے خون کا قرض ابھی باقی ہے
برسوں نہ دھل سکے گا لہو اس سرزمین سے
اٹھے تو ہیں مگر بہت دیر سے اٹھے
اب سینہ سپر ہیں غازی تیرے وطن کے
لہو کا تمہارے حساب ہو گا

صالحہ محمود

صالحہ محمود

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کا رشتہ زندگی کے ہر شعبہ سے قائم ہے۔ وہ انسان کی روحانی اور دنیاوی زندگی کے بھی معلم ہیں۔ اسی لیے اسلام کے پیروکاروں کی زندگی اور ذاتی رویے پر دین اسلام کے اثرات دوسرے مذاہب کی نسبت زیادہ گہرے ہیں۔

مختلف روایات میں آپؐ کی عادات و خصائل کا تفصیل سے ذکر آیا ہے۔ ان روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا سادگی تھے۔ اپنے جوتوں کی خود مرمت کرتے۔ اپنی بکریوں کا دودھ دوھ لیتے۔ اور اس کام کے لیے اپنے خادم کو بھی تکلیف دینا گوارا نہ فرماتے۔ آپؐ کے خادم خاص حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں۔ ”میں نے دس سال رسول اکرمؐ کی خدمت اقدس میں گزارے۔ انہوں نے مجھ سے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا یا کیوں کیا ہے۔ وہ ہمیشہ مجھ سے نہایت شفقت فرماتے تھے۔“

آپ جسم اور لباس کی طہارت و صفائی کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ حضور اکرمؐ تیز رفتار تھے حتیٰ کہ ان کے صحابہ کو ان کے ساتھ قدم ملانے میں دقت پیش آتی تھی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو آہستہ آہستہ کرتے تھے۔ ایک راوی کے مطابق ”نبی اکرمؐ اتنا ٹھہر ٹھہر کر بولتے تھے کہ ان کے ہر لفظ کا ایک ایک حرف بہ آسانی گنا جا سکتا تھا۔ چونکہ رسول اکرمؐ کے دہن سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون تھا لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ آپؐ جو کچھ فرمائیں سننے والے اسے اچھی طرح سمجھ لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سادہ اور شستہ زبان استعمال کرتے تھے۔ خواہ کسی ایک فرد سے مخاطب ہوں یا مسلمانوں کے اجتماع سے خطاب فرما رہے ہوں۔ آپ کا طرز تکلم ہر طرح کے تصنع سے پاک تھا۔

رسول اکرمؐ ننھے بچوں سے بہت پیار کرتے تھے اور جہاں کہیں بھی بچوں کو دیکھتے خوش ہو جاتے۔ بچوں کو ہنسانے کے لیے ان سے مذاق بھی فرماتے۔ فطری طور پر وہ اپنے نواسوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے دوران بھی ان میں سے ایک کو بازوؤں میں اٹھا لیتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جاتے تو نواسے کو پاس کھڑا کر لیتے اور سجدے سے اٹھ کر پھر گود میں لے لیتے۔ جب دونوں بچے ذرا سیانے ہوئے تو وہ مسجد نبویؐ میں ادھر ادھر دوڑتے پھرتے۔ نماز باجماعت کے دوران کبھی کبھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ٹانگوں میں سے گزر جاتے اور رسول اکرمؐ انہیں کچھ نہ کہتے۔

آپؐ ہر ایک سے مشفقانہ برتاؤ فرماتے۔ حتیٰ کہ معمر خواتین ان سے لمبی لمبی بے سروپا باتیں بھی کرتیں مگر آپ کوئی اکتاہٹ محسوس نہ کرتے۔ یہ خواتین انہیں بازو سے پکڑ کر ٹھہرا لیتیں اور رسول اکرمؐ نہایت توجہ سے ان کی باتیں سنتے اور اپنا بازو بھی نہ چھڑاتے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے بولتے، بیٹھے رہتے لیکن جب کوئی دینی بات ہوتی یا نماز کا وقت آ جاتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں ہی نہیں۔ کھانے پینے میں ازواج مطہرات کو کوئی روک ٹوک نہیں تھی جو چاہتیں کھاتیں جو چاہتی پہنتیں۔ ہر چند عسرت کی وجہ سے اچھا کھانا میسر نہ تھا۔ سونے، چاندی کے زیورات پسند نہ فرماتے۔ اس زمانے میں ہاتھی دانت کے زیور کا رواج تھا آپؐ اس قسم کے زیور پہننے کا حکم دیتے۔ گھر میں داخل ہوتے تو نہایت خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے اندر تشریف لاتے تھے۔ بیویوں پر کبھی لعن طعن نہ فرماتے نہ درشت اور سخت لہجے میں گفتگو فرماتے اگر کوئی بات ناگوار خاطر ہوتی تو التفات میں کمی کر دیتے۔

آپؐ کی گھریلو زندگی ان تمام کیفیات سے معمور اور پررونق تھی جس سے انسانی زندگی معمور ہوتی ہے۔ آپؐ کی گھریلو زندگی میں وہ تمام پہلو موجود تھے جو خوشی اور غم کے پہلو ہوتے ہیں۔ آپؐ اپنی ازواج پر حد درجہ شفقت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ان کی دلداری کے خیال سے اپنی پسندیدہ چیز کھانا چھوڑ دیتے۔ آپؐ ازواج مطہرات پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے۔ ان کو اپنے رازوں میں شریک کرتے۔ بیوی بچوں کو سرزنش فرماتے ہوئے یہ انداز اختیار کرتے کہ مخاطب بات بھی سمجھ لے اور ان کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہو۔ ازواج مطہرات بھی کبھی خود حضور اکرمؐ کے مقابل میں بھی اپنی خودداری کا اظہار کرتی تھیں اور آپؐ اسے پسند فرماتے تھے۔ بشرطیکہ وہ جائز حدود میں ہو۔ آپؐ کی خانگی زندگی بے رنگ و بو تھی۔ زادالمعاد میں ابن قیم لکھتے ہیں۔ ”نبی اکرمؐ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ نہایت محبت اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے پاس انصار کی لڑکیاں جمع ہو جاتیں اور آپؐ ان کو ان لڑکیوں کے ساتھ کھیلنے کے لیے چھوڑ دیتے۔ اگر وہ کسی ایسی بات کی خواہش کرتیں جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہوتی تو آپؐ انؓ کی خواہش پوری کر دیتے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے لیے ہادی مرشد اور پیغمبر کی حیثیت سے بھیجا تھا۔ اسی طرح آپؐ کی ازواج کا درجہ بھی تمام امت کے مردوں اور عورتوں کے لیے امہات کا رکھا۔ تا کہ سب لوگ ان کو اپنے لیے نمونہ سمجھیں اور ان سے زندگی کے وہ طریقے سیکھیں جو ان کو نبی اکرمؐ سے معلوم ہوئے۔ جس طرح ان تعلیمات قرآنی پر سب سے زیادہ اہتمام سے خود نبی عمل فرماتے تھے اسی طرح ازواج مطہرات اور اہل بیت نبوت پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی تھی کہ وہ اپنے گھر سے پھیلنے والے چشمہ نور سے پہلے خود اچھی طرح منور ہوں۔ پھر اس روشنی سے دوسروں کو منور کریں۔ اندر اور باہر دونوں جگہ

کامل یکسانیت تھی۔ جس اعلیٰ مقصد کے لیے حضور اکرمؐ نے اپنے دن اور رات ایک کر رکھے تھے اسی مقصد میں آپؐ کی ازواج بھی دل و جان سے منہمک تھیں۔

آپؐ کی ازواج مطہرات کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے جتنا اونچا بنایا تھا اسی اعتبار سے ان کی ذمہ داریاں بھی زیادہ تھیں۔ دوسروں کے مقابلہ میں ان کا اجر بھی دگنا تھا اور جرم پر سزا بھی دگنی تھی۔ سورۂ احزاب میں آیات نمبر 30-31 میں ارشاد ربانی ہے۔ ”اے پیغمبر کی بیویو! جو تم میں سے کھلی ہوئی برائی کی مرتکب ہو گی تو اس کو دہری سزا سنا دی جائے گی اور یہ اللہ کے لیے سہل بات ہے اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہیں گی اور بھلے کام کرتی رہیں گی ہم ان کا اجر بھی دہرا دیں گے اور ان کے لیے ہم نے رزق کریم تیار کر رکھا ہے۔“

آپؐ ازواج مطہرات کی ان ذمہ داریوں کے احساس سے ہمیشہ گراں بار رہتے تھے اور ان کو آخرت کی کامیابی کا احساس دلاتے رہتے تھے۔ آپؐ نے اپنی گھریلو زندگی میں عورت کو عزت و تکریم کے اعلیٰ مراتب سے ہمکنار کیا۔ آپؐ نے بیویوں کی محبت اور احترام کی بار بار تاکید فرمائی۔

آپؐ نے فرمایا۔ ”تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں سے بہتر سلوک کرتے ہیں۔“ ایک اور جگہ آپؐ نے فرمایا۔ ”ایک مسلمان اپنی بیوی کے حق میں جتنا رحم دل اور مہذب ہو گا اتنا ہی وہ اپنے ایمان میں کامل ہو گا۔“ خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا۔ ”اپنی بیویوں سے شفقت اور محبت کا سلوک کرو۔ تم نے اللہ کی ضمانت پر ان کو اپنے لیے حلال کیا ہے۔ ان کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور ان سے بہتر سلوک کرو۔“ بیٹیوں سے ترجیحی سلوک کی ہدایت فرمائی۔ ”جب تم اپنے بچوں میں تقسیم کرنے کے لیے کچھ لاؤ تو بیٹیوں سے شروع کرو کیونکہ بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں اپنے والدین سے زیادہ محبت کرتی ہیں۔“

آپؐ اپنی ازواج مطہرات کے حقوق کی ادائیگی میں پوری مساوات و عدل ملحوظ رکھتے تھے۔ مگر حضرت عائشہؓ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے۔ ”یا اللہ جس کا مجھے اختیار ہے اس کی تقسیم تو میں نے مساوی طور پر کر دی لیکن جو بات میرے بس میں نہیں ہے اس پر مجھے ملامت نہ کیجئے گا۔“ آپؐ کے ازدواجی تعلقات حسن معاشرت اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ برتاؤ اور رویے میں مساوات کا خیال رکھتے۔ جب آپؐ سفر کا ارادہ کرتے تو ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالتے۔ جس کا نام نکل آتا وہی ہم سفر ہوتیں۔ کسی کو کوئی عذر نہ ہوتا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ باری کی اتنی پابندی فرماتے کہ کبھی ہم میں کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے۔ اور ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا کہ آپؐ سب ازواج مطہرات کے یہاں روزانہ تشریف نہ لے گئے ہوں۔ بعض اوقات ازواج مطہرات ادھر ادھر کے قصے یا گزرے ہوئے واقعات بیان کرتیں تو آپؐ برابر سنتے رہتے۔ اور خود بھی کبھی اپنے گزشتہ واقعات سناتے۔

رسول اکرمؐ کی خانگی اور نجی زندگی آپؐ کی سیرت کی طرح بے داغ، پاک اور صاف ہے۔

......☆......



صالحہ محمود

افسانہ

ہم بہت روئے جب وہ یاد آیا

سرد راتوں کا جنوں کچھ دیر میں ٹوٹ جائے گا۔

شبنمی رات کا آنچل ہوا کے کسی جھونکے سے ایک لمحے کو پلٹا تو اس نے سیاہ رات کی تاریکیوں میں گھیرے ہوئے آسمان پر ایک نظر ڈالی۔ جھرجھری سی آئی تو مریم نے جلدی سے گرم شال میں خود کو لپیٹ لیا لیکن اس کی روح کی اداسی سیاہ رات کے اندھیرے کم نہ کر سکے۔ نہ جانے کتنے پہر باقی ہیں صبح ہونے میں۔ وہ بے قراری باہر دیکھ رہی تھی۔

''یارب وہ صبح نہ آئے میں وہ صبح نہ دیکھوں''

اپنے آپ بڑبڑا کر اس نے پردہ چھوڑ دیا لیکن سیاہ رات کا سایہ در آیا یوں لگا جیسے کل کی بات ہو وہ اور شیزا ابھی ابھی کالج سے گھر میں داخل ہوئیں دونوں کی نظریں ایک ساتھ چھوٹے بھیا کے کپڑے پر جا ٹکی تھی۔ پہلے شیزا جھپٹی پھر مریم نے بھی قمیض تھام لی۔

''میں آج دھوؤں گی۔'' مریم پلٹی۔

''جی نہیں آج میں، تم کئی دن سے دھو رہی ہو میں سب جانتی ہوں۔'' شیزا نے قمیض کھینچ لی تھی۔

''اف خدایا۔'' اماں بول پڑیں تھیں۔

''کمال ہے گلو سچ کہتا ہے کہ تم لوگ اس کے کپڑوں کو واش نہیں کرتیں۔ ایسا کیا ہے بلو کے کپڑوں میں۔'' اماں بہت سنجیدگی سے دیکھ رہی تھیں۔

''آپ نہیں سمجھ سکتیں آپ اس کو کچھ نہیں کہتیں۔'' شیزا غصے سے بول کر پلٹی۔

''کل بھی انعم اور مریم کی جھڑپ ہوئی تھی۔'' شیزا پھر بولی۔

''ہاں تو کیوں لکھتی ہے خط۔ میں نے ملوایا ہے تو اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ ان کو خط لکھے۔'' کل مریم اسی بات پر انعم سے الجھ پڑی تھی۔ شیزا نے مداخلت کی تو اماں جل کر بولیں۔

''یا اللہ! نصیر کوئی نہ ہوئے وحید مراد ہو گئے۔''

اماں کو وحید مراد شاید بہت پسند تھے اس بات پر تینوں کو ہنسی آ گئی تھی۔

لیکن آج معاملہ سیریس تھا۔ شیزا غصے سے کپڑے لیے مڑ گئی۔

''دیکھتی ہوں کل تم چھوٹے بھیا کے کپڑے کیسے دھوؤ گی۔ کل میں دھوؤں گی۔'' مریم بولی۔

''یا اللہ! اس بات پر ہی جھگڑا ہے کہ پہلے کون کپڑے دھوئے گا۔'' اماں حیران تھیں۔

روز کی آپا تھاپی میں ماہ و سال گزرے۔ دونوں کی کوشش ہوتی کہ کون سب سے پہلے چھوٹے بھیا کے کپڑے دھوئے گا۔ پھر ماہ و سال گزر گئے نہ اماں رہیں نہ ابا، اس نے پردہ ہٹا کر باہر آسمان کو دیکھا۔ شیزا بھی ایک دائمی سفر پر چلی گئی تھی۔ پھر پلٹ کر نہ آئی۔ چھوٹے بھیا بھی امریکہ سیٹل ہو گئے۔

اس بار جب چھوٹے بھیا پلٹ کر آئے کیسی گہما گہمی تھی ہر روز ڈنر اور لنچ آپس میں ہو رہے تھے۔ کبھی ثمینہ باجی کے گھر، کبھی انعم اور کبھی مریم کے گھر۔ بھیا نے سب کے گھر باری باری ڈے اسپینڈ کیا۔ مریم بے حد خوش تھی آج کا دن چھوٹے بھیا اس کے گھر گزارنے آئے تھے۔ وہ اپنے شوہر کا شلوار قمیض استری کر کے بھائی کے روم میں رکھ کے آئی تھی۔ بھائی اپنے ساتھ شلوار قمیض نہیں لائے تھے۔ رات دیر تک بھائی بچوں کو لے کر آئس کریم کھلانے لے گئے۔ ساتھ ہی میں مریم کی نند کے بچوں کو بھی ساتھ لے گئے۔

''آؤ چنو منو آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔'' یوں ایک دن مریم کے ہاں گزار کر بھیا امریکا کے لیے عازم سفر ہوئے۔

دوسرے دن دھوبی کو کپڑے دیتے وقت مریم

نے بھائی کی پہنی ہوئی قمیض کو تھام لیا۔ وہی خوشبو وہی مہک تھی۔ اماں کے گھر کی آپا تھاپی اسے یاد آئی۔ شیزا اور وہ دونوں بھیا کی قمیض کو کھینچ رہے ہیں۔ مریم کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ماضی یاد آ گیا۔

"بھیا ہمیشہ اپنی قمیض میں پیسے بھول جاتے تھے۔ دیکھوں تو سہی۔" اس نے قمیض کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو بلو بھائی واقعی پیسے بھول گئے تھے۔ اسے اماں کے گھر کی آپا تھاپی یاد آ گئی کہ کبھی شیزا دوڑ رہی ہے کہ مجھے دے دو بھائی کے کپڑے اور اماں پوچھ رہی ہیں۔

"کیا ہے ان کپڑوں میں، تم لوگ گلو کے کپڑے دھو، وہ ناراض رہتا ہے۔"

"ان کے کپڑے تو کبھی نہیں دھوؤں گی۔" اسے یوں لگا۔ شیزا کہیں کونے سے نکل کر آ گئی ہے۔

"دیکھو ان کم بختو کو میرے کپڑوں کو ہاتھ نہیں لگاتیں۔" گلو بھائی بھی کسی کونے سے نکل کر کھڑے ہو گئے۔

"میں خود دھلوا دیتی ہوں ماسی سے۔" اماں غصے سے کھڑی ہو گئیں۔ سب کچھ یاد آ گیا تھا۔ مریم ہنسے جا رہی تھی۔ ہنستے ہنستے اس نے کھڑکی سے آسمان کی سمت دیکھا رات کی تاریکی ٹوٹ رہی تھی۔ دن کی آہٹ اس کے وجود کو لرزانے لگی تھی۔ اسے آنے والی صبح سے خوف تھا جو دسمبر کی سرد راتوں کو خیر باد کہہ کر نئے سال کا ابدی پیغام لے کر اماں کے صحن میں صبح اتری تھی۔ کتنی خوف ناک سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی کو کراس کرتی ہوئی گزر گئی۔ سامنے چھوٹے بھائی کا تابوت رکھا تھا۔ صبح کی پہلی کرن اتر کر اس پر پھیل گئی تھی۔ کتنی لمبی اور تاریک رات تھی جس کا اسے انتظار تھا کہ صبح نہ آئے۔ اس نے دریچے پر پڑا پردہ ہٹا کر دیکھا۔ باہر سیاہ رات کا اندھیرا طاری تھا دور تک اضمحلال اور کہر کے گھرے سائے تھے۔ اماں کے گھر کا ایک چھوٹا سا لمحہ یاد آیا تو آنکھیں برس پڑیں۔

جنت فردوس کے سائے میں
جب آنکھ کھلے اس کی
خوشبوگل کی آبادہ رہے
حصار میں اس کی
جنت فردوس میں ہو گھر اس کا
ذرا سی دیر کو سویا جو
تو قیامت گزر گئی
کھلی نہ آنکھ اس کی
پھر قیامت کے شور سے
جنتِ فردوس میں ہو گھر اس کا

اس کے ہاتھ سے پردہ چھوٹ گیا تھا۔ باہر بچے آتش بازی کر رہے تھے۔ وہ شال کو لپیٹ کر باہر آ گئی۔ لان میں لگے رنگین پھول بھیگی رات میں بھیگ رہے تھے۔ اماں کے گھر کے اندر ایک شور تھا۔ اماں اور ابا کی آوازیں تیز ہو گئیں۔ بڑے بھیا کے کیٹس کے پاس ٹومی بھونک رہا تھا۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ باہر بارش بڑی تیز تھی۔ دبے قدموں چلتا ہوا کوئی اس کے قریب سے گزر گیا۔ اسے جھرجھری سی آئی اور وہ گھبرا کر اندر آ گئی۔ جہاں آوازیں رخ پھیر کر گزر گئیں۔

"پچھلے پھول اور کانٹے تھے
دھرتی ساری پیاسی تھی
گرجے کا گھنٹہ ٹوٹ گیا تھا
پر نہ کھلی تھی آنکھ اس کی
وہ بیٹھے جوڑ رہی تھی
تتلی کے رنگین پروں کو

......☆......



تجھ سے مانگوں میں تجھ کو

شازیہ مصطفیٰ عمران

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 15

ہیشم نے بہت سوچنے سمجھنے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا تھا؟ کیوں کہ بڑی مامی کا رویہ اور لہجہ اسے بہت دکھ رہا تھا وہ ان سب کو اپنا سمجھتا تھا مگر بڑی مامی نے کتنی غیریت کا ثبوت دیا اور کرتی بھی کیا ٹھیک ہی کیا یہ تو فاران کے



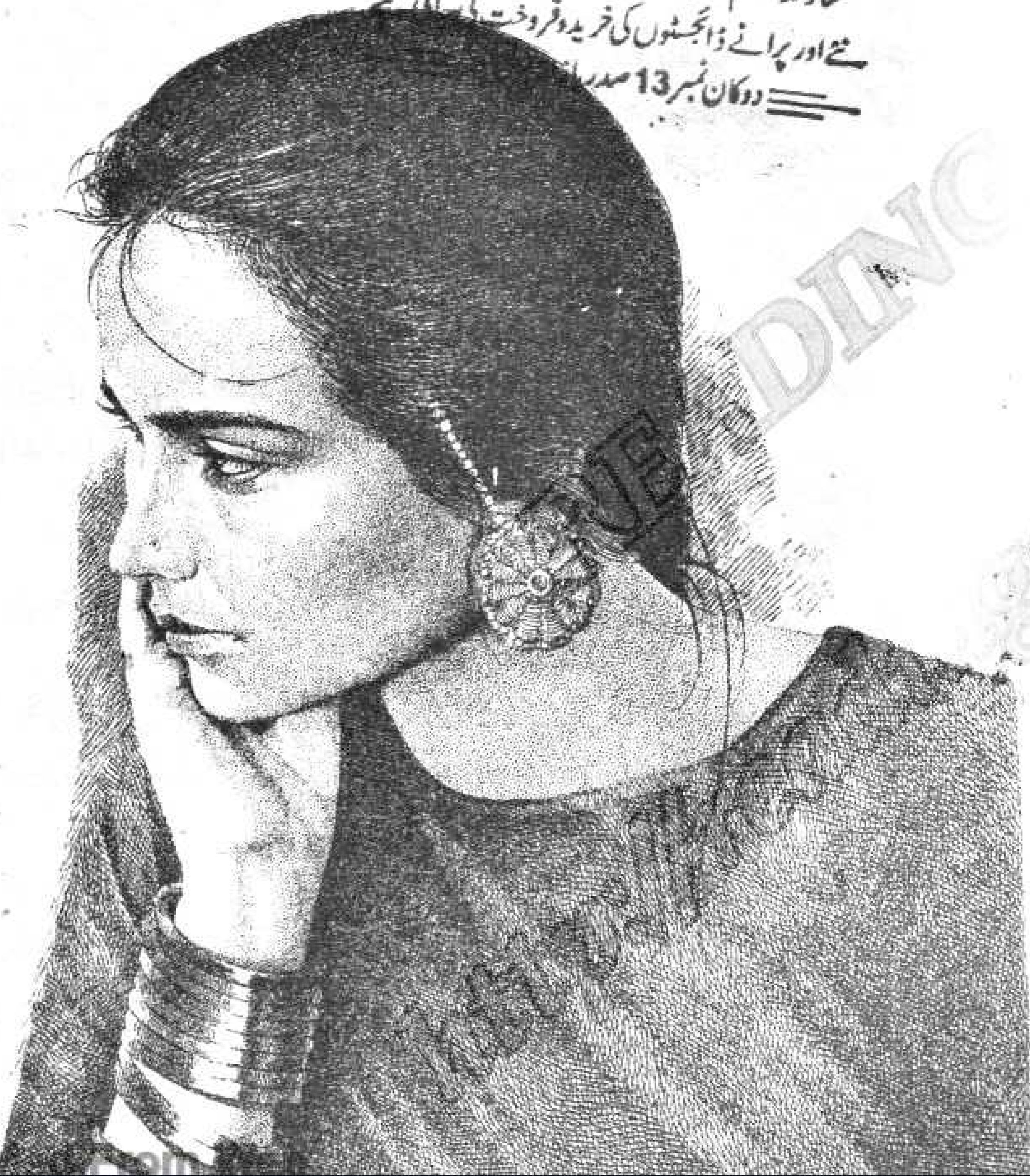
ساتھ بھی ظلم تھا اس کی بیوی سے شادی۔

''لعنت ہے ہیشم احمد تم پر۔'' ضمیر اسے کتنے دنوں سے لعنت ملامت کر رہا تھا اور یہ بات اس کی غیرت گوارہ نہیں کر رہی تھی۔

اس نے نانا جان کو بھی اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ وہ خوشی کو اس گھر میں نہیں رکھے گا کیوں کہ وہ اپنی بیوی کی اٹھتے بیٹھتے بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا بڑی مامی اسے گری ہوئی نگاہوں سے دیکھیں یہ تو وہ بالکل گوارہ نہیں کرے گا۔

''ہیشم! تم غصے میں جلد بازی کر رہے ہو۔''

''نانا جان! میں نے جو بہتر سمجھا وہی کیا ہے۔ وہ میری بیوی ہے اور گلے پڑا ڈھول بجانا ہے۔ مگر یہاں نہیں کیوں کہ میں اپنی بیوی کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔'' وہ بہت سنجیدہ تھا۔ مرتضیٰ علی کے روم سے آواز



باہر جا رہی تھی جو بڑی مامی اور چھوٹی مامی بھی سن رہی تھیں۔

''تم نزہت کی باتوں کو اتنا سیریس کیوں لے رہے ہو؟''

''نانا جان! مجھے سیریس لینا پڑے گا۔ انہوں نے مجھے احساس دلا دیا ہے میں اس گھر کا ہوں ہی نہیں مگر مجھے ان سے شکایت بھی نہیں۔'' وہ نگاہ جھکائے ہوئے تھا۔

''شاہدہ! ہیثم کیا گھر چھوڑ کے جا رہا ہے؟'' نزہت کو فکر بھی ہوئی کیوں کہ ارتضیٰ علی انہیں سنانے سے چھوڑیں گے تو نہیں۔

''لگ تو ایسا ہی رہا ہے۔'' وہ دکھ و تاسف سے گویا ہوئیں۔

''آپ مجھے یہ بتا دیں، جانا کب ہے۔'' وہ وائٹ قمیض شلوار میں ملبوس الجھا بکھرا ہوا لگ رہا تھا مرتضیٰ علی کو اس پر ڈھیروں پیار آیا۔

''میرے بچے مجھے غلط نہیں سمجھو، میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ میں نے سوچ سمجھ کے ہی اس لڑکی سے تمہاری شادی کی تھی۔'' انہوں نے اسے شانوں سے تھام لیا۔

''میں بہت چاہتا ہوں تمہیں۔''

''پتہ نہیں ان چاہتوں پر مجھے اعتبار کرنا چاہیے تھا یا نہیں مگر خدا گواہ ہے میں نے آپ سب کو دل سے چاہا ہے۔ اپنا سمجھا ہے میرے تو ماں باپ اس وقت دنیا سے چلے گئے جب مجھے ان کی ضرورت تھی مجھے تو یہ بھی نہیں پتہ ماں و باپ کی چاہت کیا ہوتی ہے۔'' وہ بہت دلگرفتہ اور اداس ہو رہا تھا۔

''میری چاہت پر بھی شک ہے؟'' ان کی آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔

باہر کھڑی نزہت شرمندگی سے شاہدہ سے نگاہ نہیں ملا رہی تھیں وہ واپس مڑ گئی تھیں۔

''کاش بھابی آپ اپنی جلن و حسد کو ایک طرف کر کے ہیثم کو سمجھیں وہ تو بہت مظلوم ہے ہماری محبت و چاہت اور توجہ لے لے گا تو کیا ہو جائے گا۔'' شاہدہ کا دل بھی اداس ہو گیا تھا۔ ہیثم اس گھر سے جانے کی جو بات کر رہا تھا۔

''نانا جان! مجھے یہ بتا دیں کب مجھے اس لڑکی کو لینے جانا ہے۔'' وہ سر جھکائے ہوئے تھا۔

''ابھی میں جا کے بات کرتا ہوں۔'' وہ ادھر کی بھی حالت جانتے تھے خوشنما کی مرضی نہیں تھی کیوں کہ اس کے ساتھ بھی تو ظلم ہوا تھا۔

☆......☆

رفعت اس کی شاپنگ کروا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی ہدایتیں دے رہی تھیں اپنے جہیز کے سارے سوٹ کیس میں لاک لگا کے رکھنا کیا پتہ کوئی چیز ادھر ادھر ہو جائے۔ چابی اپنے پاس ہی رکھنا۔''

''اری او حسنیٰ! ایک دفعہ بھی اس ماں کو آ کے نہیں پوچھا۔ سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔'' نسرین کی تیز کراری سی آواز نے اس کے مساج کرتے ہاتھوں کو روک دیا جب سے نسرین پشاور گئی تھیں۔ سردی کی وجہ سے وہ خود پر توجہ بھی نہیں دے پائی تھی چولہے کی تیز آنچ سے اس کی اسکن کافی متاثر ہوئی تھی۔ آج اسے موقع ملا تو وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھ گئی تھی۔

''حسنیٰ! حسنیٰ!'' وہ آوازیں دیے جا رہی تھیں اور حسنیٰ ایسے بن گئی جیسے آواز ہی نہیں آ رہی ہے۔

''سارے کام تو کر کے آئی ہوں رات میں تو آرام لینے دیا کریں۔'' اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔

''حسنیٰ آپی! کب سے امی آوازیں دے رہی ہیں۔ آپ کو سنائی نہیں دے رہا۔'' فیضان ہانپتا کانپتا اوپر آیا اور سیدھا اس کے کمرے میں تھا۔

''اب کیا کام پڑ گیا تم لوگوں کے لیے روٹی وغیرہ سب پکا کے تو رکھ کے آئی ہوں۔'' اس نے اپنا پرپل لینن کا پرنٹڈ دوپٹہ اٹھا کے شانوں پر ڈالا۔

''امی کے ہو رہا ہے سر میں درد۔ کہہ رہی ہیں چائے بنا دو۔'' وہ اس کی مساج کریم کے جار کو دیکھنے لگا۔

''تم تو رکھو، کیا ہر چیز کتوں کی طرح سونگھتے رہتے ہو۔'' چڑی ہوئی پہلے سے تھی۔ فیضان کے ہاتھ پر ہاتھ مارا جسے ہر چیز سونگھنے کی عادت تھی۔

''توبہ ہے آپی! کتنی زور سے مارا ہے۔'' وہ منہ بسور کے رہ گیا۔

''یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ میں آ رہی ہوں۔'' جار سارے اندر ڈریسنگ ٹیبل کی رائٹ دراز میں رکھے۔

''پتہ نہیں اتنا غصہ کیوں کھاتی ہو۔ بالکل امی پر گئی ہو۔'' وہ تپ تو گیا تھا۔

''بکواس نہیں کرو۔''

فیضان منہ بناتا ہوا چلا گیا تھا اور وہ دانت پیس رہی تھی۔ رخصتی کے دن بھی قریب آ رہے تھے۔ شہریار نے الگ اس کا جینا دو بھر کیا ہوا تھا۔ اوپر سے نسرین کی ہدایتیں جب سے پشاور سے آئی تھیں بالکل ہی ہاتھ پیر چھوڑ کے بیٹھ گئی تھیں۔ ہر کام کے لیے اسے آوازیں دیتی تھیں۔

بیڈ سے اپنا دوپٹہ اٹھایا اسی وقت اس کا سیل بھی بیپ دینے لگا۔

''اوہ نو......'' وہ بےزار ہی ہو گئی اپنا سر تھام کر شہریار کی کال تھی اور اس کی کال تو مس کرنا اپنی شامت بلانے کے برابر تھا۔

''سنیں مجھے نیچے جانا ہے وہ امی کب سے آوازیں دے رہی ہیں۔'' کال ریسیو کرتے ہی فوراً اپنا عذر بھی پیش کر دیا۔

''تم جھوٹ بھی بولنے لگی ہو۔'' شہریار جیسے اسے معافی دینا نہیں چاہتا تھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔'' وہ بھنا گئی۔

''آواز کو نیچی کر کے بات کرو اپنے شوہر سے مخاطب ہو، گھر کے ملازم سے نہیں۔'' وہ تو ایک لمحے میں اسے جھڑک کے ہی رکھ دیتا تھا۔

''سنو! جلدی کام سے فارغ ہو جاؤ، تو میں کال کروں گا۔'' وہ روز ہی کال کرتا تھا کبھی نیٹ تو کبھی سیل حسنیٰ کو اپنی زندگی مشینی لگنے لگی تھی۔

''آج ویسے بھی جمعہ ہے بہت کام ہے نماز پڑھنی ہے۔''

''واٹ! تم جمعہ کے جمعہ صرف نماز پڑھتی ہو۔'' وہ تو غصہ میں آ گیا۔

''اتنے کام ہوتے ہیں۔ نماز کا ٹائم نہیں ملتا۔'' وہ شرمندہ بھی ہوئی۔

''شرم کرو نماز کو صرف کام کی وجہ سے نہیں پڑھتی ہو۔ زندگی میں تمہارے ڈسپلن ہے ہی کب جو تم نماز پڑھو گی۔ آرٹس کونسل پابندی سے جانا یاد رہتا ہے، کبھی یہ پابندی نماز کے لیے بھی کی ہے؟'' شہریار کا تو لیکچر

شروع ہوگیا تھا۔

حسنٰی سخت کوفت محسوس کر رہی تھی مگر نماز نہ پڑھنے پر اسے شرمندگی تھی۔

"میں کچھ نہیں جانتا تم نماز کی بھی پابندی کرو، کیوں کہ بعد میں، میں تمہیں پابندی سے فجر میں بھی اٹھایا کروں گا تو برا لگے گا تمہیں ہی اسی لیے ابھی سے پابندی کرلو۔" وہ اسے سخت سست سنانے کے بعد آگہی بھی دینے لگا۔

"فجر میں تو اٹھا بھی نہیں جاتا۔" وہ منمنائی۔

"سارے کام کرنے پڑیں گے تمہیں تو ہی پتہ چلے گا زندگی کیا ہے۔"

"وہ تو مجھے پتا چل گئی ہے۔ زندگی کیا ہے۔" وہ سوچ کے رہ گئی۔

"اری او حسنٰی! کدھر گئی۔" نسرین کی پھر پاٹ دار آواز آئی تو وہ اچھل گئی۔

"سنیے! مجھے امی بلا رہی ہیں۔" وہ یہ کہہ کر موبائل ڈریسنگ ٹیبل پر ڈال کے تیزی سے بھاگ گئی۔

"جلدی آجانا۔" رفعت کی آواز پیچھے سے آئی کیوں کہ انہیں پتہ تھا نسرین اسے تنی جلدی تو نہیں بھیجیں گی۔

☆......☆

مرتضٰی علی ہیشم کو لے کے آنے والے تھے اور خوشنما ابھی تک آفس میں تھی۔ آفس بھی اس نے زبردستی ہی دوبارہ جوائن کیا تھا ورنہ ہیشم کی اس دن والی حرکت کی وجہ سے وہ آنے والی تو بالکل نہیں تھی۔

"کیا بات ہے آج آپ ابھی تک یہاں کیوں ہیں۔" وہ خاصا سنجیدہ لگ رہا تھا۔

خوشنما اس کی جانب دیکھنے سے اجتناب ہی برت رہی تھی ورنہ تو وہ اس کی جاب پر لات مار کے چلی گئی تھی مگر اشعر کی کال اور ایک سال کے اگریمنٹ کی وجہ سے دوبارہ آنا پڑا اور نہ وہ اگریمنٹ کو بھی اہمیت نہیں دینا چاہ رہی تھی۔

"آج کام زیادہ ہے اس لیے یہاں ہوں۔" رکھائی اور ذرا ترش روی سے گویا ہوئی۔

"مجھے آج کہیں ضروری جانا ہے اس لیے آج کا کام آپ رہنے دیں کل کرلیجیے گا۔" وہ اسے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا جانے کیوں اس لڑکی کو وہ سوچنے لگا تھا۔ اسے یہ اچھی لگنے لگی تھی۔

"آپ کو جانا ہے تو جائیے۔" وہ جانتی تھی اسے آج کہاں ضروری جانا تھا۔

مرتضٰی علی اور اسے آنا تھا وہ ان دونوں سے بچ کے ہی تو یہاں بیٹھی تھی۔

"مس خوشنما۔" تیز لہجے میں پکارا۔

"مس نہیں مسز۔" اس نے جھٹ جتایا۔

"آپ اس بے بنیاد رشتے کو کیوں لے کے بیٹھی ہیں جان چھڑائیے میں آپ کو آفر دے تو رہا ہوں۔"

"شٹ اپ۔" وہ تو مشتعل ہی ہوگئی۔

"آپ کے لیے بے بنیاد رشتہ ہوگا۔ آپ اپر کلاس لوگوں کے لیے ایسے رشتے بے بنیاد ہوتے ہیں؟ ہم مڈل کلاس لوگوں کی بیٹیاں ایک ہی دفعہ رشتہ قائم کرتی ہیں اور دل و جان سے قائم کرتی ہیں۔" اس نے آج پھر ہیشم کی طبیعت صاف کردی تھی۔

"آپ مڈل کلاس کی لڑکیاں اونچے اونچے خواب بھی بہت سجاتی ہیں۔ اپنی چادر کے مطابق خواب ہی

دیکھتی ہیں۔ میں نے آپ کو اس لیے آفر دی تھی آپ کے خواب اسی طرح پورے ہوجائیں گے۔"

"شٹ اپ! میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں کیوں کہ وہی لڑکیاں خواب اونچے سجاتی ہیں جن کی تربیت میں کچھ کمی ہو یا جن کی مائیں ان کا دماغ خراب کردیں یا سر پر چڑھا لیں۔" خوشنما کے دل میں تو لگتا تھا آگ بھری تھی جو شعلے باہر نکل رہے تھے۔

"ہاں! سوائے پوز کرنے کے کچھ نہیں آتا، کیوں کہ آپ مڈل کلاس لڑکیوں کے ہی سب سے زیادہ نخرے بھی ہوتے ہیں۔" ہیشم کو کچھ جاننے والوں کا پتا تھے وہ کیسے لوگ تھے۔

"پتا نہیں کن کن لڑکیوں سے ملتے ہیں۔" انداز اس کا فہمائشی اور طنزیہ ہوگیا۔

"فضول بکواس کا میں عادی نہیں ہوں۔" وہ سلگ گیا۔

"آپ اس وقت جائیے شام زیادہ ہوجائے گی پھر کنوینس کا مسئلہ ہوگا۔" جانے کیوں ہیشم کو اس تیکھی مزاج والی لڑکی سے اتنی کیونکر انسیت اور لگاؤ ہوگیا تھا۔ وہ خود کو جیسے اس کے بغیر ادھورا سمجھنے لگا تھا۔ گھر کی جو ٹینشن تھی وہ اس میں بھی خوشنما سے غافل نہیں تھا۔ اسے خوشنما کی سادگی صاف گوئی سچائی بہت متاثر کرگئی تھی۔ اس نے خوشنما سے وفاشعاری کا سبق بھی لے لیا تھا۔ وہ اپنے شوہر سے کتنی محبت کرتی تھی جب کہ وہ اسے کچھ سمجھتا نہیں تھا پھر بھی وہ خود کو اس کے نام پر رکھے ہوئے تھی۔ یہ بھی تو مڈل کلاس لڑکی تھی اس میں اس کے ماں باپ کی تربیت کا دخل تھا۔ جنہوں نے اس کی اچھی تربیت کی تھی اور لڑکیوں کی طرح! اس میں نخرے اور نزاکت والے انداز نہیں تھے۔ جب کہ کتنی نرم و نازک سرخ و سپید خوب صورت نقوش والی خوشنما بالکل بھی غرور نہیں کرتی تھی۔ اسے جیسے اپنے حسن کی پرواہ ہی نہیں تھی یا پھر اسے خبر نہیں تھی یا انجان تھی وہ حسن کی دولت سے مالا مال ہے۔

"آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آج پہلی دفعہ دیر تک کام نہیں کروں گی۔ اسٹارٹ میں آپ مجھ سے دیر تک ہی کام لیتے تھے۔" ساتھ ہی اس نے جتایا ہیشم تو لگتا تھا اس کے حسن کے پیچ و خم میں الجھ گیا تھا۔

"آں ہاں۔" وہ کچھ جز بز ہوگیا۔

فان کلر کی پینٹ آف وائٹ چیک کی شرٹ میں وہ کتنا سوبر لگ رہا تھا۔

"بٹ میں آج آپ کو اتنی دیر کی اجازت نہیں دیتا فوراً اٹھیے میں آپ کو ڈراپ کردوں گا۔ کیوں کہ مجھے بھی ادھر ہی کام سے جانا ہے۔" مرتضٰی علی کی کال آگئی تھی وہ جاوید احمد کے گھر پہنچ گئے تھے۔ اسے بھی وہیں پہنچنے کو کہا تھا اس نے سوچا خوشنما کو بھی راستے میں ڈراپ کردے گا۔

"وہ وہ نہیں مجھے کام کرنا ہے۔" وہ گڑبڑا گئی۔

"اونہہ مائی فٹ۔" ہیشم کو پہلے ہی جھنجلاہٹ تھی۔

"فوراً نیچے آؤ میں گاڑی میں ویٹ کر رہا ہوں۔" وہ اس کی سنے بغیر قدم بڑھاتا ہوا نکل گیا۔

☆......☆

"اس دفعہ دادی جان کا لمبا ہی قیام ہوگیا ہے۔" مزمل کو حیرانگی بھی تھی۔

"وہ آج کل میں بھابھی کو نوٹ کرنے آئی ہیں۔" طلحہ انہیں جانتا تھا کیوں کہ مسلسل حباب پر ٹوکا ٹاکی

ہی کر رہی تھیں۔

''ہاں یار! یہ تو ہے۔'' مزمل تو اچھی طرح واقف تھا۔ اس کے سامنے خود کئی دفعہ فضول کی باتوں پر اعتراض کیا تھا۔

''مزمل! مجھے کچن سے شوگر پاٹ لا دو۔'' حباب کمرے سے نکلتے ہوئے ہچکچا رہی تھی اگر پھر انہوں نے کوئی بات کہہ دی۔

''ارے بھابھی! آپ تو دادی جان سے ڈرنے ہی لگی ہیں۔ ارے جائیے آپ پر اعتمادی سے ہر بات کا جواب دیں۔'' مزمل نے اس کی ہمت بڑھائی۔

''وہ بزرگ ہیں۔ میں ان سے الجھنا نہیں چاہتی۔'' وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''چلو میں خود ہی لے آتی ہوں۔'' جیسے اسے مزمل کی بات سمجھ آ گئی تھی۔

''رضوانہ ضمران کی دلہن دوپہر سے کمرے میں ہی گھسی ہوئی ہو۔'' پھر نکتہ اعتراض اٹھایا۔

''جی وہ میں کمرے کی ڈسٹنگ کر رہی تھی۔'' حباب نے کوفت میں مبتلا ہوتے کہا۔

''کیوں صبح صاف نہیں کرتی ہو۔ ارے بستر سے اٹھ کے پہلے نہایا دھویا کرو پھر کسی کام کو ہاتھ لگایا کرو۔ غضب خدا کا رضوانہ تم نے تو بالکل ہی آنکھیں بند کر لی ہیں۔'' انہوں نے انتہائی ناگواری میں مبتلا ہوئے گویا ان پر طنز ہی کیا۔

اور حباب وہ تو شرم اور غصے سے سلگ کے رہ گئی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے میں غسل کر کے ہی ہر کام کرتی ہوں اور دن میں ایک دفعہ نہیں تین دفعہ کرتی ہوں غسل، مجھے صاف رہنے کی عادت ہے اور رہی کمرے کی ڈسٹنگ وہ میں ہر وقت صاف رکھتی ہوں مگر کبھی پھیل جاتا ہے۔ اسے سمیٹنا بھی پڑتا ہے۔ یہ روز نہیں ہوتا کبھی کبھی کیونکہ ضمران ابھی آفس سے آئے ہیں۔ ان کے کاموں میں لگی تھی۔'' وہ انہیں تفصیلی آگہی دینے کے بعد شوگر پاٹ لے گئی۔

''مجھے آپ کچھ دنوں کے لیے امی کے گھر چھوڑ دیں مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ ہر بات جو کہنے کی بھی نہیں ہوتی ہیں وہ دادی جان کہہ جاتی ہیں۔'' چائے میں شوگر ملانے کے بعد ضمران سے تیز لہجے میں ہی بولی تھی۔

''کیوں ڈر کے بھاگ رہی ہو۔'' اس نے مسکرا کے طنز کیا۔

''میں ڈرتی ورتی کسی سے نہیں ہوں۔''

''آئی نو یہ تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔'' حباب نے اس کی آنکھوں میں دیکھا جو اسے ہی بغور دیکھ بھی رہا تھا۔

''میں ایسی فضول باتوں سے ڈرتی ہوں۔'' وہ جھٹ وضاحت دینے لگی۔

''مجھے آج ہی چھوڑ دیں جب یہ چلی جائیں مجھے لینے آ جائیے گا۔'' وہ کچھ خاموش سی ہو گئی۔

''امی کو یہاں ان کے نرغے میں اکیلی چھوڑ کے چلی جاؤ گی؟ ارے تمہارے چلے جانے سے وہ اور باتیں بنائیں گی۔ تم جانے کی غلطی نہیں کرو، ان کا دفاع کرو۔ ہماری امی کو بھی ایسے ہی بولتی تھیں وہ برداشت ہی کرتی آئی ہیں دیکھو خود ہی گھر سے بے دخل کیا اور اپنے بیٹے کو اپنے پاس رکھ لیا، ابو کا مستقبل ہی خراب کر دیا۔ وہ تو

اکیلے ہیں اور ہماری ماں کے پاس چار بیٹے ہیں اور خود دادی جان کون سا سکھ سے ہیں۔ تائی امی سے ان کی بنتی نہیں ہے۔ تایا ابو اپنی بیوی کی ہی حمایت کرتے ہیں۔''

''کہتے ہیں سسرال میں اگر شوہر کی سپورٹ حاصل نہیں ہو تو بیوی بہت کمزور اور اکیلی ہوتی ہے۔'' حباب نے بھی تائیدی کہا۔

''مگر تمہارے ساتھ یہاں بالکل ایسا نہیں ہے۔ شوہر کی سپورٹ حاصل ہے اور ساس دیوروں کی بھی تمہیں کوئی اکیلا کرے گا بھی نہیں۔'' چائے پی کے کپ اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

''یہ سب کہنے کی باتیں ہیں لڑکی سسرال میں اکیلی ہی ہوتی ہے۔ کیوں کہ رخصت ہو کے لڑکی آئی ہے۔ لڑکا نہیں اس لیے سسرال والے جیسا چاہے سلوک کرتے ہیں اور شوہر اگر قسمت سے اچھا مل جائے۔ تو ٹھیک ہے ورنہ پھر زندگی عذاب ہی بنتی ہے۔'' وہ عجیب سے لہجے میں گویا ہوئی۔

''تمہارے ساتھ یہاں ایسا کون سا سلوک برتا جا رہا ہے۔ کوئی روکتا ٹوکتا تک نہیں ہے۔ شوہر کو تم کچھ سمجھتی نہیں ہو۔'' ساتھ ہی اس نے بھی طنز کا تیر اچھالا۔

''اب خود ہی دیکھ لیں میری ایسی بات پر کیسے آپ کا رویہ بدل گیا۔''

''یار! تم بات ہی عجیب کر رہی ہو اتنا تو سب خیال رکھتے ہیں تمہارا اس پر بھی تم منہ بنا کے رکھتی ہو۔'' ضمران نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔

''آپ سب کی وجہ سے آپ کی دادی جان اور پھوپھو مجھ سے جلتی تپتی رہتی ہیں میں یہاں خود سے تو چل کے نہیں آئی ہوں۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''حباب پلیز! اب رونا دھونا نہیں تم ان کی باتوں کا کیوں اثر لیتی ہو۔ تم صرف مجھ سے غرض رکھو۔'' ضمران سے اس کے آنسو نہیں دیکھے جا رہے تھے۔

''میں اثر لینا نہیں چاہتی مگر وہ مجھے ذہنی ٹارچر کر کے ان باتوں پر اثر لینے پر مجبور کرتی ہیں۔''

''اچھا چلو چھوڑو فضول میں بحث ہی بڑھے گی۔ تم گھر جانا چاہتی ہو میں چھوڑ کے آتا ہوں۔'' لگتا تھا اسے حباب پر ترس آنے لگا تھا واقعی اس کا تو کوئی قصور نہیں تھا جو اسے باتیں سنائی جاتی ہیں طنز کیے جاتے ہیں۔

''مجھے نہیں جانا پہلے منع کر دیا پھر جانے کا کہہ رہے ہیں۔'' وہ روٹھ کے بیڈ پر ہی لیٹ گئی۔

ضمران کو وہ کبھی کبھی بہت چھوٹی سی بچی لگتی۔ جسے سنبھالنا بہت مشکل ہو جاتا تھا۔ یہ تو اسے اندازہ ہو گیا تھا وہ بہت حساس اور نازک مزاج کی ہے۔ کچھ ماں و باپ کی علیحدگی کی وجہ سے بھی حباب کی شخصیت بہت متاثر ہوئی تھی۔

''جیسے تمہاری مرضی ویسے میں نے منع کسی وجہ سے کیا تھا وہ میں نے تمہیں بتا دیا تھا۔'' ضمران نے اس کا چہرہ بغور دیکھا وہ بہت بے زار لگ رہی تھی۔

''دیکھو! تم ان سب کی باتوں کو ایک کان سے سن کے دوسرے سے نکال دیا کرو دل نہیں جلاؤ۔''

''یہ سب کہنا بہت آسان ہے ضمران صاحب! مگر جب لوگ بار بار جتاتے ہیں اور احساس دلاتے ہیں تو ہی دل بھی جلتا ہے۔'' وہ کپ اٹھا کے باہر نکل گئی۔

ضمران کی خود سمجھ نہیں آرہا تھا حباب کو وہ کیسے سنبھالے اگر شہریار سے کچھ بولتا ہے تو حباب پھر اس سے لڑے گی کیوں کہ شہریار، حباب کو سمجھانے جو لگتا ہے۔

☆......☆

کب سے وہ سب آئے بیٹھے تھے اور اس کا کوئی پتا نہیں تھا۔

''یہ آپی کو آج ہی کام تھا۔'' رمنا کو فکر بھی ہو رہی تھی۔ وہ ابھی تک جو نہیں آئی تھی۔

مرتضٰی صاحب بھی بار بار اس کے موبائل پر کال کر رہے ہیں مگر وہ آف کیے بیٹھی ہے۔'' امی کو فکر ستائے جا رہی تھی۔ مغرب کی اذانیں ہو گئی تھیں عموماً وہ اس وقت آجاتی تھی ستمبر شروع ہو گیا تھا اور اذانیں سات بجے ہونے لگی تھیں۔

''ہیثم ابھی تک نہیں آیا۔ وہ تو کہہ رہا تھا میں پہنچنے والا ہوں۔'' مرتضٰی علی کو جاوید احمد کے سامنے شرمندگی ہو رہی تھی۔

''ہو سکتا ہے کوئی کام پڑ گیا ہو۔'' حالانکہ فکر مند جاوید احمد بھی ہو رہے تھے۔

ثمینہ کی نگاہیں مسلسل دروازے پر لگی تھیں خوشنما بھی تو نہیں آئی تھی۔ وہ جانتی تھیں بہت ضدی طبیعت کی ہے۔

اسی وقت ڈور بیل ہوئی۔ وہ فوراً گیٹ پر گئی تھیں۔

سامنے ہیثم کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ اس نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' جلدی سے اسے راستہ دیا وہ اندر جھجکتا ہوا آ گیا بلیک پینٹ پر لائٹ پنک شرٹ میں وہ چارمنگ لگ رہی تھا۔

''شکر ہے آ گئے۔'' مرتضٰی علی نے بھی تشکر بھرا سانس لیا۔

''کیا بات ہے آج خوشی بیٹا کو اتنی دیر ہو گئی آنے میں۔''

''جی پتا نہیں کیا بات ہے ورنہ عموماً پانچ چھ بجے تک آجاتی ہے۔'' جاوید احمد شرمندہ ہوئے ہیثم کے چتون تیکھے ہوئے وہ چونک گیا۔

''جاوید! میں خوشی بیٹا کو سمجھتا ہوں وہ جان کے ہم سے بچ رہی ہو گی۔'' وہ سمجھ گئے تھے۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ شرمندہ ہوئے۔

''دیکھو! اس کا غصہ حق بجانب ہے۔'' انہوں نے ان کی شرمندگی کو ختم کیا۔

اتنے میں وہ بھی آ گئی تھی مگر بہت غصے میں تھی۔ کیوں کہ ہیثم نے زبردستی اسے ڈراپ کیا تھا چند گلیوں پہلے اتری تھی اس لیے چل چل کے پسینے میں ہو گئی تھی۔

''شکر ہے آپی! آپ آ گئی ہیں۔ ہیثم بھائی بھی آئے ہیں۔ بڑے ہینڈسم لگ رہے ہیں۔'' رمنا تو بہت ہی ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی۔

''فضول بکواس نہیں کرو۔ میرے کپڑے پریس کر دو۔ میں پہلے نہاؤں گی بہت حشر خراب ہو رہا ہے۔'' وہ اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دینا چاہ رہی تھی۔

''آپی! اچھی طرح تیار ہونا آج آپ کی رخصتی ہے۔'' ایمن نے بھی شرارت سے اسے چھیڑا۔

''تم دونوں کا دماغ خراب ہے۔ میں اس لیے تیار نہیں ہو رہی ہوں مجھے گرمی لگ رہی ہے۔'' وہ کپڑے بیڈ پر ڈال کے واش روم میں چلی گئی تھی۔ رمنا اور ایمن نے ان لوگوں کے لیے ناشتہ وغیرہ سرو کر دیا تھا وہ خوشنما کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

''بلایئے ہماری بیٹی کو۔'' مرتضٰی علی کو جلدی تھی۔ جب کہ وہ سر جھکائے بیٹھا تھا اس کا تو پہلے ہی دل عجیب ہو رہا تھا ایک طرف خوشنما کو دل میں بسا چکا تھا اور ایک طرف یہ اس کی بیوی کیا کرتا اس کی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

''ہیثم احمد! خوشنما کسی کی بیوی ہے کیوں کسی کی بیوی پر نگاہ رکھ کر گناہ کے مرتکب ہوتے ہو۔'' اندر سے ضمیر نے لعنت ملامت کی تھی۔ ''یہ لڑکی تمہاری بیوی ہے اسے عزت سے لے کے جاؤ پہلے ہی اس کی تم نے بہت بے عزتی کی ہے۔''

''کیا بات ہے ابھی تک وہ آئی کیوں نہیں؟'' جاوید احمد نے ثمینہ سے پوچھا۔

''وہ آج جانے کو منع کر رہی ہے۔''

''ارے یہ کیا بات ہوئی۔'' جاوید احمد کو غصہ آنے لگا۔

''آرام سے جاوید وہ بچی بہت ٹوٹی ہوئی ہے۔ اس نامعقول کی وجہ سے میں بات کرتا ہوں۔'' وہ انہیں چپ کرانے لگے۔

''نانا جان! میں بات کروں۔'' اس نے مجبوراً لب کھولے ان تینوں نے ہی حیرانگی سے اسے دیکھا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔'' جاوید احمد تو بھی چاہتے تھے یہ دونوں خود ہی مل کے کوئی بات کریں گے تو بہتر ہو گا۔

اندر خوشنما نے سنا کہ وہ اس سے بات کرنے آرہا ہے۔ تو وہ گڑبڑا گئی۔ سامنے کرنے پر حقیقت اس پر واضح ہو جائے گی اور اتنی جلدی وہ ہیثم کو معاف نہیں کرے گی۔

''امی! میں ان سے کوئی بات نہیں کروں گی۔'' اس نے صاف منع کر دیا۔

''پھر گھر جا کے بات کرنا رمنا اس کا سوٹ کیس اٹھاؤ جو پیک کیا تھا۔'' وہ تو جیسے انکار سننا ہی نہیں چاہتی تھیں۔

''امی! یہ کیا کر رہی ہیں؟'' وہ روہانسی ہونے لگی۔ مگر ثمینہ نے اسے زبردستی چادر اوڑھائی اور واسطے دیے وہ منہ چھپائے روتی ہوئی چلی گئی۔ ہیثم نے چونک کے اس کے وجود کو دیکھا کچھ گمان گزرا تھا۔ مگر چہرہ چھپا تھا۔ میرون کلر کی بڑی سی چادر جس پر شیشوں اور دھاگوں کی کڑھائی تھی اس میں وہ لپٹی تھی۔

''نانا جان! ان سے بولیے اپنی سسکیاں بند کریں کیوں کہ ہم انہیں کڈنیپ کر کے نہیں لے جا رہے۔'' اسے رونے سے کوفت ہو رہی تھی۔

مرتضٰی علی مسکرائے وہ پیچھے کی سیٹ پر بیٹھی تھی۔

''خوشی بیٹا! چپ ہو جاؤ اس نامعقول کو جو دل چاہے سزا دینا، میری طرف سے اجازت ہے۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

(جاری ہے)

فاطمہ خان

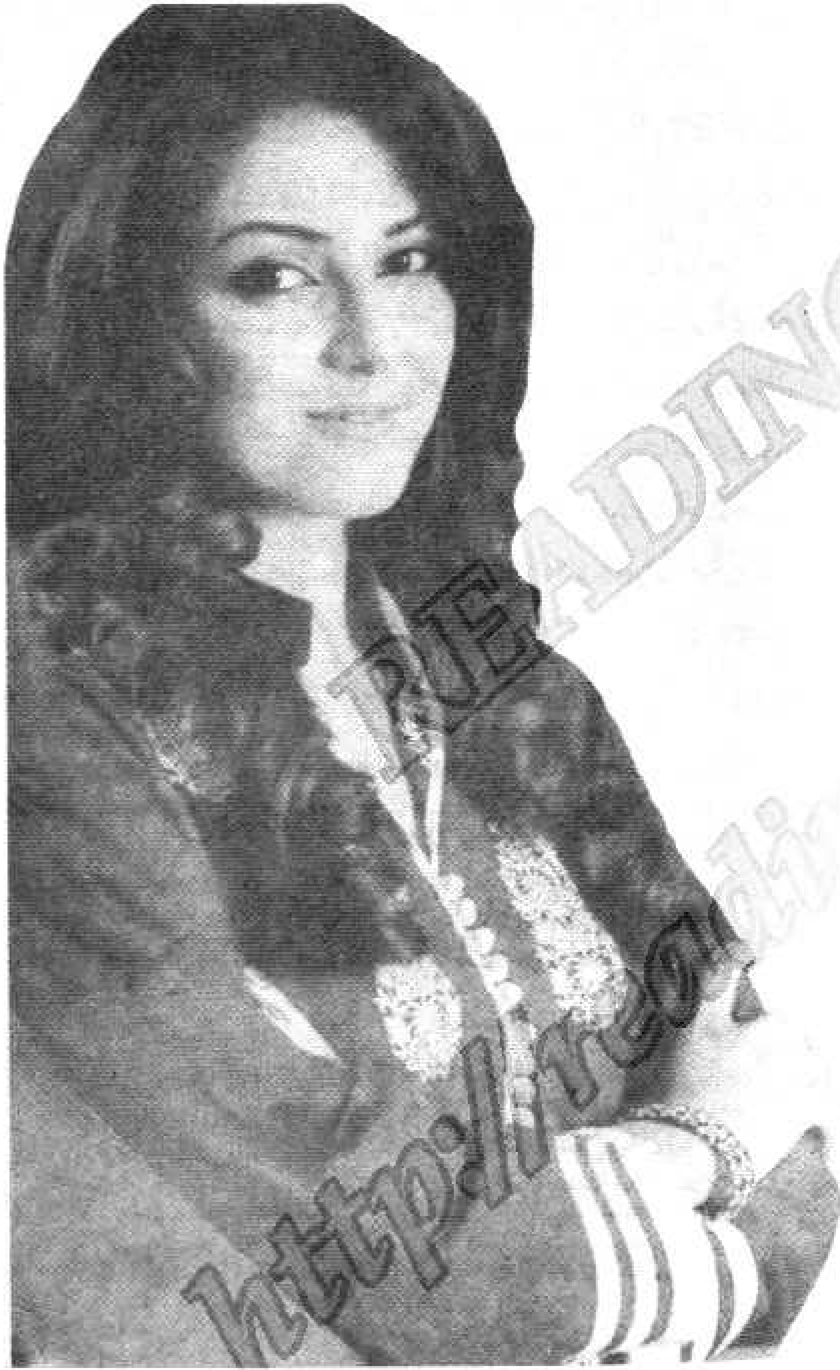
مکمل ناول

ایک تھی ساحرہ

وہ ساحرہ انتہائی بے یقینی سے سامنے والا منظر دیکھ رہی تھی۔ یہ منظر اس کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ درد کی شدت سے اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں مگر درد اس لمحے صرف اس کی آنکھوں میں



نہیں بلکہ اس کے پورے وجود کے اندر خون کی مانند دوڑ رہا تھا۔ ساحرہ نے چاہا کہ ہر بار کی طرح اس بار بھی اپنے کسی سحر سے وہ اس منظر کی بدصورتی کو خوب صورتی میں بدل دے مگر زندگی میں پہلی بار اس کا ہر سحر بے اثر جا رہا تھا۔ وہ کسی پنجرے میں بند پرندے کی طرح پھڑ پھڑا رہی تھی مگر بے بس تھی۔ کچھ ہی دیر میں سامنے سے آگ کے شعلے اس کی طرف بڑھنے لگے مگر وہ آگ کے شعلے نہیں کسی کی نفرت سے بھری ہوئی نگاہیں تھیں۔ جو بہت تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ وہ بھاگ کر اسٹور روم میں چلی گئی مگر وہ نگاہیں مسلسل اس کے تعاقب میں تھیں، کچھ ہی دیر میں وہ ان شعلوں کی لپیٹ میں تھی۔ اس کا پور پور جل رہا تھا۔ وہ رونا، چیخنا اور چلانا چاہتی تھی۔ مگر کسی نے اسے یہ موقع بھی نہیں دیا تھا۔ وہ اوندھے منہ گر پڑی تھی۔ سامنے کھڑے نفوس اس کی اس حالت پر قہقہے لگا رہے تھے۔ اس نے آنکھیں موندھ لیں۔ وہ ساحرہ اس روز ہار گئی تھی دس سال پر محیط اس کا



سحر ٹوٹ چکا تھا۔

چٹا ککڑ بنیرے تے......

کاسنی دوپٹے والیے......

منڈا اصد قے تیرے تے......

لڑکیاں نہایت بلند آواز میں مہندی کے گیت گا رہی تھیں۔ آئرہ اسٹیج پر بیٹھی مسکراتی ہوئی سب کو دیکھ رہی تھی۔ یہ گیت سننا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ان گیتوں نے فضا میں کچھ شوخ سے رنگ بھر دیے تھے اور آئرہ کا پورا وجود ان رنگوں میں رنگ گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں باقاعدہ طور پر مہندی لگانے کا آغاز ہو گیا۔ مہندی کی اس خوشبو کو لحہ لحہ وہ اپنے اندر اتار رہی تھی۔ جس شخص کے نام کی اسے مہندی لگ رہی تھی وہ تو اسے جانتی تک نہیں تھی مگر اس لمحے اس نے اس شخص کو اپنا مان لیا تھا۔ وہ اجنبی اسے خود سے بھی پیارا ہو گیا تھا۔ اپنی مہندی کی رات ہر لڑکی شاید ایسے ہی تجربات سے گزرتی ہو گی۔ اپنے آنے والے کل کے حوالے سے رنگوں، پھولوں اور خوشبوؤں سے سجے خواب اس کی دہلیز پر دستک دیتے ہوں گے۔ ایسے ہی کچھ خواب آئرہ سجاد کی آنکھوں میں بھی آن بسے تھے جسے کچھ دیر پہلے ہی حاشر محمود کے نام کی مہندی لگ چکی تھی۔ اپنے والدین اور بہن بھائیوں سے بچھڑنے کا دکھ اپنی جگہ مگر آئرہ کو ایک اجنبی کے بارے میں سوچنا بھی بہت اچھا لگ رہا تھا۔ جو اب اجنبی نہیں بلکہ اس کے دل کا مکین بن چکا تھا۔ اس رات آئرہ نے اپنے دل کے سارے دروازے اس ایک شخص کے لیے کھول دیے تھے۔

''نیلو بھابھی! جلدی کریں ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' حاشر جھنجھلاتا ہوا اپنی بھابھی کے کمرے میں داخل ہوا جو اس وقت تیار ہو کر آئینے کے سامنے کھڑی اپنا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

''چلیے چلتے ہیں جناب دیور صاحب! ایسی بھی کیا بے صبری۔'' نیلم نے مسکراتے ہوئے اپنے دیور کی طرف دیکھا جو کالی شیروانی میں کسی مغلیہ شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

''بارات تیار کھڑی ہے نیلو بھابھی! مگر آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا دیور آپ کے بغیر نہیں جائے گا۔'' حاشر کا لہجہ بھی اب خوشگوار ہو گیا تھا۔

''بس میں تیار ہی ہوں۔ اطہر کہاں ہیں؟'' نیلم نے اپنے دوپٹے کو ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

''اطہر بھائی اپنی گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں مگر آپ میرے ساتھ میری گاڑی میں جائیں گی اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھیں گی۔'' حاشر نے حکمیہ انداز میں کہا۔

''اوکے باس!'' نیلم ہنستے ہوئے بولی اور حاشر کے ساتھ باہر کی طرف چل پڑی جہاں باقی بارات ان دونوں کا انتظار کر رہی تھی۔

سید محمود شاہ کے تین بیٹے تھے۔ سب سے بڑا بیٹا اکبر محمود ایم بی اے کرنے کے بعد ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر رہا تھا۔ اس نے اپنی پسند سے شادی کی تھی مگر اولاد کی نعمت سے محروم تھا۔ چند سال پہلے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد چند گھریلو اختلافات کے باعث وہ علیحدہ ہو گیا تھا مگر وقتاً فوقتاً محمود شاہ صاحب سے ملنے کے لیے آتا رہتا تھا۔ ان کا دوسرا بیٹا اطہر محمود ایک نہایت کامیاب ڈاکٹر تھا۔ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد اس نے الٹراساؤنڈ کرنے میں مہارت حاصل کی اور اب وہ ایک انتہائی مشہور الٹراساؤنڈ اسپیشلسٹ تھا اور اس کی شہرت میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔ اطہر کی شادی انہوں نے اپنی بیوہ بہن کی بیٹی سے کر دی تھی۔ ان کے ذہن میں یہ سوچ کار فرما تھی کہ یتیم لڑکی اچھے طریقے سے ان کا گھر سنبھال لے گی۔ نیلم نے بلاشبہ بہت اچھے طریقے سے گھر کا انتظام چلایا مگر وہ طبیعت کی ذرا تیز تھی یہی وجہ تھی کہ ان کی

بیگم کی زندگی میں بھی ساس بہو کی روایتی چپقلش اکثر دیکھنے میں آتی رہتی تھی مگر ان کی بیگم کے انتقال کے بعد نیلم نے سارے اختلافات بالائے طاق رکھ کر ان کے گھر کو بلاشبہ جنت بنا کر رکھ دیا تھا۔ محمود شاہ صاحب کا نیلم بہت خیال رکھتی تھی۔ ایک لحاظ سے ان کی بیٹی کی کمی کو اس نے پورا کر دیا تھا۔ ان کا سب سے چھوٹا بیٹا حاشر محمود ان کے دونوں بیٹوں سے زیادہ ذہین اور پروقار شخصیت کا مالک تھا۔ بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹرز کرنے کے بعد اب وہ اپنا بزنس کر رہا تھا۔ وہ الیکٹرانکس کی مختلف اشیاء کو دوسرے ممالک میں بھیجتا تھا اور وہیں سے اشیاء منگوا کر مقامی مارکیٹ میں سپلائی کرتا تھا۔ ابھی اس کا بزنس بہت محدود پیمانے پر تھا مگر محمود صاحب کو یقین تھا کہ وہ بہت جلد بزنس میں بڑی کامیابی حاصل کرے گا۔ اس کو کاروبار کرنے کے لیے سرمایہ بھی انہوں نے ہی فراہم کیا تھا۔ حاشر بھی اپنے باپ کے یقین کو سچ ثابت کرنے کے لیے کاروبار پر بھرپور توجہ دے رہا تھا۔ محمود شاہ نے حاشر کا رشتہ اپنے ایک دوست کی بیٹی سے طے کر دیا تھا۔ حاشر نے اس معاملے میں فرمانبرداری کا ثبوت دیتے ہوئے ان کی پسند پر رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ حاشر تمام گھر والوں میں سے اپنی بھابھی نیلم کے بہت قریب تھا۔ نیلم بھی حاشر کا چھوٹے بچوں کی طرح خیال رکھتی تھی۔ حاشر کا خیال رکھنے کے چکر میں وہ اکثر اطہر کو نظر انداز کر دیا کرتی تھی۔ محمود صاحب اکثر اس بات کو محسوس کرتے تھے مگر خاموش رہتے تھے، ویسے بھی وہ گھریلو معاملات میں مداخلت نہ کرنے کے قائل تھے۔ انہوں نے تمام اختیارات نیلم کو سونپ رکھے تھے۔ اب جب کہ حاشر کا رشتہ طے ہو چکا تھا تو انہیں امید تھی کہ گھر میں ایک اور فرد کے آجانے سے نیلم کا رویہ بھی اطہر کے ساتھ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ نیلم کے دل میں کیا ہے اور آنے والے وقت کے حوالے سے وہ کیا منصوبے بنا رہی ہے۔

☆......☆

حجلہ عروسی میں موجود آئرہ سجاد کو اچانک کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اس کے دل نے گواہی دی کہ اس کا ہمسفر آن پہنچا ہے۔ بے اختیار اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے کھڑا شخص اپنی تمام تر مردانہ وجاہت کے ساتھ اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آکر بیٹھ گیا اور نازک سا بریسلٹ اس کی نازک کلائیوں میں پہنا کر اسے ہمیشہ کے لیے اپنی محبت کا قیدی بنا لیا۔ اس کا حنائی ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر حاشر کتنی دیر بیٹھا رہا اور پھر اسے اپنی زندگی کی کچھ اہم حقیقتیں بتانے لگا۔ آئرہ کو اس کی آواز، اس کے الفاظ بہت اچھے لگ رہے تھے اور کچھ لمحوں کے لیے تو وہ اس کی گفتگو کے سحر میں کھو سی گئی تھی۔

''آئرہ! میری امی کے جانے کے بعد نیلو بھابھی نے اس گھر کو جنت بنا دیا ہے۔ آپ اگر اس جنت میں رہنا چاہتی ہیں تو آپ کو نیلو بھابھی کو وہی اہمیت دینی ہو گی۔ جو آپ مجھے دیں گی۔ ان کا کہا ہوا ہر لفظ آپ کے لیے حکم کی حیثیت رکھے گا۔''

آئرہ سر جھکائے اپنے ہمسفر کی باتیں سنتی رہی۔ وہ رات ان دونوں کی رات تھی مگر حاشر ایک تیسرے کی باتیں کرتا رہا۔ وہ ساری رات آئرہ کو یہی سمجھاتا رہا کہ اسے نیلو بھابھی کو کتنی اہمیت دینی ہو گی۔ پہلی رات کا دیا ہوا سبق اب آئرہ ساری زندگی نہیں بھول سکتی تھی۔

سجاد احمد کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی کے لیے جب ان کے دوست کے بیٹے کا رشتہ آیا تو انہوں نے رضامند ہونے میں ایک لمحے کی بھی دیر

نہیں لگائی، کیوں کہ وہ محمود شاہ کو بہت سالوں سے جانتے تھے اوران کی خاندانی شرافت اور وضع داری کے قائل تھے اور انہیں اس بات کا یقین تھا کہ آئرہ وہاں بہت خوش رہے گی اور یہی یقین انہوں نے آئرہ کے سپرد کردیا۔ ان کے اسی بھروسے اور اعتماد کی ڈور تھام کر آئرہ اپنے گھر سے رخصت ہوئی۔ سجاد احمد کے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کی شادی ہوچکی تھی اور سب بچے اپنے اپنے گھروں میں خوش تھے۔ اس خوشگوار زندگی کا سارا کریڈٹ وہ اپنی بیگم کو دیتے تھے۔ ان کے اچھے رویے کے باعث ان کی کسی بہو کو کبھی ان سے شکایت نہیں ہوئی تھی۔ ان کے آنگن میں اب پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کی چہکاریں گونجتی تھیں اور اپنا گھر انہیں کسی جنت سے کم نہیں لگتا تھا۔ آئرہ کی رخصت کے بعد وہ دونوں میاں بیوی بہت پرسکون تھے کہ ان کی آخری اولاد بھی بالآخر اپنے گھر کی ہوئی۔ آنے والے دنوں کی تلخیوں سے بے خبر ان کا خاندان زندگی کے خوشگوار لمحوں سے بھرپور طریقے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

☆......☆

آئرہ کو حاشر کی سنگت میں دن گزارتے ہوئے ایک ماہ سے زائد ہوچکا تھا۔ اپنا سسرال اسے کسی ونڈرلینڈ کی طرح لگتا تھا اور بعض اوقات سسرالیوں کے عجیب وغریب رویے اسے بہت حیران کردیتے تھے۔ حاشر اسے ایک نہایت سنجیدہ انسان لگے تھے۔ وہ اکثر اپنے کاروبار میں مصروف رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دونوں شادی کے بعد کہیں گھومنے بھی نہیں جاسکے تھے۔ اس سلسلے میں آئرہ نے حاشر سے ایک دو بار بات بھی کی تھی مگر ہر بار حاشر نے اپنی کاروباری مصروفیات کا رونا رویا جس کے باعث اس نے اب اس بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ گھر کے کاموں میں دلچسپی لینا چاہتی تھی مگر نیلو بھابھی تو اسے کچن میں داخل بھی نہیں ہونے دیتیں تھیں۔ انہوں نے اسے کہہ دیا تھا کہ کم از کم تین ماہ تک وہ گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگائے گی۔ آئرہ نے بہت بار کوشش کی کہ وہ کچن میں جاکر ان کی کچھ مدد کروادے مگر نیلو بھابھی ہر بار اسے کسی نہ کسی بہانے سے واپس کمرے میں بھیج دیتیں تھیں۔ بلکہ ایک دو بار تو گھر کے نوکروں کے سامنے بھی وہ آئرہ سے سختی سے پیش آتی تھیں۔ نیلو بھابھی کی دو بیٹیاں تھیں جو بالترتیب چھے اور سات سال کی تھیں اور انتہا کی شرارتی اور بدتمیز تھیں۔ وہ بھی اکثر آئرہ کے ساتھ بہت بدتمیزی سے بات کیا کرتی تھیں۔ آئرہ کا دل نہ صرف گھر کے کاموں سے بلکہ اس گھر سے بھی اچاٹ ہوتا جارہا تھا۔ وہ نوکری کرنا چاہتی تھی مگر حاشر کے سرد رویے کے باعث ان سے کچھ پوچھتے ہوئے ڈرتی تھی۔ ایک بات اسے بہت حیران کرتی تھی کہ حاشر کی سنجیدگی صرف ان کے کمرے تک محدود تھی۔ جب وہ نیلم کے ساتھ ہوتا تھا تو اس کی شوخیاں عروج پر ہوتی تھیں اور نیلم بھی ہر کام میں حاشر کی پسند و ناپسند کا خیال رکھتی تھی۔ حاشر اپنے تمام کام آئرہ کے بجائے اپنی بھابھی سے کروانا پسند کرتا تھا اور یہ سب کچھ وہ آئرہ کو شادی کی پہلی رات ہی بتا چکا تھا کہ اسے اپنی بھابھی کے علاوہ کسی کے ہاتھ کا کیا ہوا کام پسند نہیں ہے۔ آئرہ نے بہت بار کوشش کی کہ وہ اپنے شوہر کے تمام کام خود سے کرے مگر نہ حاشر اور نہ ہی نیلم کوئی بھی اس کی اجازت دینے کو تیار نہیں تھا۔

آئرہ کو لگتا تھا کہ وہ اس گھر میں صرف ایک ڈیکوریشن پیس کی طرح ہے اور کسی روز جب وہ پرانی ہوجائے گی تو اٹھا کر باہر پھینک دی جائے گی۔ اس کے سسر محمود شاہ صاحب اپنی بیگم کے انتقال کے بعد اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئے

تھے۔ انہیں گھریلو معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اس گھر میں آئرہ کو سب سے زیادہ مظلوم شخصیت اپنے جیٹھ ڈاکٹر اطہر محمود کی لگی تھی۔ نیلم اس کی دونوں بیٹیاں ڈاکٹر اطہر سے بہت بدتمیزی سے بات کیا کرتی تھیں۔ ان کو ان کے گھر والوں نے شاید پیسے کمانے والی مشین سمجھ رکھا تھا۔ آئرہ کو کہیں سے نہیں لگتا تھا کہ وہ اس گھر کے بڑے بیٹے ہیں بلکہ اسے تو ان کی حیثیت نوکروں سے بھی کمتر لگتی تھی۔ اسے اپنا اور حاشر کے بڑے بھائی اطہر محمود کا دکھ ایک جیسا لگتا تھا بہت بار اس کا جی چاہا کہ وہ اپنے جیٹھ کے پاس بیٹھے اور ان سے اپنی تنہائیوں کے دکھ بانٹے مگر اس کی ان سے ملاقات ہی نہیں ہوتی تھی لیکن ایک روز اس کی یہ خواہش بھی پوری ہوگئی جب اس نے ڈاکٹر اطہر کے کمرے سے مسلسل کھانسنے کی آواز سنی اور بے اختیار اس کے قدم اندر کی طرف بڑھ گئے۔

حاشر محمود کی زندگی میں دو عورتوں کے کردار کی گہری چھاپ تھی۔ ایک اس کی ماں اور دوسری اس کی بھابھی جنہوں نے اس کی شخصیت پر بہت گہرا اثر ڈالا تھا۔ اس کی ماں اس کی بہترین دوست تھیں۔ دوسرے بھائیوں کی نسبت وہ اپنی ماں کے زیادہ قریب تھا۔ بچپن سے لے کر جوانی تک وہ اپنے دل کی ہر ایک بات اپنی ماں سے ہی کیا کرتا تھا۔ اسے اسی بات کا دکھ تھا کہ جب وہ زندگی میں کسی مقام پر پہنچا تو اس کی ماں اسے چھوڑ کر اپنے ابدی سفر پر روانہ ہوگئی۔ وہ بہت گم صم رہنے لگا تھا اور خود کو اس نے تنہائیوں کے خول میں بند کرلیا تھا۔ انہی دنوں وہ بیمار ہوگیا۔ اس کی بیماری کے دنوں میں اس کی بھابھی نے حاشر کا اتنا خیال رکھا کہ اسے بعض اوقات شرمندگی محسوس ہونے لگتی کہ وہ ان سے اتنی خدمتیں کروا رہا ہے۔ اسے اکثر ڈراؤنے خواب آنے لگے تھے وہ خوابوں میں ڈر جایا کراتا تھا۔ اسے سانس کی تکلیف رہنے لگی تھی مگر نیلم حاشر کے لیے ایک مسیحا ہی تھی جس نے دن رات اس کی دیکھ بھال کی اور اسے اس قابل بنایا کہ وہ دوبارہ سے زندگی کے معاملات میں دلچسپی لینا شروع کرے۔ ان کی توجہ کے باعث وہ زندگی کی طرف لوٹ آیا تھا وہ اپنی نیلو بھابھی کے بہت قریب ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے دل کی مسند پر ماں کی جگہ اپنی نیلو بھابھی کو بٹھا دیا۔ وہ ان مردوں میں سے تھا جنہیں زندگی کے ہر موڑ پر کسی نہ کسی عورت کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اس کو پہلا سہارا اس کی ماں نے دیا تھا اور پھر نیلو بھابھی نے اس کی بکھری ہوئی شخصیت کو سمیٹا۔ حاشر کو لگتا تھا کہ ان جیسی خاتون دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ جب محمود صاحب نے حاشر سے اس کی شادی سے متعلق بات کی تو اس نے ان سے کہہ دیا کہ سارے اختیارات نیلو بھابھی کے پاس ہیں وہ جس لڑکی پر انگلی رکھ دیں گی حاشر اسے اپنی زندگی کی ساتھی بنالے گا۔ نیلم نے اس کی زندگی کے ہمسفر کے طور پر آئرہ کا انتخاب کیا تھا جو بلاشبہ بہت خوب صورت تھی اور اس کو دیکھتے ہی حاشر نے بے اختیار اپنی بھابھی کی پسند کی داد دی تھی۔ آئرہ کے زندگی میں آجانے سے اس کو کچھ خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ اب بھی اپنے سارے کام اپنی بھابھی سے ہی کرواتا تھا کیوں کہ کسی اور کے ہاتھ سے کیے ہوئے کام اسے پسند نہیں آتے تھے۔ شادی کو چار ماہ سے زائد ہوچکے تھے۔ اب آئرہ کا رویہ اسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔ اسے اکثر نیلم کچن میں نوکروں سے کام کرواتی نظر آتی اور آئرہ اپنے کمرے میں آرام کرتی نظر آتی تھی۔ اس نے بہت بار نیلم سے اس سلسلے میں بات کی مگر وہ ہنس کر اس کی بات ٹال دیا کرتی تھی اور اسے منع بھی کرتی تھی کہ وہ آئرہ پر گھر کے کاموں کے لیے دباؤ نہ

ڈالے۔ جب اس کا دل راضی ہو گا وہ خود سے سب کچھ کرے گی۔ وہ ان معمولی باتوں کو لے کر اس سے اپنے تعلقات مت خراب کرے۔

نیلو بھابھی کی یہ باتیں سن کر وہ صحیح معنوں میں ان کی عظمت کا قائل ہو گیا تھا۔ آئرہ آہستہ آہستہ اب اس کے دل سے اترتی جا رہی تھی۔ بات تو وہ پہلے بھی اس سے بہت کم کرتا تھا۔ اب اس نے آئرہ کو مخاطب کرنا اور بھی کم کر دیا تھا بلکہ اب تو وہ اپنے کمرے میں بھی بہت لیٹ جاتا تھا۔ اکثر وہ اپنی بھابھی کے ساتھ گھر کے لان میں بیٹھ کر رات گئے تک باتیں کرتا رہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی نیلو بھابھی نے بھی اس کے بھائی اطہر کی عدم توجہی کا شکار ہیں۔ اسے اپنا اور بھابھی کا دکھ ایک ہی لگتا تھا وہ اکثر سوچتا تھا کہ اطہر بھائی اتنی اچھی بیوی سے کیوں بدگمان رہتے ہیں، بہت دفعہ اس کا دل چاہا کہ اطہر بھائی کے پاس بیٹھ کر بات کرے اور ان سے پوچھے کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں مگر گھر میں داخل ہوتے ہی نیلو بھابھی کو دیکھ کر اسے سب کچھ بھول جاتا تھا۔ بس اتنا یاد رہتا تھا کہ بھابھی اکیلی ہیں اسے انہیں وقت دینا چاہیے اور بھابھی کے پاس بیٹھتے ہی گویا سارا جہان پس منظر میں چلا جاتا تھا۔ ایسا کیوں ہوتا تھا وہ یہ نہیں جانتا تھا مگر اب ایسا اکثر ہونے لگا تھا۔

اطہر کے کمرے میں داخل ہوتے ہی آئرہ کو عجیب سے احساسات نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اسے لگا کہ وہ کسی اداس جنگل میں آ گئی ہو جہاں ہر چیز بے ترتیب اور بکھری ہوئی ہو۔ اس کمرے کی ہر ایک شے سے اداسی ٹپک رہی تھی۔ اطہر پریشان حال صورت بنائے اپنے بستر پر لیٹا بہت بری طرح کھانس رہا تھا۔ آئرہ نے سب سے پہلے اسے پانی پلایا تو اس کی جان میں جان آئی اور اس نے تشکر آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اپنے سسر کی زبانی وہ جان چکی تھی کہ اس کے جیٹھ ڈاکٹر اطہر بہت بیمار ہیں اور دو دن سے اسپتال بھی نہیں جا رہے۔

اسی لیے ان کی خیریت دریافت کرنے وہ پہلی دفعہ ان کے کمرے میں آئی تھی مگر نیلو بھابھی کے ڈر کے باعث وہ جلد از جلد وہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔ اسی لیے دل ہی دل میں بھابھی کے رویے پر لعنت ملامت کرتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل آئی مگر اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ حاشر سے اس سلسلے میں ضرور بات کرے گی۔ اسے تمام گھر والوں کے رویے پر بہت افسوس ہو رہا تھا۔ کمرے سے باہر نکلتے وقت گھر کے نوکر اسے بہت عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے مگر اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ تو بس اتنا چاہتی تھی کہ اطہر جلد از جلد ٹھیک ہو کر اپنے کام پر واپس جائیں مگر اتنا نہیں جانتی تھی کہ اس ذرا سی دیکھ بھال کی سزا اسے کتنی بڑی ملے گی۔

☆......☆

بہت دنوں سے چھائے حبس کے بعد بادل کے چند ٹکڑوں نے بالآخر زمین کے چپے چپے کو سیرابی بخش دی تھی۔ گرمی کے ستائے لوگوں کے لیے بوندوں کے وہ چند موتی ہی آب حیات ثابت ہوتے تھے اور ہلکی ہلکی سی ہوا نے موسم کا لطف دوبالا کر دیا تھا۔ حاشر بھی اسی حسین موسم کا مزہ لینے کے لیے آفس سے ذرا جلدی نکل آیا تھا اور اس لمحے بے اختیار اس کا دل چاہا کہ وہ آئرہ کے ساتھ مل کر موسم کے ان سارے رنگوں کو سمیٹ لے اور اسی بے اختیاری کے عالم میں وہ آئرہ کو فون ملا بیٹھا اور اسے تیار رہنے کا حکم صادر کر کے اس نے فون بند کر دیا۔ اب وہ گھر کی طرف جا رہا تھا تاکہ آئرہ کو ساتھ لے کر وہ اس موسم کا لطف اٹھائے۔ جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوا اسے گھر کے لان میں نیلو بھابھی بیٹھی روتی ہوئی نظر آئیں۔ وہ جلدی سے گاڑی سے اترا اور نیلو بھابھی کی کرسی کے ساتھ

والی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ بھابھی کو اداس دیکھ کر اسے اب اس حسین موسم میں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ٹشو پیپر کا ایک ٹکڑا نکال کر ان کی طرف بڑھایا جسے نیلو بھابھی نے لے تو لیا تھا مگر آنسو پھر بھی ان کی آنکھ کے کناروں کو بھگوئے جا رہے تھے۔

”کیا میں ان آنسوؤں کا سبب جان سکتا ہوں؟“ حاشر نے نیچے گھاس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو بارش کے بعد بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

”حاشر! آئرہ کو منع کرو کہ وہ اطہر کے کمرے میں اکیلی مت جایا کرے۔“

اتنا کہہ کر نیلو بھابھی تو اٹھ کر چلی گئیں مگر حاشر کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور وہ اپنے غصے کو ساتھ لے کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑا، جہاں آئرہ بھی سنوری اس کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ سرخ شیفون کے ایمرائیڈ سوٹ میں ہلکی سی جیولری اور نفیس سے میک اپ کے ساتھ وہ غضب ڈھا رہی تھی۔ اب اس کی تیاری مکمل تھی۔ انتظار تھا تو صرف حاشر محمود کا۔

آئرہ ابھی آئینے کے سامنے کھڑی ناقدانہ انداز میں اپنا جائزہ لے رہی تھی کہ اچانک سے کوئی اس کی پشت پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ آئینے میں حاشر کو واضح طور پر دیکھ سکتی تھی۔ وہ اس کے اتنے قریب کھڑا تھا کہ آئرہ کو اس کی سانسوں کی آواز تک سنائی دے رہی تھی۔ وہ پیچھے مڑنا نہیں چاہتی تھی کہ شاید کوئی خواب ہو اور وہ پیچھے مڑے تو خواب ٹوٹ جائے۔

اچانک حاشر نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اپنے سامنے کر لیا۔ وہ واضح طور پر اس کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنا چاہ رہی تھی مگر حاشر کی آنکھوں میں اس لمحے آئرہ کے لیے محبت نہیں بلکہ نفرت ہی نفرت تھی۔ آئرہ حاشر کے کندھے پر سر رکھ کر اپنے سارے آنسو بہا دینا چاہتی تھی مگر حاشر نے بہت بے رحمی سے اسے سامنے پڑے بیڈ کی طرف اچھال دیا۔ وہ بہت زور سے بیڈ پر گری تھی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں کیوں کہ محبت کا خواب ٹوٹ چکا تھا سامنے بہت بھیانک حقیقت اس کی منتظر تھی۔ حاشر نے اپنا سارا غصہ اس کے اوپر انڈیل دیا تھا۔ وہ نفرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نہ جانے کیا کچھ بولتا چلا گیا۔ الزامات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ اس کے نام سے منسوب کیے جا رہا تھا۔ اس کی ذات کے بخیے ادھیڑے جا رہے تھے۔ آئرہ نے آنسوؤں، آہوں اور سسکیوں کی زبان میں اپنا دفاع کرنا چاہا مگر سامنے کھڑا شخص اس کی کسی بھی بات سے قائل نہیں ہو رہا تھا۔ الزامات کی طویل چارج شیٹ اس کے سامنے پیش کر کے کچھ ہی دیر میں کمرے سے باہر جا چکا تھا اور آئرہ اب اس کمرے کی خالی دیواروں کے ساتھ اپنی ذات کی تذلیل پر ماتم کر رہی تھی۔ باہر بارش تیز ہو چکی تھی اور زندگی میں پہلی بار اسے بارش سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

☆......☆

اطہر کی طبیعت اب دن بدن بہتری کی طرف مائل تھی، اسے پوری امید تھی کہ چند دنوں تک وہ باقاعدہ طور پر اسپتال جانا شروع کر دے گا۔

طبیعت کچھ سنبھلی تو وہ اپنے کمرے سے باہر آیا اور گھر کے لان میں چہل قدمی کی۔ اب وہ خود کو بہت بہتر محسوس کر رہا تھا۔ اپنی بیماری کے دنوں میں اسے یاد تھا کہ ایک لڑکی اس کے کمرے میں ایک ہی بار اس کی دیکھ بھال کے لیے آئی تھی مگر اس کے خلوص کی خوشبو سے بہت دن تک اس کا کمرہ مہکتا رہا تھا۔

اچھے لوگ بھی خوشبو کی طرح ہوتے ہیں جہاں

جاتے ہیں اپنے خلوص کے باعث اس جگہ کو معطر کر دیتے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد بھی لوگ ان کے اچھے کاموں کی وجہ سے انہیں ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ ایسے ہی کچھ پرخلوص جذبات کا اظہار آئرہ نے اطہر کے ساتھ کیا تھا۔ اسی لیے اطہر آئرہ کا شکریہ ادا کرنے اس کے کمرے میں چلا گیا۔

آئرہ اس وقت اپنے کمرے کی ترتیب درست کر رہی تھی، جب اس نے اطہر کو اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑا پایا۔ اطہر کو دیکھ کر آئرہ کو حاشر کے وہ سارے الزامات یاد آ گئے جنہوں نے لمحوں میں اس کو داغ دار کر دیا تھا مگر اس لمحے اس نے خود کو نارمل ظاہر کرتے ہوئے اطہر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ دل ہی دل میں جلد از جلد اس کے جانے کی دعا مانگ رہی تھی۔

''آئرہ! میں دراصل تمہارا شکریہ ادا کرنے آیا تھا۔ تم نے میری خیریت دریافت کی تو میں دل سے تمہارے خلوص کا قائل ہو گیا۔'' اطہر نے اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

آئرہ نے نہایت غائب دماغی کے عالم میں اطہر کی وہ ساری گفتگو سنی۔ اس کی نظریں مسلسل دروازے کی جانب تھیں اسے لگ رہا تھا کہ دو آنکھیں مسلسل اس کے تعاقب میں ہیں۔

''آئرہ! میں دراصل تمہارا شکریہ ادا کرنے آیا تھا۔ تم نے میری خیریت دریافت کی تو میں دل سے تمہارے خلوص کا قائل ہو گیا۔'' اطہر نے اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

آئرہ نے نہایت غائب دماغی کے عالم میں اطہر کی وہ ساری گفتگو سنی اس کی نظریں مسلسل دروازے کی جانب تھیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ دو آنکھیں مسلسل اس کے تعاقب میں ہیں۔

''آئرہ! کیا تمہیں میرا آنا اچھا نہیں لگا؟'' اطہر نے اس کی نظروں کو کھوجتے ہوئے کہا۔

''نہیں...... اطہر بھائی! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ میں تو حیران ہو رہی تھی کہ آپ میرا شکریہ ادا کرنے کیوں آئے ہیں۔ آپ میرے بڑے بھائی جیسے ہیں اور میرے لیے انتہائی قابلِ احترام ہیں اگر آپ کی طبیعت میں نے پوچھ لی ہے تو یہ فرض تھا اور میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا ہے۔''

آئرہ نے ان کی بات کا جواب دیتے ہوئے بے اختیار ان کے چہرے کی طرف دیکھا، تو اسے اطہر بھائی ایک دم بہت معصوم اور نہایت مخلص انسان لگے تھے۔ وہ نیلو بھابھی سے بہت مختلف شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی اور حاشر کی آنکھوں کا رنگ ایک جیسا تھا مگر ان کی آنکھوں میں آئرہ کو اپنے لیے خلوص نظر آتا تھا جب کہ حاشر کی آنکھیں نفرت سے بھری ہوئی تھیں اور اب تو نفرت صرف اس کی آنکھوں سے نہیں بلکہ اس کے پورے وجود سے چھلکتی تھی۔ اطہر کا ضروری فون آ گیا وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا مگر آئرہ نے سوچ لیا تھا کہ وہ ان سے بات کرے گی کہ وہ اس کے کمرے میں مت آیا کریں کیوں کہ اسے لگ رہا تھا کہ کوئی بہت بڑا طوفان آنے والا ہے مگر اسے اپنے گھر کو گرنے سے بچانا تھا۔ وہ اب کچھ دن اپنے ماں باپ کے گھر جانا چاہتی تھی تا کہ وہ کچھ پل سکون سے گزار سکے۔

کہا جاتا ہے کہ مرد کے دل کی سرزمین پر اگر ایک بار شک کا بیج اپنی جگہ بنا لے تو پھر اسے تناور درخت بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ حاشر کے دل میں بھی اب شک کی ننھی ننھی کونپلوں نے اپنی جڑیں مضبوط کرنا شروع کر دیں تھیں اس شک کو یقین میں بدلنے میں نیلو بھابھی نہایت اہم کردار ادا کر رہی تھیں۔ اطہر بھائی سے اسے کوئی خاص جذباتی لگاؤ نہیں تھا۔ بڑے بھائی ہونے کی وجہ سے وہ اس کے لیے قابلِ احترام ضرور تھے مگر اب آہستہ آہستہ وہ احترام بھی ختم ہوتا جا رہا تھا، پہلے ہی

وہ نیلو بھابھی کے آنسوؤں کا سبب صرف اور صرف ان کی ذات کو سمجھتا تھا اور اب تو آئرہ کے اور ان کے حوالے سے جو باتیں وہ سن رہا تھا اس کے بعد تو وہ ویسے ہی اس کے لیے نا قابلِ برداشت ہو گئے تھے اور اب اسے کچھ کرنا تھا اسے خود کو اور نیلو بھابھی کو اس اذیت سے نکالنا تھا۔ نیلو بھابھی تو اس اذیت کو جانے کتنے برس سے جھیل رہی تھیں مگر وہ تو کچھ ماہ سے اس اذیت کا شکار ہوا تھا۔ اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ اسے اب سکون چاہیے تھا۔ آئرہ نے جب اس سے اپنے ماں باپ کے گھر جانے کی بات کی تو اس نے بخوشی اجازت دے دی وہ ویسے بھی آئرہ کو اب زیادہ دیر اپنے گھر رکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ آئرہ کی قربت اسے سکون نہیں بے سکونی عطا کرتی تھی۔ اسے سکون کے کچھ پل جینے تھے اس لیے بہتر تھا کہ وہ جلد از جلد اس گھر سے چلی جائے۔

☆......☆

''امی! اس گھر میں مجھے خود سے پانی تک پینے کی اجازت نہیں۔ نیلو بھابھی نے پورے گھر پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ میں پاگل ہو جاؤں گی۔ مجھے اپنے پاس رہنے دیں۔ امی مجھے ان لوگوں کے پاس دوبارہ نہیں جانا۔''

آئرہ یہ سب کہتے ہوئے اپنی ماں کے سینے پر سر ٹکائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر مسز سجاد کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے مگر وہ بے بس تھیں، انہیں زندگی میں پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ بیٹی والے بھی کتنے بے بس ہوتے ہیں وہ چاہتیں تو اپنے شوہر اور بیٹوں کو ساری حقیقت بتا کر اپنی بیٹی کو ہمیشہ کے لیے اس اذیت سے نجات دلا دیتیں مگر وہ آئرہ کا گھر سنوارنا چاہتی تھیں کیوں کہ وہ جانتی تھیں کہ بیٹیوں کے گھر بنتے بہت مشکلوں سے اور بگڑتے بہت آسانی سے ہیں۔ یہ ریت کے وہ گھروندے ہوتے ہیں جو ذرا سی آندھی چلنے سے مٹی مٹی ہو جاتے ہیں اس لیے ان کچے گھروں کا خیال رکھنا تو اور بھی زیادہ ضروری ہوتا ہے۔ انہوں نے آئرہ کی بڑی بہن سے مشورہ کیا تو انہیں یہی صحیح لگا کہ فی الحال آئرہ کو سمجھایا جائے کہ وہ خود کو اس ماحول میں سیٹ کرنے کی کوشش کرے اور حاشر کو سمجھائے کہ وہ اپنا رویہ بہتر کرے اگر اس کی ساری کوششوں کے بعد بھی اس کے سسرال میں سے کسی فرد کا رویہ بہتر نہ ہوا تو وہ سجاد صاحب اور اپنے بیٹوں کو ساری حقیقت بتا دیں گی اور اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کی ذمہ داری محمود شاہ صاحب اور ان کے خاندان کے باقی افراد پر ہوگی۔

آئرہ اپنی ماں کی باتیں سن کر بہت حد تک اس بات کے لیے قائل ہو گئی تھی کہ اسے اتنی جلدی مایوس نہیں ہونا چاہیے اور حاشر کے دل میں جگہ بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مسز سجاد نے آئرہ کو بہت حوصلہ دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر آئرہ اور حاشر کے بچے ہو جائیں گے تو ان دونوں کے درمیان تلخیوں کا دورانیہ بھی بہت کم ہو جائے گا اور حاشر کا رویہ بھی آئرہ کے ساتھ بہت بہتر ہو جائے گا۔ انہوں نے جب آئرہ سے ایسی بات کی تو آئرہ خاموش ہو گئی۔ کیوں کہ وہ اس سلسلے میں حاشر کا جواب جانتی تھی۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں ہی حاشر نے آئرہ پر نہایت سخت الفاظ میں واضح کر دیا تھا کہ وہ ابھی بچے نہیں چاہتا اور اس معاملے میں وہ آئرہ کی کوئی بات سننے کا روادار نہیں تھا۔ حاشر کے اس قدر واضح جواب کے بعد آئرہ کے اندر پھر ہمت نہیں رہی تھی کہ وہ دوبارہ اس موضوع پر بات کرے۔ ماں کے ساتھ چند دن گزارنے کے بعد وہ بہت پرسکون ہو گئی تھی۔ ماں کے چند ڈھارس بھرے

جملوں نے اس کے اندر ایک نئی توانائی بھر دی تھی اور اب وہ نئے سرے سے اپنی زندگی کی جنگ لڑنے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔

☆......☆

اپنے حصے کی جنگ لڑنے آزرہ اپنے سسرال واپس آتو گئی تھی مگر حالات اس بار پہلے سے زیادہ تکلیف دہ، اذیت ناک اور مشکل تھے۔ اس کے سسر بھی اب اس سے بجھے بجھے رہنے لگے تھے اور دبے لفظوں میں کئی بار اس بات کا اظہار کر چکے تھے کہ انہیں آزرہ کا اپنے ماں باپ کے گھر جاکر رہنا بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔ اب وہ بھی آزرہ کے ساتھ بہت تلخ رہنے لگے تھے۔ حاشر کا رویہ ہنوز ویسا ہی تھا اسے آزرہ کے آنے یا نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ آزرہ نے بہت بار کوشش کی کہ وہ اپنے اچھے رویے سے حاشر کے دل میں اپنے لیے کوئی نرم گوشہ تلاش کرے مگر ہر بار اسے بہت بری طرح دھتکارا گیا تھا۔ بلکہ اب تو حاشر کئی کئی دن گھر سے باہر رہتا تھا۔ وہ آزرہ کے ساتھ بہت کم وقت گزارتا تھا۔ نیلو بھابھی کا رویہ اس کے ساتھ پہلے سے کہیں زیادہ تلخ ہوگیا تھا۔ اب وہ آزرہ کے خلاف کھل کر میدان میں آگئی تھیں۔ آئے روز وہ اس پر کسی نہ کسی چیز کی چوری کا الزام لگا دیتیں اور گھر کے نوکروں کے سامنے اسے ذلیل کرتیں۔ آزرہ کا وہ یقین محض چند ماہ میں ہی ڈگمگا گیا تھا کہ وہ اپنے اچھے رویے سے سب کو رام کر لے گی۔ بعض اوقات اچھا بننا ہی ہمارے لیے تکلیف دہ بن جاتا ہے۔ خود کو اذیت سے نکالنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ دوسروں سے ان کی زبان میں بات کی جائے۔ سسرال میں آزرہ کا اچھا رویہ ہی اس کے لیے وبال جان بن گیا تھا۔ اس کی ماں نے دل جیتنے کے جتنے طریقے اسے بتائے تھے وہ سب اس نے اپنے سسرال والوں پر آزما کر دیکھ لیے تھے مگر ذات کا دکھ ختم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ ایسے ہی خود سے لڑتے لڑتے اس کی شادی کو پانچ برس بیت گئے تھے۔

☆......☆

ان پانچ برسوں کی تلخ زندگی نے آزرہ کو کیا سے کیا بنا دیا تھا۔ اس کی ساری خوب صورتی اب قصہ پارینہ بن چکی تھی۔ اب تو وہ اپنے انتہائی کمزور اور لاغر وجود کے ساتھ اپنی زندگی کی گاڑی کو گھسیٹ رہی تھی۔ وہ زندگی کے اس انتہائی کڑوے ذائقے کی اس قدر عادی ہو چکی تھی کہ اسے لگتا تھا کہ اب جب کبھی زندگی اس پر مہربان ہوئی تو وہ اس زندگی کو قبول نہیں کر سکے گی۔ اس کی آنکھوں کے گرد پھیلے ہوئے گہرے اور سیاہ حلقے بھی اس بات کی چغلی کھاتے تھے کہ وہ نہ جانے کتنے برسوں سے ٹھیک سے سو نہیں پائی تھی۔ اس کے سسر کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کے انتقال کے بعد نیلو بھابھی کو کھل کر کھیلنے کا موقع مل گیا تھا۔ حالانکہ ان کی زندگی میں بھی آزرہ کو ستانے کا کام وہ بخوبی کرتی تھیں مگر ان کے جانے کے بعد تو گویا انہیں لحہ لحہ آزرہ کو اذیت پہنچانے کا سرکاری اجازت نامہ مل گیا تھا۔ ان کی بیٹیاں اب بڑی ہو رہی تھیں۔ اسی حساب سے ان کی بدتمیزیاں بھی بڑھنے لگی تھیں۔

ان پانچ برسوں میں آزرہ اتنا تو جان گئی تھی کہ نیلو بھابھی اور اطہر بھائی دونوں ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں۔ دونوں کا مقصد حاشر کو اپنی مٹھی میں رکھنا ہے اور ابھی تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب جا رہے تھے۔ اطہر اب اپنا ذاتی کلینک کھول چکا تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کی شہرت کے علاوہ اس کا بینک بیلنس بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ جب کہ ان کے مقابلے میں حاشر کا بزنس مسلسل نقصان میں جا رہا تھا۔ محمود شاہ صاحب کے انتقال کے بعد تو حاشر اپنے گرتے ہوئے بزنس کو سنبھال ہی نہیں پایا تھا اور اب تو لگتا تھا عنقریب اسے اپنا کاروبار بند کرنا پڑے گا۔

آزرہ کے ساتھ حاشر کا رویہ کبھی تو بہت اچھا ہو جاتا اور کبھی وہ ایسے لاتعلقی اختیار کر لیتا، جیسے وہ آزرہ کو جانتا ہی نہ ہو۔ آزرہ اس کے اس دھوپ چھاؤں جیسے مزاج کی عادی ہو چکی تھی۔ وہ اب اپنے ماں باپ کو بھی کچھ نہیں بتاتی تھی۔ جب کبھی حالات سے گھبرا کر آزرہ اپنے ماں باپ کے گھر جاتی تو سب اچھا ہے کی رپورٹ ہی سب کو دیتی۔ پہلے اسے یہ سب کہنا اور سب کے سامنے خوش مزاجی کی اداکاری کرنا خاصا مشکل کام لگتا تھا مگر اب وہ اس کام میں ماہر ہو چکی تھی۔ حاشر اپنے آفس میں اپنے مینجر رضوان سے اپنے اکاؤنٹس کی پوری تفصیلات لے رہا تھا۔ پے در پے بزنس میں بڑھتے ہوئے نقصانات نے اسے حقیقتاً بہت پریشان کر رکھا تھا۔

''سر! مارکیٹ میں ہماری کمپنی کی ساکھ دن بدن گرتی جا رہی ہے اور کچھ لوگ جان بوجھ کر ہماری کمپنی کو بدنام کر رہے ہیں، کمپنی کے اکاؤنٹس میں رقم دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے اور مجھے لگتا ہے کہ کچھ لوگ پیسوں کی خرد برد میں بھی ملوث ہیں۔'' رضوان نے اسے رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔

''مگر...... وہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟'' حاشر یہ سن کر حقیقتاً بہت پریشان ہوگیا تھا۔

''میں نہیں جانتا سر! مگر آپ کو محتاط رہنا چاہیے۔'' رضوان نے سر جھکا کر کہا۔

''مگر تم یہ سب کیوں کہہ رہے ہو؟'' حاشر کو اب غصہ آرہا تھا۔

''سر! میں پچھلے پانچ سال سے آپ کے ہاں ملازم ہوں، میں نے آپ کا نمک کھایا ہے مگر اس کمپنی میں بہت سے لوگ اندر ہی اندر آپ کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔'' یہ سب کہتے ہوئے رضوان کا لہجہ بہت پراسرار سا ہوگیا تھا۔

''رضوان! پہیلیاں نہ بجھواؤ، مجھے سیدھے اور صاف لفظوں میں پوری بات بتاؤ۔'' حاشر نے ضبط کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے کہا۔ رضوان اب تھوڑا سا سنبھل گیا تھا۔ اس نے حاشر کو پوری تفصیلات بتانا شروع کر دیں اور جیسے جیسے حاشر سنتا جا رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس کے اندر کسی نے انگارے بھر دیے ہوں یا پھر جلتا ہوا کوئلہ اس کے سر پر رکھ دیا ہو۔

رضوان کے چلے جانے کے بعد حاشر بہت دیر تک اس کی کہی ہوئی باتوں پر غور کرتا رہا۔

☆......☆

آزرہ کچھ دنوں سے محسوس کر رہی تھی کہ نیلو بھابھی کا رویہ اس کے ساتھ اب کچھ بہتر ہونے لگا ہے۔ ملازمین کو اجازت مل چکی تھی کہ اب وہ آزرہ کی بھی گھریلو کاموں میں کچھ مدد کر دیا کریں۔ اس کے علاوہ وہ گھریلو معاملات میں بھی اس سے مشورے لینے لگ گئیں تھیں۔ یہ سب چیزیں آزرہ کے لیے بہت حیران کن تھیں۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی حیرانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ اس کے صبر کا پھل بالآخر اسے مل ہی گیا ہے۔ اطہر اور نیلم اب اکثر اسے اپنے ساتھ شاپنگ پر بھی لے جانے لگے تھے۔ آزرہ کے ہونٹوں پر بھی اب مسکراہٹ کے پھول کھلنے لگے تھے۔ اسے اب صرف حاشر کے رویے کے بہتر ہونے کا انتظار تھا۔ وہ اکثر سوچتی تھی کہ نہ جانے وہ دن کب آئے گا جب حاشر اسے ہر جگہ اپنے ساتھ لے کر جائے گا۔ زندگی اپنے مخصوص انداز میں آگے بڑھ رہی تھی۔ ایک دن حاشر بہت غصے میں گھر میں داخل ہوا اور اس روز جو کچھ ہوا اس نے آزرہ کی زندگی کو مکمل طور پر بدل دیا۔

حاشر ابھی رضوان کے دیے ہوئے جھٹکے سے

سنبھل نہیں پایا تھا کہ اس کی سیکریٹری نے انٹرکام پر اس کے بڑے بھائی اکبر محمود کے آنے کی اطلاع دی۔ حاشر ابھی کسی سے ملنا نہیں چاہتا تھا مگر اپنے بڑے بھائی کو انکار کرنا بھی مشکل تھا۔ وہ ان کی اس قدر اچانک آمد پر حیران بھی بہت ہوا تھا۔ اس نے اپنی سیکریٹری کو اطلاع دے دی کہ آنے والے ملاقاتیوں کو اندر آنے کی اجازت دے دی جائے۔

تھوڑی ہی دیر میں اس کے بڑے بھائی اکبر محمود اور ان کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔ حاشر نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اکبر محمود نے حاشر کا تعارف اپنے ساتھ آنے والے نوجوان سے کروایا اور پھر اس نوجوان کو اشارہ کیا کہ وہ اپنے ساتھ جو لیپ ٹاپ لایا ہے وہ اب حاشر کے سامنے کھولے۔ نوجوان نے لیپ ٹاپ کھولا اور اس میں سے کچھ فولڈرز اوپن کیے اور پھر وہ کھول کر حاشر کے سامنے رکھ دیے۔ حاشر حیران کن نظروں سے اپنے سامنے ہونے والی یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا مگر جیسے ہی اس نے اس نوجوان کے لیپ ٹاپ میں موجود تصویروں کو دیکھنا شروع کیا، اس کا خون کھولنا شروع ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ نوجوان اسے کچھ مزید تصویریں دکھاتا حاشر ایک جھٹکے سے اپنی سیٹ سے اٹھا اور اس نوجوان کو گریبان سے پکڑ کر نیچے گرا دیا۔ حاشر نے اسے مارنا شروع کر دیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے مار مار کر ادھ موا کر دے مگر اکبر محمود نے حاشر کو قابو کر کے اس نوجوان کو اس کے ہاتھوں سے چھڑایا۔ حاشر اپنی نشست پر بیٹھ چکا تھا مگر اس کا سانس بہت بری طرح پھول رہا تھا۔ اکبر محمود نے پانی کا ایک گلاس اسے دیا۔ پانی پی کر اس کی حالت کچھ بہتر ہوئی تو وہ اس قابل ہوا کہ اکبر محمود کی بات سن سکے۔ اب اکبر محمود بول رہے تھے اور وہ سن رہا تھا۔

”جیسا کہ میں نے تمہیں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی بتایا تھا کہ یہ نوجوان میری بیوی کا بھانجا ہے۔ اس نے کمپیوٹر سائنس میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی ہوئی ہے مگر اس کے باوجود یہ ابھی تک بے روزگار ہے۔ اچھی نوکری کی تلاش میں جب یہ شہر آیا تو ہم دونوں میاں بیوی کے پاس ہی ٹھہر گیا۔ میری بیوی نے اپنی بہن کو یقین دلایا کہ جب تک اس کی اچھی نوکری کا انتظام نہیں ہو جاتا۔ یہ ہمارے پاس ہی رہے گا۔ ویسے بھی ہماری کوئی اولاد تو ہے نہیں۔ اس لیے ہم دونوں نے اس کا اپنے بچوں کی طرح خیال رکھنا شروع کر دیا۔ یہ صبح نوکری پر جاتا اور شام کو کمپیوٹر کے ساتھ مل کر نہ جانے کون سے جہانوں کی تسخیر کرتا رہتا۔ ایک روز آدھی رات کے قریب مجھے پیاس لگی۔ میں پانی پینے کے لیے اٹھا تو دیکھا کہ یہ ابھی تک کمپیوٹر کے ساتھ دل بہلا رہا ہے۔ میں اس کے پاس جا کر اسے منع کرنا چاہتا تھا کہ اب سو جائے رات بہت ہو گئی ہے مگر جیسے ہی میں اس کے قریب گیا تو میں نے اس کے کمپیوٹر اسکرین پر ایک ایسی تصویر دیکھی کہ میرا دل چاہا کہ یہ منظر دیکھنے سے پہلے کاش یہ زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں۔ یہ آرزہ کی تصویر تھی اور ساتھ میں نہایت بے ہودہ انداز میں اس کے ساتھ کوئی لڑکا کھڑا تھا۔ یہ لڑکا کون تھا میں نہیں جانتا تھا۔ میرا بھانجا نہایت مہارت سے ان تمام تصویروں کو جوڑنے میں مصروف تھا۔ میں کچھ دیر تو اس کی بے غیرتی کے مناظر دیکھتا رہا مگر پھر ایک دم میری غیرت کو جوش آیا اور میں نے اپنی بیوی کے اس بھانجے کو گردن سے پکڑا اور نیچے گرا دیا۔ میں بہت بری طرح اسے مار رہا تھا اور وہ زور زور سے چیخیں مار رہا تھا۔ میری بیوی کی آنکھ بھی اس شور سے کھل گئی۔ ساری صورت حال جان لینے کے بعد میری بیوی نے مجھے یہی مشورہ دیا کہ فی

الحال اس سے ان لوگوں کے بارے میں تفتیش کی جائے جنہوں نے اسے اس کام پر لگایا ہے۔ اپنی بیوی کی بات میرے دل کو لگی اور میں نے جب اس سے اس بارے میں بات کی تو مجھے اس نے بتایا کہ وہ دوپہر کے وقت اپنے ایک دوست کے اسٹوڈیو میں اس کے ساتھ کچھ وقت گزارتا تھا۔ وہیں پر ایک خاتون ان سے ملنے کے لیے آئیں، جن کا نام نیلم تھا۔ ان کے پاس کچھ تصویریں تھیں جو ان کے بقول ان کی ایک دوست اور اس کے ایک کزن کی تھیں۔ وہ خاتون ان تصویروں کو نہایت بے ہودہ انداز میں ایک ساتھ جڑوانا چاہتی تھیں اور پھر ان کی بہت سی کاپیاں بنوا کر ایک مخصوص پتے پر بھجوانا بھی چاہتی تھیں۔ ان سب کاموں کے لیے وہ خاتون میرے دوست کو ایک نہایت معقول رقم دینے کے لیے تیار تھیں۔ میرا دوست ان خاتون کی ڈیمانڈ سمجھ گیا تھا۔ ان خاتون کے جانے کے بعد میرے دوست نے میرے ذمے یہ کام لگایا۔ بے روزگاری کے ہاتھوں میں بہت پریشان تھا اس لیے یہ کام کرنے پر تیار ہو گیا اور پھر آگے کی کہانی آپ جانتے ہیں۔“

”یہ تمام باتیں سننے کے بعد میں نے بہتر یہی سمجھا کہ اسے تمہارے پاس لے آؤں اور اب تمہاری مرضی ہے کہ اس کے ساتھ جو مرضی سلوک کرو۔“ اکبر محمود نے یہ سب کہنے کے بعد حاشر کے چہرے کی طرف دیکھا۔ جہاں اضطراب کی کیفیت نمایاں تھی۔ حاشر نے بہتر یہی سمجھا کہ اس نوجوان کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔ وہ پولیس کو فون کرنے ہی لگا تھا کہ وہ نوجوان اس کے پیروں میں گر گیا۔ وہ رو رو کر حاشر سے معافیاں مانگ رہا تھا۔ حاشر نے اس کے شرمندہ وجود کو دیکھا اور اسے معاف کر دیا۔ اکبر محمود نے اسے یقین دلایا تھا کہ اب وہ نوجوان اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کرے گا۔ اس نے اپنے فولڈر میں موجود تمام تصویروں کو ڈیلیٹ کر دیا۔ حاشر نے اپنے بڑے بھائی کی یقین دہانی کے بعد اسے جانے تو دیا تھا مگر ان دونوں کے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک سوچتا رہا کہ نیلم بھابھی نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ حاشر کے منیجر رضوان نے تمام آفس ورکرز کے ساتھ میٹنگ کی ان سے بہت سے راز اگلوا لیے تھے۔ آفس کے ورکرز نے حاشر کے سامنے ایسے انکشافات کیے جنہیں سن کر اس کی عقل دنگ رہ گئی۔ اب اسے گھر جانا تھا اور وہ ثبوت تلاش کرنا تھا جس کی بنیاد پر وہ نیلو بھابھی اور اطہر بھائی کی بدنیتی سب کے سامنے بے نقاب کر دیتا۔

☆......☆

حاشر دندناتا ہوا گھر میں داخل ہوا اور سب سے پہلے نیلو بھابھی کے کمرے میں ان کی اجازت کے بغیر گھس گیا اور ان کی الماری کھول کر چیزیں ادھر سے ادھر پھینکنے لگا۔ آرزہ بھی اس کمرے کے داخلی دروازے پر کھڑی حیران کن نظروں سے حاشر کی اس حرکت کو دیکھ رہی تھی۔ اسے بہت حیرت ہو رہی تھی کہ حاشر ایسا کیا تلاش کر رہا ہے جو اسے نہیں مل رہا۔ وہ اس کا ہاتھ روکنا چاہتی تھی اور اسے کہنا چاہ رہی تھی کہ کسی کے کمرے کی یوں تلاشی لینا بہت بری حرکت ہے مگر حاشر کے غصے کو دیکھ کر وہ ڈر گئی تھی۔ اطہر اپنے کلینک میں تھا جب کہ نیلم نے حاشر کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر حاشر اس وقت کسی کی نہیں سن رہا تھا۔ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد بالآخر حاشر کو اس کی مطلوبہ چند فائلز مل ہی گئیں۔ وہ ان فائلز کو لے کر تیزی سے اس کمرے سے باہر نکلا اور اپنے کمرے میں گھس گیا۔ اس نے ان فائلز کو کھولا اور اس میں سے مختلف کاغذات کو دیکھنے لگا۔ ان کاغذات میں چھپی بہت سی حقیقتیں اس پر آشکار ہو گئی تھیں۔ وہ فائل ایک طرف رکھ کر بیڈ پر بیٹھ گیا

اور اپنا سر پکڑ لیا۔ آئزہ نے کھڑکی سے دیکھا۔ وہ رو رہا تھا یا شاید بہت زیادہ رو رہا تھا۔ آئزہ نے حاشر کی شخصیت کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔ اچانک حاشر اٹھا اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ اسے نیلو بھابھی سے ملنا تھا اور وہ جانتا تھا کہ نیلو بھابھی اس وقت اسے کہاں ملیں گی۔ وہ بہت تیزی سے لان کی جانب جا رہا تھا مگر نیلو بھابھی اسے ڈرائنگ روم کے پاس ہی کھڑی مل گئیں۔ وہ ان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ان سے پوچھنا چاہتا تھا کہ ان فائلز میں جو کاغذات ہیں کیا وہ سب جھوٹ کا پلندہ ہیں۔

”کیا اس کے بزنس میں سے لاکھوں کی خورد برد انہوں نے نہیں کروائی۔“

”یہ گھر جعلسازی سے اپنے نام بھی نیلو بھابھی نے نہیں کروایا؟“ ایسے ہی کتنے سوالات اس کی آنکھوں میں تھے۔ وہ نم آنکھوں سے اپنی بھابھی کی جھکی گردن کی جانب دیکھتا رہا۔

”نیلو بھابھی!“ حاشر نے ہمیشہ کی طرح نیلم کو پکارا مگر اس بار اس کی پکار میں اپنائیت نہیں اجنبیت تھی۔ نیلم کو اپنا دل کٹتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ حاشر کو اس بار پھر کوئی جھوٹی کہانی سنا کر مطمئن کرنا چاہتیں تھیں مگر الفاظ ان کے حلق سے باہر نہیں نکل رہے تھے۔ یوم حساب آچکا تھا اور فائل کی شکل میں اعمال نامہ بھی ان کے ہاتھ میں پکڑایا جا چکا تھا جس میں ان کے اور اطہر کے کالے کرتوتوں کے سب ثبوت تھے، کچھ کہنے سننے کے لیے شاید کچھ بچا بھی نہیں تھا مگر انہیں اپنے بچاؤ کی کوشش بھی تو کرنی تھیں۔ انہوں نے ہمت کر کے حاشر سے کہہ ہی دیا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ یہ کہتے ہوئے ان کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو انہیں لگا کہ سامنے کھڑے ان کے دیور کی سرخ آنکھیں انہیں جلا کر بھسم کر دیں گی۔ انہیں اپنے دل کی حالت کا بہت اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ ساحرہ تھیں۔ بازی پلٹنا جانتی تھیں اس بار بھی انہوں نے بازی پلٹنی تھی مگر ان کا ہر وار ناکام جا رہا تھا۔ حاشر ان کی کوئی بات بھی سننے کا روادار نہیں تھا۔

”نیلو بھابھی!“ اس نے ایک بار پھر انہیں پکارا۔

”آپ کو پتا ہے آج میری ماں مر گئی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ نیلم اس کے پیچھے بھاگتی جا رہی تھی۔ اسے آوازیں دے رہی تھی مگر حاشر اس کی کوئی بات نہیں سن رہا تھا۔ حاشر نے اپنے کمرے کے باہر کھڑی آئزہ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا۔ اس لمحے وہ آئزہ کے علاوہ کسی سے ہمکلام ہونا نہیں چاہتا تھا۔ کمرے کے اندر داخل ہوتے ہی حاشر نے آئزہ کو پکڑ کر بیڈ پر بٹھایا۔ وہ اس کے ہاتھ تھام کر ایک جذب کے عالم میں بیٹھا رہا۔ وہ اس کے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر رکھ کر رونے لگا۔ آئزہ کی قمیض کے دامن میں اس کے آنسو گر رہے تھے۔ وہ اس کے آنسو صاف کرنا چاہ رہی تھی مگر حاشر اسے یہ موقع دے ہی کب رہا تھا۔ وہ تو ایک لمحے کو بھی آئزہ کو خود سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آئزہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ جہاں محبت اور چاہت کے رنگ سب سے نمایاں تھے۔ اس نے اپنا سر حاشر کے کندھے سے لگا لیا۔ وہ بھی رونا چاہتی تھی اپنے سارے دکھ ساری تکلیفوں کی داستان اسے سنانا چاہتی تھی مگر صرف ایک لفظ محبت نے حاشر کے سب رویوں کی تلافی کر دی تھی۔ وہ حاشر کے بازوؤں کے گھیرے میں تھی اور آئزہ اور حاشر کا یہ کمرہ بھی ان دونوں کے ملاپ پر پہلی بار دل کھول کر مسکرایا تھا۔ وہ دونوں بہت مطمئن اور خوش ہو کر اپنے کمرے سے باہر نکل

آئے تھے۔

نیلم کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح سامنے والا منظر دیکھ رہی تھی۔ جہاں حاشر اور آئزہ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کسی اور ہی جہان کے مسافر لگ رہے تھے۔ ابھی وہ اس منظر کے سحر میں کھوئی ہوئی تھی کہ اس کی آنکھوں نے ایک اور منظر دیکھا جب حاشر اور آئزہ ایک دوسرے کے سنگ ہنستے مسکراتے اسی کی جانب آرہے تھے۔ نیلم کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ بھاگ کر اپنے کمرے کی طرف گئی مگر وہ دونوں وہاں پہلے سے موجود تھے، اسے گھر کے ہر کونے میں ان دونوں کا عکس نظر آرہا تھا۔ وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی مگر سنبھال نہیں پاتی تھی۔ وہ زمین پر گرنا نہیں چاہتی تھی کیوں کہ اس نے تو ہمیشہ دوسروں کو گرتے ہوئے دیکھا تھا مگر اس بار وہ خود کو گرنے سے نہیں بچا سکی اور محض چند لمحوں میں وہ ہوش و حواس کی دنیا سے بیگانگی کے سفر پر گامزن ہو چکی تھی۔ پھر وہی کچھ ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں پولیس وین حاشر کے گھر پر آچکی تھی۔ اس وین میں اطہر ہتھکڑیاں پہنے پہلے سے بیٹھا ہوا تھا۔ اسے پولیس اسپتال سے دھوکا اور فراڈ کے کیس میں گرفتار کر چکی تھی۔ اس گھر میں پولیس نیلم کو گرفتار کرنے آئی تھی مگر نیلم کی حالت کے پیش نظر اسے پہلے اسپتال لے جایا گیا، جہاں ابتدائی طبی امداد کے بعد اسے ہوش تو آچکا تھا مگر وہ اپنا ذہنی توازن ہمیشہ کے لیے کھو چکی تھی۔ اس لیے اسے ذہنی امراض کے اسپتال میں داخل کروا دیا گیا۔

نیلم کی دونوں بیٹیاں اب حاشر اور آئزہ کی ذمہ داری تھیں۔ وہ دونوں ان بچیوں کا بہت خیال رکھتے تھے اور وہ بچیاں بھی اب ان دونوں کی بہت عزت کرنے لگی تھیں حاشر ہفتے میں ایک دفعہ ان بچیوں کو ان کے ماں باپ سے ضرور ملوا۔ نے لے کر جاتا تھا۔ کیوں کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کل یہ بچیاں انہیں اس بات کا طعنہ دیں کہ انہیں نے اپنے ماں باپ سے دور کر دیا ہے۔ اطہر کو عدالت نے پانچ سال قید کی سزا سنائی تھی اور حاشر کو امید تھی کہ اب جب پانچ سال بعد وہ رہا ہوں گے تو ایک بدلے ہوئے انسان ہوں گے۔ حاشر کے بڑے بھائی اکبر محمود اب اکثر ان کے گھر آنے لگے تھے اور ان کے آنے سے گھر میں خوب رونق ہو جاتی تھی۔ آئزہ کی زندگی کی ساری خوشیاں لوٹ آئیں تھیں مگر وہ کبھی کبھی اس ساحرہ سے ملنے ضرور جاتی تھی۔ جس نے اس کی زندگی کو بے رنگ کر دیا تھا۔ اس ساحرہ کی یہ حالت دیکھ کر اسے بہت دکھ ہوتا تھا مگر اس ساحرہ کی کہانی کا یہی انجام ہونا تھا۔

☆......☆

میرا نام نیلم احسان ہے۔ میرا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا۔ میرا باپ ایک فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ میرا بچپن ویسا ہی گزرا جیسے غریبوں کے بچوں کا گزرتا ہے مگر میری ایک عادت تھی میں بچپن سے ہی خواب بہت دیکھتی تھی، جیسے جیسے میں اپنے تعلیمی مدارج طے کرتی گئی۔ میرے خواب بھی میرے ساتھ جوان ہوتے چلے گئے۔ ان خوابوں میں میرا کردار ایک شہزادی کا ہوتا تھا جو اپنی سلطنت میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتی تھی۔ ان خوابوں کے زیر اثر میرا مزاج بھی بہت شاہانہ ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی کالج کی تعلیم کا ابھی آغاز ہی کیا تھا کہ ایک روز ایک معمولی روڈ ایکسیڈنٹ کے نتیجے میں میرا باپ اسپتال جانے سے پہلے ہی دم توڑ گیا اور میں اور میری ماں اس ظالم دنیا میں اکیلے رہ گئے۔ باپ کی اس قدر اچانک موت کا صدمہ بہت شدید تھا۔ ابھی میرے باپ کو مرے ہوئے تین دن ہی ہوئے تھے کہ صبح کے وقت ہمارے گھر میں ایک بہت لمبی سی گاڑی میں ایک بہت امیر آدمی

داخل ہوا۔ میری ماں جیسے میرے باپ کی موت کے بعد چپ سی لگ گئی تھی۔ اس شخص کو دیکھتے ہی جیسے میری ماں کے اندر جان آگئی تھی اور وہ اس شخص کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ وہ شخص میرا ماموں ہے اور میری ماں نے میرے باپ کے ساتھ بھاگ کر شادی کی تھی۔ وہی امیر لڑکی اور غریب لڑکے کی محبت کا قصہ جواب شاذ و نادر ہی سننے کو ملتا ہے۔ میرے باپ کی زندگی میں میری ماں کا کوئی رشتہ دار ہم سے ملنے کے لیے کبھی بھی نہیں آیا مگر اب باپ کے مرنے کے بعد اتنے امیر رشتے داروں کا سن کر میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ اگلے چند دن ہمارے گھر ماموں نہ صرف خود آتے رہے بلکہ ان کے ساتھ ان کے بیٹے بھی چکر لگاتے رہے۔ ہاں البتہ ممانی نہیں آئیں شاید وہ ہم سے ملنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ ماموں مجھے اور میری ماں کو اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتے تھے مگر میری ماں اس کے لیے راضی نہیں تھی۔ اسی طرح چند مہینے گزر گئے۔ ایک روز میری ماں کے سر میں شدید درد اٹھا اتنا شدید کہ وہ بے ہوش ہوگئی میں نے ماموں کو فون کر دیا اور پھر تھوڑی ہی دیر میں میری ماں شہر کے بہترین اسپتال میں موجود تھی مگر یہ بہترین اسپتال، بہترین ڈاکٹرز بھی میری ماں کو نہیں بچا سکے اور دماغ کی شریان پھٹنے کے نتیجے میں میری ماں بھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی اور باپ کے بعد ماں کا سایہ بھی میرے سر سے اٹھ گیا۔ ان دنوں میں ہر وقت روتی رہتی تھی۔ ماموں مجھے میری ماں کی تدفین کے بعد اپنے گھر لے آئے تھے اور اس وقت مجھے بھی یہی صحیح لگا تھا کہ میں ماموں کے ساتھ چلی جاؤں۔ میری مامی کا رویہ میرے ساتھ بس لیے دیئے والا ہی تھا۔ ان دنوں آدھی آدھی رات تک ماموں اور مامی کی بحث ہوتی رہتی تھی۔ پھر ایک دن اچانک مجھے پتا چلا کہ چند دن بعد میرا نکاح ماموں کے درمیان والے بیٹے اطہر سے ہونا طے پایا ہے جو کہ ایک کوالیفائیڈ ڈاکٹر ہے۔ مجھے اپنی قسمت پر تو یقین تھا مگر اتنی جلدی میری قسمت مجھ پر مہربان ہو جائے گی یہ تو میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ پھر قسمت مجھ پر مہربان ہو ہی گئی۔ میرا نکاح ڈاکٹر اطہر کے ساتھ ہو گیا۔ چند دن بعد ایک مختصر سی ولیمے کی تقریب میں باقاعدہ طور پر خاندان والوں کے سامنے بھی ہمارے رشتے کی رونمائی ہوگئی۔ زندگی بہت خوب صورت ہوگئی تھی مگر ابھی میرے خواب کہاں پورے ہوئے تھے، ابھی تو مجھے اس راجدھانی میں اکیلے راج کرنا تھا۔ میرے جیٹھ اور جٹھانی مجھے کسی بوجھ کی طرح لگتے تھے اور میرا دل چاہتا تھا کہ اپنے جیٹھ جٹھانی اور ساس کو سب سے پہلے اس گھر سے نکالوں۔ اطہر بہت اچھے تھے اور وہ ہر بات میں میری ہاں میں ہاں ہی ملایا کرتے تھے۔ میرا ایک دیور بھی تھا مگر وہ اپنی تعلیم کے سلسلے میں ملک سے باہر تھا۔ صرف شادی پر چند دن کے لیے آیا تھا۔ اپنی شادی کے کچھ عرصے تک تو میرے اپنی ساس اور جٹھانی کے ساتھ تعلقات ٹھیک رہے مگر پھر ہمارے جھگڑے ہونے لگے۔ معمولی معمولی باتوں پر اکثر ہماری تلخ کلامی ہو جاتی تھی۔ میری ساس دل کی مریضہ تھیں اور ایک روز اسی طرح میرے ساتھ ان کا بہت شدید جھگڑا ہوا۔ ان کے سینے میں درد اٹھا۔ انہیں اسپتال لے کر گئے مگر وہ جانبر نہ ہو سکیں۔ مجھے اپنی ساس کے مرنے کا بہت افسوس تھا مگر میں یہ سمجھتی تھی کہ اگر وہ میرے ساتھ تعاون کرتیں تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔ ساس کے مرنے کے چند دن بعد ہی میرے جیٹھ اور جٹھانی نے بھی اپنا سامان باندھا اور اس گھر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلے گئے۔ حالانکہ میں نے تو انہیں نہیں کہا تھا نا کہ اس گھر کو چھوڑ دیں۔ ساس کے مرنے کے بعد میرا دیور بھی بیرون ملک سے ہمیشہ کے لیے پاکستان آ گیا تھا۔ اس کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی اور اب میرے سسر کا ارادہ اسے پاکستان میں ہی کاروبار کروانے کا تھا اور اس سلسلے میں وہ ایک آفس بھی لے چکے تھے۔ میرا دیور حاشر اپنی ماں کے مرنے کے بعد بہت افسردہ رہتا تھا۔ میں نے اس کی دلجوئی کی اور اسے سہارا دیا۔ ان دنوں وہ بہت بیمار رہنے لگا تھا۔ ایسے موقع پر میں نے اس کی بہت خدمت کی۔ میں یہ احسان کر کے اس کے دل میں یہ احساس اجاگر کرنا چاہتی تھی کہ میں اس کی بہت ہمدرد ہوں۔ اس پورے گھر میں اطہر کی ترقی کا خوب چرچا تھا اور اسی وجہ سے گھر کے ملازمین بھی مجھ سے دبتے تھے۔ میرے سسر میری ساس کے مرنے کے بعد اب زیادہ گھر کے کاموں میں مداخلت نہیں کرتے تھے۔ میری ہمدردی اور دلجوئی کا نتیجہ یہ نکلا کہ حاشر میرے قریب ہوتا چلا گیا اور میں تو یہی چاہتی تھی کہ وہ مجھ پر اندھا اعتبار کرے اور ہر معاملے میں میرا محتاج ہو جائے۔ میں اس سلسلے میں اطہر کو پہلے ہی اعتماد میں لے چکی تھی۔ انہی دنوں میرے ہاں اوپر تلے دو بیٹیوں کی ولادت ہوئی۔ میرے جیٹھ کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی اور ماں بننے کے بعد اس گھر میں میری اہمیت میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ میں اپنی بچیوں کو اپنی طرح پر اعتماد بنانا چاہتی تھی۔ اس لیے ان پر بے جا قسم کی روک ٹوک پر میں نے پابندی لگائی ہوئی تھی۔ اس لیے میری بیٹیاں بہت نڈر اور بے باک ہو گئی تھیں۔ پورے گھر پر عملاً میرا راج قائم ہو چکا تھا۔ حاشر میرے آگے پیچھے پھرتا تھا۔ اطہر کی جرأت نہیں تھی کہ وہ میرے آگے بات کر سکیں۔ اس لیے راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا کہ اچانک میرے سسر کو میرے دیور کی شادی کا شوق چڑھ گیا۔

حاشر کا کاروبار بہت اچھی طرح سیٹ ہو چکا تھا۔ میرے سسر نے حاشر کی شادی کے لیے اپنے دوست کی بیٹی آرزہ کا انتخاب کیا تھا۔ میری آرزہ سے ایک ملاقات ہو چکی تھی اور وہ مجھے بہت ڈری سہمی اور گھبرائی ہوئی لڑکی لگی تھی۔ مجھے حاشر کے لیے ایسی ہی لڑکی کی تلاش تھی۔ حاشر نے ویسے بھی سارے اختیارات مجھے سونپ رکھے تھے۔ میرا تو خیال تھا کہ حاشر کی شادی نہ کی جائے مگر اپنے سسر کے آگے اس قسم کی بات کر کے میں خود کو ان کی نظروں سے گرانا نہیں چاہتی تھی اسی لیے حاشر کے لیے اس رشتے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ کچھ ہی ہفتوں بعد آرزہ سجا اس گھر میں دلہن بن کر آگئی۔

حاشر کا آرزہ کے ساتھ رویہ شروع دن سے ہی بہت اجنبی تھا اور یہی بات میرے اطمینان کے لیے کافی تھی۔ وہ وقت جو اسے اپنی بیوی کو دینا چاہیے تھا۔ وہ وقت حاشر میرے ساتھ گزارتا تھا اور میں کسی نہ کسی انداز میں اس پر یہ باور ضرور کروا دیتی تھی کہ آرزہ انتہائی لاپرواہ ہے اور گھر کے کسی کام میں دلچسپی نہیں لیتی۔ کوئی بیوی یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کا شوہر اس کے ساتھ وقت گزارنے کی بجائے کسی اور کے ساتھ وقت گزارے میرا خیال تھا آرزہ چند دن بعد ہی یہ گھر چھوڑ کر چلی جائے گی مگر وہ تو بہت ہی سخت جان واقع ہوئی تھی۔ انہی دنوں اطہر بیمار ہو گئے اور میرے شاطر ذہن نے ایک ایسی ترکیب سوچی جس کے بعد مجھے پورا یقین تھا کہ آرزہ یہ گھر چھوڑ کر چلی جائے گی۔ اطہر کی خیریت پوچھنے کے لیے آرزہ ان کے کمرے میں گئی اور وہیں سے میں نے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ گھر کے نوکروں کے سامنے میں نے یہی ظاہر کیا کہ آرزہ میرے شوہر کی خیریت پوچھنے نہیں بلکہ اس سے ملنے گئی ہے۔ اگلے روز حاشر کے سامنے یہ بات کر کے میں نے مزید آگ لگا دی اور پھر وہی ہوا جیسے میں چاہتی

تھی۔ آزرہ یہ گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ میں مطمئن تھی اور اب میرا نہیں خیال تھا کہ وہ واپس آئے گی۔ میں نے اپنے سسر اور حاشر کے سامنے آزرہ کا ذکر بہت منفی انداز میں کیا جس سے ان کے دل مزید بددل ہوگئے تھے۔ آزرہ کے بارے میں میرا خیال غلط ثابت ہوا تھا۔ وہ ایک ہفتے بعد ہی واپس آگئی تھی اور واپس آکر وہ اور زیادہ پراعتماد لگ رہی تھی۔

آزرہ کو اسی طرح دوبارہ دیکھ کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ میں نے اب اسے ہر طرح سے زچ کرنا شروع کردیا تھا۔ اس کا وہ اعتماد تو چند دن میں ہی ختم ہوگیا تھا اور وہ پھر سے وہی ڈری اور سہمی ہوئی آزرہ بن گئی تھی۔ اب کی بار میرے سسر کی ہمدردیاں بھی اس کے ساتھ نہیں تھیں۔ کیوں کہ میں پہلے ہی ان کے کان آزرہ کے خلاف بہت بھر چکی تھی۔ آزرہ اس محاذ پر اکیلی تھی۔ کچھ ہی عرصے بعد میرے سسر کا بھی انتقال ہوگیا۔ ان کے انتقال کے بعد اب میرے اور اطہر کے ایک اور منصوبے کا آغاز ہوگیا۔ ہم معاشی طور پر بھی حاشر کو بہت نیچے دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے اس کے دفتر کے کچھ لوگوں کو ساتھ ملا کر ہم نے اس کی کمپنی کی ساکھ کو خراب کرنا شروع کردیا۔ اکثر دوسرے ممالک میں وہ جو اشیاء بھیجتا تھا وہاں سے اصلی چیزیں غائب کروا کر دو نمبر مال رکھنا شروع کردیا۔ کمپنی کے اکاؤنٹ میں سے بہت سی رقم ہم نے غائب کروانا شروع کردی۔ ایسے بہت سے کام ہم دونوں نے کیے جس سے حاشر کو کاروبار میں بے انتہا نقصان اٹھانا پڑا اور وہ اکثر میرے پاس بیٹھ کر اپنے کاروباری نقصان کا رونا رہتا تھا۔ حاشر آزرہ سے بددل ضرور تھا مگر وہ ابھی تک اس کے ساتھ تھی اور یہ چیز میری برداشت سے باہر تھی۔ اسی لیے میں نے اس کی اور اس کے ایک کزن کی تصویریں اس کے شادی کی البمز میں سے نکالیں اور ایک کمپیوٹر گرافکس کے ماہر سے ان تصویروں کو کچھ اس انداز سے جڑوایا جس سے مجھے یقین تھا کہ وہ دیکھتے ہی حاشر آزرہ کو طلاق دے دے گا۔ آزرہ نے اپنے اس کزن کے بارے میں ایک بار سرسری انداز میں بتایا تھا کہ اس کے ماں باپ کا ارادہ پہلے اس کی شادی اس کے اسی کزن سے کرنے کا تھا مگر پھر حاشر کا رشتہ آگیا اور وہ بات ختم ہوگئی مگر میرا ارادہ تھا کہ اس بات کو ختم نہ کیا جائے اور آزرہ کو اس گھر سے ہمیشہ کے لیے نکال دیا جائے۔ سب کچھ میری مرضی کے مطابق ہی ہو رہا تھا کہ اچانک حاشر کے منیجر رضوان نے میرے ایک منصوبے کو خاک میں ملا دیا اور سونے پہ سہاگہ آفس کے ورکرز نے بھی حاشر کے سامنے سارا سچ اگل دیا اور پھر حاشر کے بڑے بھائی اکبر محمود نے بھی تصویروں والا سارا منصوبہ اس کے گوش گزار کرکے مجھ سے انتقام لے لیا۔ میرے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ وہ کمپیوٹر گرافکس کا ماہر اکبر محمود کا بھانجا نکل آئے گا۔ حاشر اپنے تمام تر ثبوتوں کے ساتھ میرے سامنے کھڑا تھا۔ وہ حاشر جو میرے سامنے اپنی زبان تک نہیں کھولتا تھا۔ اس روز اپنا تمام تر غصہ مجھ پر انڈیل رہا تھا۔ وہ اپنی آزرہ کے سنگ مسکرا رہا تھا۔ اس کے دل میں آزرہ کے لیے جتنی بھی عداوت تھی وہ سب ختم ہو چکی تھی۔ میرے لیے یہ سب ناقابلِ برداشت تھا۔ اطہر کو پولیس پکڑ کر لے گئی تھی۔ غصے اور صدمے کی وجہ سے میرے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ اب میں بہت دنوں سے ذہنی امراض کے اس اسپتال میں ہوں۔ کبھی کبھی آزرہ میری بچیوں کو مجھ سے ملانے کے لیے لے آتی ہے۔ میں ان کو دیکھ کر روتی رہتی ہوں مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ نفرت، غصے اور انتقام کے مارے لوگ اسی جگہ پر آتے ہیں جہاں میں موجود ہوں۔

......☆......







سلمیٰ غزل

ناولٹ

اظہارِ محبت

مغرب کی سمت سے اٹھنے والی کالی گھٹاؤں نے دن کے اجالے کو اندھیروں میں بدل دیا تھا اور آفتاب کا چمکتا دمکتا آگ برساتا چہرہ بادلوں کی نقاب میں الہڑ دوشیزہ کی طرح روپوش ہو گیا تھا۔ یقیناً کہیں بارش ہوئی تھی کیونکہ ہواؤں میں کچی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو اور بارش کی مہک رچی ہوئی تھی۔

بڑی بیگم نے آج سب کو اپنے کمرے میں بلایا تھا۔

''تم لوگ خاموش کیوں ہو؟ کیا تمہیں اپنے بھتیجے کی آمد اچھی نہیں لگی؟''

''نہیں اماں جان ایسی کوئی بات نہیں۔''

آصف اور واصف ایک ساتھ بولے۔

''دیکھو بیٹا!'' وہ شفقت سے گویا ہوئیں۔

''تمہارا بھتیجا حمزہ اپنوں میں پہلی مرتبہ پاکستان آ رہا ہے اس نے روڈ ایکسیڈنٹ میں اپنے والدین اور میں نے اپنا بہو بیٹا کھو دیا اگر وہ زندہ ہوتے تو میں تم سے کچھ نہیں کہتی کہ مرحوم بھائی کی نشانی کا خاص خیال رکھنا۔ اس کو یہ احساس نہ ہونے دینا کہ وہ بے یارومددگار ہے۔'' ان کی آواز بھرا گئی۔

''اماں جان! آپ اطمینان رکھیے۔ آپ کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں لیکن اتنا بتا دوں کہ وہ لاکھ





ہمارا اپنا سہی لیکن اپنی کی ماں کی وجہ سے وہ ہماری اولادوں کی برابری نہیں کرسکے گا۔''

بڑی بیگم کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

''آج تو یہ کہہ دیا ہے آئندہ مت کہنا' ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تمہارے باپ کی وجہ سے میں مجبور تھی لیکن آج میں صاف صاف کہتی ہوں کہ مجھے تمہارے باپ کے خودساختہ اصولوں سے اختلاف تھا' ہے اور رہے گا۔ ذات پات حسب نسب یہ سب زمانہ جہالت کی باتیں ہیں' ہمارے نبیؐ نے تو خود اپنے خاندان میں حضرت بلالؓ کی شادی کی تھی۔ کہاں وہ اعلیٰ نسب اور کہاں ایک ادنیٰ غلام اور پھر دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ یہ تھی اسلام کی آفاقیت اور عصبیت سے پاک معاشرے کی بنیاد ہم خود کو بڑے فخر سے مسلمان کہتے ہیں مگر کوئی ایک خوبی ہے ہم میں مسلمانوں والی؟ شرابی' جواری' اسمگلر اور دل کھول کے عیاش۔ لیکن جہاں شادی بیاہ کی بات آنے لگے حسب ونسب کی کسوٹی پر پرکھنے لگے یہ جانے بغیر کہ کردار کیسا ہے؟ چال چلن کی کیا حالت ہے۔''

دونوں بیٹے منہ بناتے ہوئے باہر نکل گئے جبکہ بڑی بیگم کی اکلوتی بیٹی زویا اور ان کے میاں عبید نے انہیں گلے لگا کر تسلی دی۔ عبید خان کہنے کو تو ان کے داماد تھے لیکن بیٹوں سے بڑھ کر۔ ان کے دست راست رفاقت علی خان نے ایسے ہی تو اپنی اکلوتی بیٹی کے لئے انہیں پسند نہیں کیا تھا۔ وہ ان کی فیکٹری میں منیجر کے عہدے پر فائز تھے۔ بے حد نیک' ایماندار اور اعلیٰ تعلیم یافتہ۔ چھڑے چھانٹ ماں باپ کا انتقال ہو چکا تھا اور حسب ونسب میں وہ رفاقت علی خان سے کم نہ تھے' خود رفاقت علی خان نے جب انہیں اپنی فرزندگی میں لینے کی پیشکش کی تو وہ ہچکچاہٹ کا شکار ہو گئے۔ انہیں گھر داماد بننا پسند نہیں تھا لیکن رفاقت علی خان کے یقین دلانے پر کہ ان کی بیٹی زویا کا پورشن تینوں بھائیوں سے الگ ہے وہ راضی ہو گئے۔ وہ زویا کو دیکھ چکے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ رفاقت علی خان لاکھ بااصول اور سخت گیر سہی لیکن بیٹی میں ان کی جان ہے۔ پھر عبید خان نے ثابت کر دیا کہ رفاقت علی خان کا انتخاب غلط نہیں تھا۔ انہوں نے عبید خان کی شکل میں ہیرا چنا تھا۔ ان کی ایک ہی بیٹی تھی وفا۔ کچھ اندرونی پیچیدگیوں کے باعث زویا دوبارہ ماں نہ بن سکیں جس کا انہیں بے حد دکھ تھا لیکن عبید خان اس پر صابر وشاکر تھے کہ اللہ اگر بیٹی بھی نہ دیتا تو ہم کیا کر لیتے' یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے اولاد دے دی۔

زویا اپنی کا پرتو تھی بے حد متکبر المزاج اور ٹھنڈے دماغ کی جبکہ وفا اس کے بالکل الٹ تھی۔

خدا جب حسن دیتا ہے
نزاکت آ ہی جاتی ہے

ماں باپ کے لاڈ پیار اور نانا نانی کے چونچلوں نے اسے خود پسند اور مغرور بنا دیا تھا۔ وہ اپنے آگے کسی کو کچھ نہیں سمجھتی تھی۔ اس کی خودسری اور اکڑ کے سامنے کسی کو چوں کرنے کی مجال نہیں تھی۔ پھر اس پر طرہ امتیاز کہ وہ بے حد خوبصورت تھی۔ زویا نے اسے حمزہ کے بارے میں بتایا۔

''بیٹا! حمزہ کے ابو کاشف تمہارے ماموں میرے سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ بے حد خوبصورت' ذہین اور عاجز' سوائے عادتوں کے تمہاری شکل کافی اپنے ماموں پر ہے۔''

''میری عادتوں کو کیا ہوا؟'' وفا ٹھنک کر بولی۔

''خود ہی دیکھ لو ایک جملہ کہنے سے کیسے بھڑک اٹھیں' جبکہ تمہارے ماموں حد سے زیادہ دھیمے اور نرم مزاج تھے۔ گھر کے نوکر اس طرح ان سے گھلے ملے رہتے تھے جیسے وہ ان کے برابر ہوں یوں تو ابا انہیں بہت چاہتے تھے لیکن اسی ایک نکتے پر ان کے درمیان اختلافات بھی بہت تھے' تمہارے ماموں کو غریبوں کے ساتھ ان کی بدکلامی' گالم گلوچ اور سختی پسند نہ تھی۔ ابا کو شوق تھا کہ ان کے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کریں مگر

تمہارے دونوں ماموں کتابوں سے ایسے بھاگتے تھے جیسے کوا نہر سے۔ نتیجتاً دونوں ماموں میٹرک سے آگے نہ پڑھ سکے جبکہ تمہارے کاشف ماموں نے LUMS یونیورسٹی سے پڑھا تھا' ابا کو ان پر فخر تھا مگر یہ غرور و فخر اس وقت خاک میں مل گیا جب تمہارے ماموں ایک غریب کسان کی لڑکی کو اپنی بیوی بنا کر گھر لے آئے۔ انہوں نے بتایا کہ ''کلثوم ان کی کلاس فیلو تھی۔ ماں باپ کی اکلوتی بیٹی بے حد ذہین و فطین ہر سال LUMS یونیورسٹی گاؤں گاؤں جا کر غریب بچوں کے انٹرویو لیتی ہے کہ شاید کہیں گدڑی میں لعل چھپا ہو۔ کلثوم انٹر کر چکی تھی' اس کی ذہانت سے وہ اتنے متاثر ہوئے کہ نہ صرف اس کو داخلہ مل گیا بلکہ اسکالرشپ بھی مگر گاؤں کے وڈیرے کو جس کی اس پر بری نظر تھی یہ بات ایک آنکھ نہ بھائی۔ پہلے تو اس کا رشتہ دیا پھر اغوا کی دھمکی۔ تمہارے ماموں اس کی من موہنی صورت اور ذہانت سے پہلے ہی متاثر تھے مگر اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ کلثوم سے نکاح کر لیں۔ ان کو تمہارے نانا نانی سے اجازت لینے کی مہلت بھی نہیں ملی اور جب انہوں نے یہ سب بتایا تو اماں نے تو فوراً کلثوم کو گلے لگا لیا لیکن ابا آپے سے باہر ہو گئے' ان کے ذات پات' حسب نسب اور خاندانی رکھ رکھاؤ کے اصول اتنے شدید تھے کہ بات بات پر گولیاں سینے کے پار ہو جاتیں' بے گناہوں کے خون سے زمین سرخ ردا اوڑھ لیتی اور کوئی دم نہ مارتا' دونوں بھائی تو پہلے ہی اس کی ذہانت اور مقبولیت سے خار کھاتے تھے۔ انہیں بھی بھس میں چنگاری ڈالنے کا موقع ملا۔ انہوں نے ابا کو خوب بھڑکایا اور وہ مارنے مرنے پر تل گئے میں نے اور تمہارے ابا نے بڑی مشکل سے تمہارے نانا کو قابو کیا۔ پھر کاشف بیوی کو لے کر کہاں چلا گیا پتہ ہی نہیں چلا کیونکہ ابا کے پالتو کتے معہ تمہارے ماموؤں کے اس کی بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ تمہارے نانا ایک سخت مزاج انسان تھے مگر اولاد تو اچھے اچھوں کا دم خم نکال دیتی ہے' تمہارے نانا کو یہ صدمہ لے ڈوبا ان کی زندگی نوحہ بن کر رہ گئی لیکن ابا جان کی وفات کے بعد اماں جان نے بھی کبھی کاشف کا گھر میں ذکر نہیں کیا پھر اڑتی اڑتی خبر ملی کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ لندن شفٹ ہو گیا۔ عرصہ دراز تک ہمیں کاشف کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلا پھر گزشتہ سال ایک دوست نے اطلاع دی کہ دونوں میاں بیوی ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں اکلوتا بیٹا حمزہ چھوڑ کر جاں بحق ہو گئے۔ عرصے سے اماں نے بیٹے کا منہ نہیں دیکھا تھا مگر خوش تھیں کہ جہاں رہے خوش آباد رہے۔'' اس خبر نے تو انہیں جیسے زندہ درگور کر دیا وہ اب صرف اپنے بھرم میں جی رہی ہیں ورنہ اندر سے بالکل ختم ہو چکی ہیں لیکن حمزہ کی آمد نے انہیں پھر سے زندہ کر دیا ہے۔ بیٹی تم حمزہ کا بہت خیال رکھنا' کیونکہ تمہارے ماموؤں سے تو مجھے کوئی امید نہیں شاید خون سفید ہونا اسے ہی کہتے ہیں۔''

نانی اماں کی آواز سے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

''زویا بیٹی! خانساماں سے کہو دو چار اضافی ڈشز بنا لے آخر میرا پوتا آ رہا ہے۔''

''نانی اماں! آپ حمزہ کو پہچانیں گی کیسے؟'' وفا نے شرارت سے کہا۔

''پگلی کہیں کی۔'' وہ ہنسنے لگیں۔

''میرا خون ہے میرے کاشف کی اولاد کیسے نہیں پہچانوں گی؟''

اور پھر وہ آ گیا جس کا سب کو شدت سے انتظار تھا۔ عبید خان خود اسے ایئرپورٹ سے لے کر آئے تھے۔

''میرا بچہ!'' دادی بانہیں پھیلا کر آگے بڑھیں اور وہ ان کی کھلی بانہوں میں سما گیا۔ دونوں بری طرح رو رہے تھے۔

''اماں! یہ تو بالکل کاشف ماموں کی ڈیٹو کاپی

ہے۔" وفا نے سرگوشی کی کیونکہ اس نے ماموں کی تصویریں ماں کے پاس دیکھی تھیں۔ بڑے ماموں کے بیٹے فہد نے انہیں ایک دوسرے سے جدا کیا۔

"یہ فاؤل ہے دادی اماں! خوشی کے موقع پر آنسو!" فہد نے ہنس کر کہا اور اپنی گیلی آنکھیں ہتھیلی سے صاف کرنے لگا۔

فطرتاً فہد اپنے باپ سے بالکل مختلف تھا۔ اس کی کافی عادتیں اپنے ماموں جیسی تھیں اور وفا کے بعد بڑی بیگم سب سے زیادہ اسی کو چاہتی تھیں۔

"فہد بیٹا! تمہارے ابا اور چچا نہیں آئے؟"

بڑی بیگم کو دکھ کے ساتھ ساتھ ندامت بھی تھی پھر دونوں ماموں بھی آ گئے۔ حمزہ بڑی گرمجوشی سے ملا مگر دوسری طرف یہ گرمجوشی مفقود تھی۔ ان کا انداز بیگانہ اور سرد مہر تھا۔ جسے حمزہ نے محسوس ہی نہیں کیا۔ فہد حیرت سے سوچ رہا تھا۔

"آخر ابا اور چچا کو حمزہ کے آنے کی خوشی کیوں نہیں ہو رہی خون ہے وہ ان کا!"

مگر اس پاگل کو یہ پتہ نہیں تھا کہ دولت خون کے رشتوں میں دراڑ ڈال دیتی ہے۔

بڑی بیگم نوکروں کے ساتھ کاشف کے پورشن میں رہتی تھیں، جس پر دونوں بھائیوں کی نظر تھی اور اب یہ پورشن یقیناً حمزہ کو ملنے والا تھا۔

"دادی جان!" حمزہ احترام کے ساتھ دادی سے مخاطب ہوا۔

"مجھے اجازت دیجئے۔"

"کس بات کی اجازت؟"

"میں نے ہوٹل میں کمرہ بک کرایا ہے آپ سب سے ملنا مقصود تھا کیونکہ ابو نے مرنے سے پہلے وعدہ لیا تھا کہ میں ایک مرتبہ آپ سب لوگوں سے ملنے ضرور آؤں گا اور مجھے اس وعدے کی تکمیل کرنی تھی۔" وہ نرمی سے بولا اور اپنی بھرائی ہوئی آواز پر کنٹرول کرنے لگا۔

بڑی بیگم بری طرح رو پڑیں۔ "نہیں بیٹا! اب جانے کا نام نہ لینا ورنہ تیری دادی مر جائے گی۔ مجھے تیری شکل میں اپنا کاشف نظر آ رہا ہے، وہی قد بت وہی انداز گفتگو۔ جب تک میں زندہ ہوں مجھے چھوڑ کر مت جانا میرے لعل......!" وہ اس کو دیوانہ وار چومنے لگیں۔

"یار ہمیں بھی تھوڑی دیر خوش ہو لینے دو کیونکہ تمہارے آنے سے ہماری ویلیو تو ویسے ہی ڈاؤن ہو گئی ہے لیکن تمہاری شکل میں ایک اچھا دوست ضرور مل گیا ہے۔" فہد نے خلوص سے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا پھر وفا کی طرف دیکھتے ہوئے شرارت سے بولا۔

"یہ ہیں ہمارے گھر کی اکلوتی بیٹی پھوپھی اماں کی صاحبزادی وفا۔ نام پر نہ جانا بے وفائی ان کی فطرت میں ہے۔ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتیں۔ بہت نک چڑی ہیں۔" فہد کے انداز پر سب ہنسنے لگے اور وہ غصے میں بھنا کر واک آؤٹ کر گئی۔

☆......☆

اپنوں میں آ کر وہ خوشی سے پاگل ہو رہا تھا، گو دونوں چچاؤں کے خشک رویے سے وہ بددل ضرور ہوا تھا لیکن مایوس نہیں کیونکہ سب ہی لوگ پیار کرنے والے تھے پھوپھی، پھوپھا، دادی اور فہد جس کی محبت اور خلوص کا وہ دل سے معترف تھا۔

بڑی بیگم نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ کاشف کا پورشن اب حمزہ کا ہے اور وہ اب وہیں رہے گا۔ دونوں بھائی جز بز تو بڑے ہوئے کیونکہ دونوں ہی کی سرشت میں خود غرضی اور لالچ کوٹ کوٹ کر بھری تھی یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ آصف کا ایک ہی بیٹا فہد اور واصف کا جنید تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی الٹ، فہد ماموں کی طرح بے حد پڑھا کو مخلص اور ہمدرد انسان تھا۔ جبکہ جنید چچا اور باپ کا پرتو بے حد ابن الوقت مکار، خود غرض اور مطلبی۔ وفا اس کے بچپن کی منگیتر تھی جو اسے

قطعی پسند نہ تھی مگر جائیداد کی لالچ کی وجہ سے وہ اسے پسند کرنے پر مجبور تھا۔ اس کو یقین تھا کہ ماں باپ کے علاوہ دادی بھی اپنے اور کاشف کے حصے کی جائیداد نواسی کو دے دیں گی اور اب اس حمزہ نے آ کر سارا پلان چوپٹ کر دیا تھا اور سب اس کے آگے پیچھے تھے۔ خاص طور پر فہد جو اس کی شخصیت کے متعدد پہلوؤں سے متاثر تھا، جو غیر ملکی ڈگریاں رکھتے ہوئے بھی سادگی کا پیکر اور غرور و تکبر سے کوسوں دور تھا اور جب وہ انگلش لب و لہجے میں اردو بولتا تو سب کو اور بھی خوبصورت لگتا۔

☆......☆

حمزہ کو اپنی یہ سنجیدہ، پروقار، سادہ اور کچھ اکڑی سی کزن وفا بے حد پسند آئی تھی۔ غرور اس پر بجتا تھا اس کا رویہ گو کے حمزہ کے ساتھ بے حد لیا دیا سا تھا لیکن پھر بھی حمزہ اس سے دن بدن متاثر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ خاندان کی واحد لڑکی تھی جو پڑھنے یونیورسٹی جا رہی تھی۔ حالانکہ وفا نے اس کو کبھی قابل درخور اعتنا نہ جانا تھا۔ پھر بھی اس کا رکھ رکھاؤ، بولنے کا انداز، نوکروں تک سے احترام سے پیش آنا اور خاص طور پر خواتین کی عزت کرنا اس کے لئے اچنبھے کا باعث تھا، کیونکہ اس نے گھر کے مردوں کو ہمیشہ حکمانہ انداز میں بات کرتے اور نوکروں کو جھڑکتے ہوئے ہی دیکھا تھا اور وہ خود بھی نوکروں کو منہ لگانا پسند نہیں کرتی تھی لیکن فہد کے بعد یہ واحد فرد تھا جو نوکروں سے اس طرح گھلا ملا رہتا جیسے وہ اس کے ہم پلہ ہوں۔ نوکروں کے بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنا اور ہنسی مذاق کرنا اس کے لئے حیرت کا باعث تھا، کیونکہ بمعہ اس کے ابا یہاں کی خواتین اسے ہمیشہ شوہروں اور بھائیوں کے سامنے گڑگڑاتی اور ممیاتی نظر آئیں۔ اس کے ابا اس کو بے حد چاہتے تھے لیکن دوسروں کے لئے ان کا رویہ بھی گھر کے عام مردوں جیسا تھا۔ اس کا دل چاہتا حمزہ اس کے حسن کی تعریف کرے، اس کی شان میں

قصیدے پڑھے، اس کی قابلیت کے گن گائے کہ وہ انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کر رہی تھی۔ اس کو سراہے لیکن جانے وہ کس مٹی کا بنا ہوا تھا کہ نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا اور یہی حسن کی توہین وفا کو چراغ پا کرنے کے لئے کافی تھی۔ اس کو اپنے قدموں میں جھکانے کی تمنا اب اس کی خواہش ہی نہیں ضد بن گئی تھی اور اب صرف اس کو جلانے کے لئے وہ جنید پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینے لگی تھی۔ جس سے کبھی اس نے سیدھے منہ بات نہیں کی تھی اب اس کے ساتھ مل کر حمزہ کا مذاق اڑانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھی۔ قدم قدم پر اس کی تذلیل کرتی، اس کا مذاق بناتی مگر وہ ایسا بن جاتا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ اس کو گھر والوں کی طرف سے حمزہ کی اس قدر پذیرائی پر بھی غصہ تھا، جہاں وفا کے نام کی صدائیں گونجتی تھیں اب سارا دن حمزہ کے نام کی پکار پڑتی رہتی تھی۔ حد تو یہ کہ نوکر بھی اس کی شان میں رطب اللسان تھے۔

اس دن تو فہد نے سب کے سامنے ہی اس کا پیچھا پکڑ لیا۔

"سچ بتاؤ تم نے کہیں یورپ میں کسی گوری سے شادی وادی تو نہیں کر لی؟"

"ارے نہیں یار!" وہ ہنس پڑا۔

"مشرق کو جو حسن ملا ہے اس کا عشر عشیر بھی مغرب میں نہیں وہاں عزت و عصمت اور شرم و حیا کی داستانیں قصہ پارینہ ہیں صرف گوری چٹی پھیکا شلجم حسن تو نہیں۔ مجھے تو مشرقی لڑکیاں پسند ہیں۔ لمبے سیاہ بال، آہو چشم اور شاخ گل کی طرح لجاتی شرماتی شرم و حیا والی!"

"تمہارا اشارہ ہماری وفا کی طرف تو نہیں؟ مگر شرم و حیا توبہ توبہ!" اس نے شرارت سے گال پیٹے۔

"لاحول ولاقوۃ!" حمزہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"حمزہ بھائی! آپ ہوش میں تو ہیں۔" وہ غصے

سے بگڑ کر بولی۔

''یہ لاحول کس پر پڑھی ہے آپ نے میں تو آپ جیسوں کو منہ بھی لگانا پسند نہیں کرتی۔''

''سوری یہ لاحول آپ کے لئے نہیں فہد کے لئے تھی جس نے اتنی بے تکی بات کہی ہے۔'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

''مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں میں آپ جیسوں کے منہ لگنا پسند نہیں کرتی!''

''آپ جیسوں سے کیا مراد ہے آپ کی؟'' حمزہ نے متانت سے سوال کیا اور فہد جواب سنے بغیر اسے باہر لے گیا۔

☆......☆

موسم مسحور کن تھا خنک ہوائیں سرسرا رہی تھیں چمبیلی' رات کی رانی اور موگرے اور موتیا کی خوشبو سے پورا لان مہک رہا تھا' حمزہ سنگ مرمر کی بنچ پر بیٹھ کر کچھ سوچ رہا تھا' کبھی ماں باپ یاد آتے کبھی دادی کی بے بسی پر ترس آنے لگتا ساتھ ہی چچاؤں کا خشک رویہ اور وفا اور جنید کی طنزیہ باتیں دل دکھانے لگتیں۔ اگر فہد کا خلوص' دادی کی محبت اور پھپا پھپھی کی چاہت پیروں کی زنجیر نہ بنتی تو وہ کب کا یورپ لوٹ جاتا جہاں کا وہ شہری تھا اس کو دولت جائیداد سے کوئی دلچسپی نہ تھی کیونکہ وہ علم کی دولت سے مالا مال تھا' پھر والدین بھی ایک کثیر سرمایہ اس کے لئے چھوڑ کر مرے تھے فطرتاً وہ قناعت پسند اور صابر تھا اور صرف سچی محبت اور خلوص کی تلاش میں پاکستان آیا تھا' ورنہ یورپ میں ایک سے ایک لڑکیاں اس کے گرد منڈلاتی رہتی تھیں۔

واصف کی جوانی بہت رنگین گزری تھی۔ ریس اور مے نوشی نے انہیں مالی اعتبار سے بالکل دیوالیہ کردیا تھا اور جنید بھی انہی کے نقش قدم پر تھا اس ایک نکتے پر دونوں ہی متفق تھے کہ جلد از جلد وفا سے شادی کر کے اس کے حصے اور نانی کے حصے پر قبضہ جمایا جائے' جو یقیناً اکلوتی نواسی کو ملنے کی توقع تھی وفا سے محبت تو ایک خوش رنگ ڈرامہ تھا۔

دوسری طرف وفا دن بدن حمزہ کی مردانہ وجاہت اور اس کے اخلاق سے متاثر ہونے لگی تھی۔ اس کی مسحور کن شخصیت اور پروقار طرز زندگی نے اسے جنید سے مقابلہ کرنے پر مجبور کردیا تھا جس کی اوچھی اور گری ہوئی حرکتوں سے وہ پہلے ہی نالاں تھی وہ اب اسے اجڈ اور گنوار لگنے لگا تھا جس کو نہ بات کرنے کی تمیز تھی نہ کھانے پینے کا ڈھنگ اور اوڑھنے پہننے کا سلیقہ۔ مگر اسے اپنی نسوانیت اور انا بے حد عزیز تھی۔ حمزہ کے آگے جھکنا حسن کی توہین تھی وہ حمزہ کو اپنے آگے جھکا ہوا دیکھنا چاہتی تھی۔ واصف کی خواہش تھی کہ جلد از جلد جنید اور وفا کی منگنی کا اعلان کردیا جائے اور دو ماہ بعد شادی لیکن عبید خان تذبذب کا شکار تھے۔

''بیگم! میں نے بڑی غلطی کی ہیرا چھوڑ کر پتھر کو چن لیا' کونسا شرعی عیب ہے جو تمہارے بھتیجے میں نہیں دوسری طرف حمزہ ہے بے حد شریف' اعلیٰ ظرف اور خوبصورت و خوب سیرت۔ میں دوراہے پر کھڑا ہوں۔''

''کیسی باتیں کررہے ہیں آپ۔ جانتے نہیں حمزہ کی ماں.....؟'' زویا بگڑ کر بولیں۔

''زویا اگر کوئی غریب کسی درخت کی آبیاری کرے تو کیا تم اس کے پھل نہیں کھاؤ گی' غریب ہونا جرم تو نہیں بلکہ ہم جیسے عیاش' خود غرض اور موقع پرست لوگوں سے تو اس غریب کی بیٹی اچھی جس نے اپنے بیٹے کی اتنی اچھی تربیت کی' بے شک تمہارے ماں باپ جدی پشتی امیر ٹھہرے اور خاندانی بھی تھے لیکن تم جانتی ہو تقسیم ہند کے وقت بے شمار کمی کمار انگریزوں کے کتے ٹہلانے اور گھوڑوں کو نہلانے کے صلے میں بے شمار زمینوں کے مالک بن گئے جبکہ حمزہ کے نانا' نانی نہ صرف خوددار تھے جبکہ خاندانی

بھی۔ تمہارے ابو بھی میرے لئے بہت اچھے انسان تھے لیکن اماں جان کی طرح مجھے بھی ان کے ذات پات اور حسب و نسب کے اصولوں سے اختلاف تھا وہ تو اماں جان اگر اپنے معتمد خاص سے ان کو یورپ نہ بھجتیں اور ان کی مالی مدد نہ کرتیں تو شاید تمہارے دونوں بھائی تو انہیں زندہ بھی نہیں چھوڑتے۔''

''آپ جانتے تھے۔'' زویا کی آنکھوں میں حیرت در آئی۔

''بے وقوف خاتون! اماں جان کا دست راست یہ آپ کا ناچیز خاوند ہی تو تھا جس نے بھاگ دوڑ کر کے کاشف اور اس کی بیوی کو لندن پہنچایا اور وہاں سیٹل ہونے میں مدد بھی دی مگر اماں جان نے کسی کو بھی بتانے سے منع کیا تھا۔''

حمزہ ایک طویل سانس لے کر دروازے کے پاس سے ہٹ گیا اتفاقاً ہی یہ راز اس کے کانوں میں پڑ گیا تھا' جس کی وجہ سے اس کے ماں باپ کو دربدر ہونا پڑا' مگر ممی ڈیڈی نے اسے اس بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا' وہ اپنے پھوپھا کی اعلیٰ ظرفی پر دل سے معترف تھا۔

☆......☆

واصف کا اصرار بڑھتا جارہا تھا اور عبید خان کشمکش کا شکار تھے۔ انہوں نے بہتر سمجھا کہ وفا سے ڈائریکٹ پوچھ لیا جائے۔

''ابا! اگر جنید بھائی دنیا کے آخری انسان بھی ہوں تب بھی مجھے ان سے شادی منظور نہیں، بے شک پھر آپ کسی سے بھی کردیں میں انکار نہیں کروں گی مگر جنید بھائی تو مر کر بھی نہیں!''

اندر آتے ہوئے جنید کے کان میں جب یہ الفاظ پڑے تو وہ دبے پاؤں واپس پلٹ گیا۔

☆......☆

آج فہد کے سلسلے میں سب لڑکی والوں کے گھر جانے کے لئے تیار ہورہے تھے یہ رشتہ فہد کی پسند سے خالہ کے گھر کیا جارہا تھا لیکن وفا نے بخار کی وجہ سے جانے سے انکار کردیا اور زویا کو بھی اصرار کر کے ساتھ بھیج دیا۔ وہ لیٹے لیٹے بیزار ہونے لگی تو چائے پینے کے ارادے سے اٹھ کر بیٹھ گئی ابھی وہ دوپٹہ اوڑھ ہی رہی تھی کہ طوفان کی طرح جنید اندر داخل ہوا۔

''جنید بھائی آپ اور اس وقت؟''

جنید نے بغیر جواب دیئے کمرے کی کنڈی لگالی اس کی آنکھوں میں وحشت اور دیوانگی تھی۔

''یہ کیا کررہے ہیں آپ؟'' وہ بگڑ کر بولی۔

''میں اپنی چیز سے اتنی آسانی سے دستبردار نہیں ہوتا' تمہیں آج یہی سمجھانا چاہتا ہوں!''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

وہ سر سے پاؤں تک لرز اٹھی اس کو اندازہ تھا گھر میں کوئی نہیں ہے اور اتنے بڑے گھر میں بند کمرے سے اس کی آواز بھی باہر نہیں جاسکے گی۔

''مطلب بالکل صاف ہے تم مجھ سے شادی کے لئے تیار نہیں اور میں آج تمہیں اس قابل ہی نہیں چھوڑوں گا کہ کوئی اور تمہیں منہ لگائے۔''

وہ اس کی طرف وحشیانہ انداز میں دانت پیستے ہوئے بڑھا۔

''آپ شاید اپنے ہوش میں نہیں ایک آواز لگاؤں گی تو آپ کا تماشہ بن جائے گا' بہتر یہی ہے کہ آپ شرافت سے باہر چلے جائیں۔''

وہ غصے سے چیخی اور جنید نے اس کو سختی سے دبوچ لیا اور پھر وفا کی چیخوں سے پورا کمرہ گونج اٹھا۔

جنید کو معلوم نہ تھا کہ فہد اور حمزہ اپنے کمرے میں شطرنج کی بساط جمائے بیٹھے ہیں' حمزہ کے کانوں میں وفا کی گھٹی گھٹی آواز آئی تو وہ بے ساختہ اوپر وفا کے کمرے کی طرف بھاگا۔ جبکہ فہد بدستور شطرنج کی چالوں میں غرق تھا۔ اسی دوران گھر والے بھی آچکے تھے' حمزہ نے زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا تو جنید نے دروازہ کھول دیا' وفا ایک سہمی ہوئی چڑیا کی طرح

کونے میں کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی' جنید ابھی سچویشن کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ عبید خان اور واصف بھی ہانپتے ہوئے پہنچ گئے' غالباً وہ بھی اسی وقت گھر میں داخل ہوئے تھے سب کو دیکھ کر جنید نے ایک گھونسا حمزہ کے منہ پر جڑ دیا۔

''پھوپھو جان! یہ ذلیل شخص وفا کے ساتھ دست درازی کی کوشش کر رہا تھا اگر میں بروقت نہ آجاتا تو جانے کیا ہو جاتا۔''

یہ سنتے ہی واصف نے بھی اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا اور بری طرح حمزہ کو پیٹنا شروع کر دیا۔ وفا باپ سے لپٹ کر بری طرح رو رہی تھی' عبید خان کے کچھ سمجھنے سے پہلے دونوں باپ بیٹوں نے حمزہ کو کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

''نکل جاؤ کم ذات نیچ عورت کی اولاد......!''

''بس چچا جان آپ نے بہت کہہ لیا اور میں نے سن لیا' میں اب اپنی صفائی میں ایک لفظ نہیں کہوں گا' کیونکہ سچائی خود اپنے منہ سے بولتی ہے مگر آپ نے ایک لفظ بھی میری ماں کے بارے میں کہا تو میں نہ رشتے کا لحاظ کروں گا' نہ عمر کا مجھے فخر ہے اپنی ماں اور اپنے نانا نانی پر جو نہ عیاش تھے نہ شرابی نہ مکار۔''

یہ کہتے ہوئے حمزہ تیزی سے نکلتا ہوا چلا گیا اتنی دیر میں دادی اور فہد بھی چیخ پکار سن کر اوپر آگئے۔

''کیا ہو رہا ہے یہ سب کیسا ہنگامہ ہے اور یہ حمزہ غصے میں کہاں جا رہا تھا؟'' دادی چیخ کر بولیں۔

''بہت فخر کرتی تھیں نا آپ اپنے پوتے پر رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے۔ حمزہ گھر کی عزت سے کھیلنے کی کوشش کر رہا تھا' وہ تو میرا بیٹا جنید نہ آجاتا تو آپ اس وقت منہ دکھانے کے قابل نہ رہتیں!''

اس دوران عبید خان وفا کے ساتھ کمرے سے باہر جا چکے تھے۔

''خبردار!'' بڑی بیگم ڈپٹ کر بولیں۔

''اپنی زبان کو لگام دو کوئی چولہے پر چڑھ کر بھی کہے تو میں نہیں مانوں گی کیونکہ وہ کاشف کا بیٹا ہے کسی شرابی کبابی کا نہیں۔''

بڑی بیگم کے لہجے میں اتنا یقین اور مان تھا کہ دونوں باپ بیٹوں کو آگے کچھ کہنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔

فہد دندناتا ہوا وفا کے کمرے میں پہنچا اور چیخ کر بولا۔

''تم نے ایسا کیوں کیا وفا؟ تمہاری خاموشی نے ایک بے قصور انسان کو مجرم بنا دیا میں جانتا ہوں حمزہ بے قصور ہے کیونکہ وہ تو میرے ساتھ تھا۔''

''فہد بھائی!'' وفا بلک بلک کر رونے لگی۔

''میرے اعصاب جواب دے گئے تھے' حواس معطل ہو گئے تھے' میں اتنی حواس باختہ ہو گئی تھی کہ حمزہ بھائی کی صفائی میں ایک لفظ نہیں کہہ سکی' حالانکہ میں بہت کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔''

''ایک بات پوچھوں وفا' جنید سے شادی سے انکار کی وجہ حمزہ تو نہیں؟''

فہد نے اس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اور اس نے کچھ نہ کہتے ہوئے سر جھکا کر رونا شروع کر دیا۔

''میں کیا کروں فہد بھائی! وہ پتھر ہے میں اس سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر بھی جاؤں گی تو بھی وہاں اثر نہیں ہونے والا۔ میں ٹوٹ گئی ہوں بکھر رہی ہوں مگر میں بھی ایسا کچھ نہیں بولوں گی اور اس بے غیرت' بے حمیت جنید کے ساتھ چپ چاپ رخصت ہو جاؤں گی' کیونکہ یہ تو طے ہے کہ میں نہ جھکوں گی نہ حمزہ سے محبت کی بھیک مانگوں گی وہ خود کو سمجھتا کیا ہے میں اب اتنی بھی گئی گزری نہیں' مر سکتی ہوں جھک نہیں سکتی۔''

''پاگل لڑکی......!'' فہد نے اس کا شفقت سے سر تھپتھپایا۔

''مریں تمہارے دشمن۔ دیکھو ذرا حمزہ سے دور ہی رہنا پتہ نہیں غصے میں وہ تمہارا کیا حال کرے اور تم

دیکھتی جاؤ جنید کو تو میں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ اپنے زخم چاٹتا ہی رہے گا۔''

''مگر اس پتھر کے دیوتا سے دل لگانے کا مشورہ کس احمق نے دیا تھا۔''

آخر میں فہد کا لہجہ شرارتی ہو گیا اور وفا کھسیانی ہنسی ہنسنے لگی۔

☆......☆

پورے گھر میں حمزہ کی ڈھونڈ مچی تھی اور وہ غائب تھا۔

''ارے کمبختو! ڈھونڈو میرے حمزہ کو جانے کہاں کہاں بھٹک رہا ہوگا' کس قدر گھٹیا الزامات لگائے میرے بچے پر کیسا کیچڑ اچھالا اور اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھا۔''

''دادی کیوں پریشان ہو رہی ہیں عیش کر رہا ہوگا کہیں بیٹھ کر۔''

جنید نے ڈھٹائی سے ایک آنکھ دبائی تو بڑی بیگم نے ایک دو ہتھڑ اس کی کمر پر رسید کر دیئے۔

''کمبخت یہ سب تیرا ہی کیا دھرا ہے تجھے شرم نہ آئی اپنے بھائی پر جھوٹا الزام لگاتے اور میری نواسی بھی اس وقت منہ میں گھونگنیاں ڈال کر بیٹھ گئی۔''

''اور تم باپ بیٹے کو موقع مل گیا تم دشمن ہو اس کے آخر کس باپ کے بیٹے ہو اسے ڈھونڈ کر لاؤ ورنہ میں بھی ختم ہو جاؤں گی۔''

بڑی بیگم دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں اور ان پر غشی طاری ہو گئی سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ فہد نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور گھر سے نکل گیا وہ جانتا تھا حمزہ کہاں ملے گا۔ وہ ہوٹل پہنچا تو حمزہ یورپ جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

''گھر چلو دادی کی طبیعت بہت خراب ہے؟''

''کس کے گھر کون سے گھر، میں ٹھہرا آوارہ بدمعاش شرفاء کے گھر کیسے جا سکتا ہوں؟'' وہ دکھ سے بولا۔

''پاگل ہو گئے ہو کیا؟ وہاں ایک لفظ اپنی صفائی میں بولے بغیر یہاں آگئے اور اب جانے کو تیار نہیں تمہیں بولنا چاہیے تھا۔''

''کیا بولتا اور کیوں بولتا جب وفا چپ رہی جو میری زندگی کی اولین اور سب سے بڑی خواہش تھی' وہ جنید کی منگیتر تھی اور میں ایک لاوارث پھر وہ میرے حق میں اور جنید کے خلاف کیسے بولتی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ جنید جو وفا کی محبت ہے سب کی نظروں میں گر جائے۔''

''واہ بھئی تم تو سچ مچ کے مجنوں نکلے احمق انسان اس وقت وفا اپنے حواسوں میں نہیں تھی' بعد میں اس نے سب کو سچ سچ بتا دیا تھا بلکہ اس نے تو وہ کچھ بھی مجھے بتا دیا تھا جو تم سن کر شاید شادی مرگ کا شکار ہو جاؤ' فی الحال تو تم گھر چلو۔''

فہد مسکرا کر بولا۔

''ہرگز نہیں اس بے عزتی کے بعد تو میں اس گھر میں قدم نہیں رکھوں گا۔''

حمزہ غصے سے بولا۔

''جائیں گے تو تمہارے اچھے بھی یار کیوں ماش کے آٹے کی طرح اینٹھ رہے ہو، وہاں دادی کی طبیعت بہت خراب ہے' رو رو کے انہوں نے زمین آسمان ایک کر دیا ہے اور صرف تمہیں پکار رہی ہیں پلیز میرے ساتھ چلو۔''

وہ دادی سے لپٹ کر رو پڑا قریب ہی وفا بھی سسک رہی تھی۔

''بیٹا' تو کیوں شرمندہ ہوتا ہے ڈوب تو مریں وہ جنہوں نے یہ ڈراما رچایا۔ ارے کیا میں اپنے خون کو پہچانتی نہیں ہوں مگر ہر کام میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے شاید جو ہماری دلی خواہش تھی اسے اسی طرح پورا ہونے کے لئے اسی طرح کے ڈرامے کی ضرورت تھی کہ میں آج اپنے پوتے کی شادی اپنے ہاتھوں سے کروں گی جو صیاد نے تمہارے لئے جال بچھایا تھا

اس میں خود پھنس گیا' اسے کہتے ہیں خدا کا انصاف اور اللہ کی قدرت کہ حق بحقدار رسید۔"

حمزہ کی سمجھ میں بالکل بھی نہیں آرہا تھا کہ یہ اس کے ساتھ ہو کیا رہا ہے' کبھی پھوپھا گلے لگا کر معافی مانگ رہے ہیں تو پھوپھی صدقے واری ہو رہی ہیں اور فہد تو باقاعدہ بھنگڑہ ڈال رہا تھا۔

"دادی! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تمہارا نکاح ہو رہا ہے وفا سے۔" بڑی بیگم اطمینان سے بولیں۔

"دادی!" جنید نے احتجاج کیا۔

"وفا میری منگیتر ہے ایسا نہیں ہوسکتا میں ہونے نہیں دوں گا۔" جنید غصے سے دہاڑا۔

"تم ہوتے کون ہو بیچ میں بولنے والے۔"

"نہ کھلواؤ زبان میری بس اس کو یوں ہی رہنے دو۔ بقول تمہارے حمزہ نے وفا کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی' تو اب شادی بھی اسی سے ہوگی۔"

عبید خان نے اطمینان سے جواب دیا اور پھر حویلی کے مکینوں نے دیکھا وفا رخصت ہو کر کاشف کے پورشن میں آگئی اس نے اپنی محبت پالی تھی جس پر اسے فخر تھا مگر دل اندر سے سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ اپنی بے عزتی کا بدلہ جانے حمزہ کس طرح لے گا مگر وہ خود کو ہر طرح کے سلوک کے لئے ذہنی طور پر تیار تھی۔ دراس کو یقین تھا کہ ایک نا ایک دن حمزہ کو اس کی محبت' چاہت اور وفا پر یقین آہی جائے گا۔

حمزہ دروازہ بند کر کے قریب آیا تو وہ لرز اٹھی اس کے چہرے پر خشونت اور چٹانوں جیسی سختی تھی اور لب بھنچے ہوئے وفا کی سانسیں رکنے لگیں جوں ہی حمزہ نے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا خوف سے اس کی آنکھیں بند ہوگئیں تھپڑ کی گونج کانوں میں آنے لگی مگر جب گالوں پر انگلیاں سرسرانے لگیں تو اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ حمزہ مسکرا رہا تھا اس کی محبت پاش نظریں اس کے صبیح چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"خوف زدہ ہو' ہونا بھی چاہیے مگر محبت کی ہے تو ڈر کیسا؟ وہ تو پھوپھا بہت سمجھدار ہیں۔ ایک نظر میں انہوں نے حقیقت جان لی تھی' خراشیں جنید کے چہرے پر تھیں قمیض کے بٹن اس کے ٹوٹے ہوئے تھے انہیں تمہاری خواہش کا بھی پتہ تھا پھر انہوں نے ان کی چال انہی پر الٹ دی اس کو کہتے ہیں شہ مات' وہ تو اگر فہد حقیقت نہ بتاتا تو ہرگز تم سے شادی نہ کرتا باوجود اس کے کہ تم میرے روم روم میں بسی ہو۔"

"فہد بھائی نے کیا حقیقت بتائی؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"یہی کہ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔" وہ شوخی سے بولا۔

"آپ مجھ سے ناراض تو نہیں؟"

"ہوتا ضرور اگر مجھے یہ پتہ نہ چلتا کہ تم گوڈے گوڈے میری محبت میں ڈوبی ہوئی ہو اور میں تو پہلے ہی دن تمہاری زلفوں کا اسیر ہو گیا تھا۔"

"پھر آپ نے اظہار کیوں نہیں کیا۔" وفا کی زبان سے شکوہ پھسل گیا۔

"کیونکہ اظہار وفا عشق میں توہین وفا ہے۔ تمہارا رعب حسن' احساس برتری اور غرور و تکبر..... میں خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتا تھا اور پھر قدم قدم پر میری مرحومہ ماں کے طعنے....."

"بس بھی کیجیے میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا آخر بھانجی کس کی ہوں۔" وفا نے فخر سے کہا۔

"اور اب بیوی کس کی ہو ذرا قریب آؤ تو بتاؤں' وہ ساری ہجر کی داستانیں' محبت کی کہانیاں جسے سننے کو تم بیتاب ہو اور میں کہنے کو بے چین۔"

اس نے مسکرا کر وفا کو خود سے قریب کر لیا اور پوری کائنات ان کے ملن پر مسکرانے لگی۔

......☆......

افسانہ

نیا سال سنگ سجنا کے

او بے خبر
او بے قدر
میرے دل کا لے گئے چین
بے چینیاں بے تابیاں ہیں جواں

ملائکہ فل والیوم میں گانا گا رہی تھی اور اپنے بیڈروم کی ڈسٹنگ کر رہی تھی۔

آریان دروازے کی چوکھٹ پر کھڑا ملائکہ کو یک ٹک دیکھ رہا تھا۔ پھر دھیرے سے گنگنایا۔

تاکتے رہتے تجھ کو
سانجھ سویرے نینوں
میں بسیاں جیسے نین یہ تیرے
تیرے مست مست دو نین

"مسٹر...... تم......؟"

ملائکہ ڈسٹنگ چھوڑ کر آریان کے پاس آئی تھی۔

ملائکہ نے آریان کو اپنی پرسنل چیزیں لینے کے لیے مارکیٹ بھیجا تھا اور آریان مارکیٹ جانے کا کہہ کر گیا تھا لیکن واپس آ گیا تھا۔

"جان! ہم کیا کریں۔ تم بن کر کچھ اچھا نہیں لگتا۔ تم بن سب بے مزہ، بے رونق لگتا ہے۔ دل نہیں لگدا تیرے بنا سوہنیو دل نہیں لگدا تیرے بنا۔"

آریان نے حال دل عیاں کرتے کرتے ملائکہ کو بانہوں میں بھر لیا تھا اور گانا گنگناتے ہوئے ایک شوخ



سی شرارت کر ڈالی تھی۔ شادی کو ابھی دو ماہ ہی ہوئے تھے۔ ملائکہ اس کی شوخیوں پر جھینپ سی گئی پھر دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

☆......☆

"آریان!"

ملائکہ اپنے کپڑے سیٹ کر رہی تھی۔ کچھ یاد آنے پر آریان کو پکارا تھا۔ آریان تو سب طرف سے بے خبر ہو کر ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

"مسٹر آریان!"

ملائکہ نے جھنجلا کر لگاتار چار پانچ آوازیں لگائیں۔

"جان! پلیز ڈونٹ ڈسٹرب می۔ فلم بڑی زبردست چل رہی ہے۔ آجاؤ تم بھی دیکھ لو ایکشن ری پلے، اچھی مووی ہے۔" آریان نے پیار سے منع کرنے کے ساتھ ہی ملائکہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس کھینچ لیا تھا۔

ملائکہ کا موڈ آف ہو چکا تھا۔ ملائکہ کو خود تو ٹی وی دیکھنے میں انٹرسٹ نہیں تھا۔ اسی لیے آریان کا ٹی وی میں گم ہونا اسے برا لگتا تھا۔

"ہم کہیں چلیں؟" ملائکہ نے کچھ دیر بعد کہا تھا۔ آہستگی سے آریان کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

"کہاں جانا ہے میری جانو کو؟" آریان اس کے ہاتھ چومتے ہوئے بولا تھا۔

"کہیں بھی اچھی سی جگہ......"

"میڈم! آپ دو ماہ میں پورا کراچی شہر گھوم چکی ہیں، اب آپ ہی سلیکٹ کریں کہ کون سی جگہ اچھی ہے۔" آریان نے فیصلہ ملائکہ پر چھوڑ دیا تھا۔

"آج سال کا آخری دن ہے۔ کل نیا دن نئے سال کا آغاز ہو گا۔ ہم سال کا اچھا دن اچھی جگہ اچھے طریقے سے گزارنا چاہتے ہیں۔ تاکہ شادی کے بعد والا نیا سال ہمیں ہمیشہ یاد رہے اور اس سال کو ہماری یادوں میں منفرد حیثیت ملے۔"

"واؤ! ڈارلنگ آئیڈیا تو اچھا ہے۔"

آریان نے ملائکہ کو سراہا تھا۔ ملائکہ عام سے لوگوں کی طرح نہیں رہنا چاہتی تھی۔ اس کی سوچ دوسرے لوگوں سے منفرد تھی۔ وہ اپنی ازدواجی زندگی کے ہر لمحے ہر پل ہر دن ہر رات سے ڈھیر ساری خوشیاں اور یادیں کشید کرنا چاہتی تھی اور ہر پل اور لمحے کو نئے نئے طریقے سے کے بھرپور گزارنے کا سوچتی تھی جس میں اس کا شریک حیات بھرپور ساتھ دیتا۔ دونوں اپنی نئی ازدواجی زندگی کے حسین ترین دن پلان کر کے حسین ترین طرح سے گزار رہے تھے۔

☆......☆

سورج غروب ہونے سے قبل آریان ملائکہ کو سی ویو لے کر آ گیا تھا۔

"آریان! کل ہم سال کا نیا دن نیا سورج دیکھیں گے پھر اگلے برس یہاں آ کر ہم اس دن کو شدت سے محسوس کریں گے۔ ایک سال میں ہماری زندگی یکسر بدل جائے گی۔ سہانے دن سہانی راتیں مصروف دن مصروف راتوں میں بدل جائیں گے۔"

ملائکہ آریان کے سینے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ دھیمے دھیمے کہہ رہی تھی۔

"ملائکہ آئی پراؤڈ آف یو، تم زندگی کو محسوس کرتی ہو جیتی ہو، تمہیں زندگی جینے کا ڈھنگ آتا ہے، میں زندگی کو گزارتا تھا لیکن تم نے مجھے جینا سکھا دیا پہلے میرے نزدیک کسی دن کسی پل کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ میں سب دن سب پلوں کو ایک سا سمجھتا اور گزارتا تھا لیکن تم نے مجھے بتایا کہ زندگی میں شامل ہونے والا ایک ایک پل ایک ایک لمحہ نیا اچھوتا پریم بھرا ہے۔ زندگی بہت مختصر ہے ہمیں بیچ میں اس سے اتنی خوشیاں کشید کرنی چاہئیں کہ ہمیں زندگی سے پیار ہو۔ زندگی میں پیار محبت ایک دوسرے کا احساس و خیال ہے تو یہی ہے اصل زندگی اور محبت۔"

☆......☆

افسانہ

سال کی آخری شام



''دادا جی!'' گھر کی تمام خواتین کو مصروف دیکھ کر عاشر دادا کے گھٹنے سے آلگا۔

''کی تکلیف اے؟'' دادا کو اس کی آواز سے ہی شائد اس کا مدعا سمجھ آگیا تھا۔

''دادا جی! پھر کب جائیں گے آپ صبغہ کے گھر؟''

اس کی نحیف سی آواز مرچیں کوٹتی اس کی ماں کے کانوں تک پہنچ گئی، وہ جھٹ مرچیں چھوڑ کر قریب آگئی۔

''کی ہو یا ابا جی!'' وہ دادا کے کان میں ہی گھس گئیں۔

''پرے ہو کے گل (بات) کرنی۔'' دادا ایک دم بدمزہ ہوئے۔ عاشر انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

''میں نے تجھے کہا تھا کہ اپنے چھوکرے کو سمجھا، میں نہیں جاؤں گا اس لفنگی کے گھر رشتہ لے کر۔''

عاشر تڑپ گیا۔ ''دادا جی وہ لفنگی نہیں ہے۔''

دادا اس سے بھی اونچا چلائے۔ ''تو پھر کیا ہے وہ جس نے تجھے اپنے پیچھے لگایا ہوا ہے اس نے۔''

دادا کی آواز سن کر دھیرے دھیرے تمام خواتین جمع ہو گئیں۔ احمد نے آگے بڑھ کے عاشر کو حوصلہ دلایا۔

''اپنے گھر میں کڑیاں مر گئیں کیا؟'' دادا پھر بولے۔

''کوئی نہیں میں نے نہیں کرنی اس جن سے شادی، آئے آئے۔'' میں اور ماریہ اس پر چڑ دوڑیں، عاشر ہمیں تشکر سے دیکھ کر رہ گیا۔

ہمیشہ ایسے ہی ہوتا تھا عاشر جب یہ بات کرنی شروع کرتا، دادا جی پہلی دیوار کھڑی کر دیتے۔

''غیر برادری میں ویاہ کرانے کا سوچنا بھی مت، ہم لوگ چوہدری اور وہ لوگ ......!'' عاشر دلیلیں دے دے کر اس دیوار میں سوراخ کرتا تو اگلی دیوار کھڑی ہو جاتی۔

''توبہ توبہ، اب تو غیر مسلک کی کڑی لائے گا، شرم کر بے غیرتا، ہم لوگ اہلحدیث اور وہ لوگ بریلوی۔'' عاشر یہ دیوار توڑ ہی نہ پاتا۔ دادا جی کی حمایت کو ماریہ کی امی بھی آجاتیں۔

''ہور کی ابا جی (اور کیا ابا جی) اس گھر میں بس اک بریلون کی کمی رہ گئی ہے جو چمچے پر (بھر بھر) کے ختم والے حلوے کھائے، توبہ توبہ۔''

دادی کے الگ بین شروع ہو جاتے۔ ''میں کہاوی تھا کہ منڈے نوں سنگل پا دیو پر میری سندا (سنتا) کون ہے۔''

عاشر جھلا اٹھا۔ ''او دادی جی! میں کیا بیل ہوں جیسے سنگل ڈالنا ہے، حد ہوتی ہے۔''

ثمینہ چچی کو اپنا میکہ یاد آجاتا۔ ''میرے ماموں کی سالی کا بھائی بھی ایسے ہی بریلون لے آیا تھا، پورے خاندان کو ختم، والے حلوے ٹھنسواتی ہے اب۔''

ان کی آواز سن کر ہی دادی کو قہر چڑھ جاتا۔

''اے تو دفع ہو یہاں سے، کچی خاندان کی اولاد۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔'' عاشر تنگ کر اٹھ جاتا اور دادا جی جیت کا جشن مناتے۔

''ویسے عاشر! اگر تیری صبغہ سے شادی ہو گئی تو ایک کام تو ہو جائے گا۔'' ہم سب بڑے تایا کے کمرے میں محفل لگائے بیٹھے تھے۔

''تجھے گالیاں نکالنے میں کمال ہو جائے گا۔'' احمر ہنسا تھا۔ ''بکواس نہ کرو۔'' عاشر کو غصہ آیا۔

''پچی، ان لوگوں کی یہ ہی تو خاصیت ہے جب تک ماں، بہن کا نام نہ لے لیں ان کی بات پوری نہیں ہوتی۔'' عاشر کو تاؤ آگیا۔

''اچھا، تو تم لوگ بڑے اچھے ہو، بزدل کہیں کے۔'' زین اور احمر نے عاشر کو دبوچ لیا۔

''بالکل، بزدل ہی تو ہے تو ورنہ اب تک کچھ نہ

کچھ بن چکا ہوتا۔'' عاشر کی بہن (ثمرہ) نے اسے لتاڑہ۔

''کیا کروں میں، سر پھاڑ دوں دادا جی کا؟'' وہ بولا۔

''دھمکی لگا کے دیکھ۔'' زین نے مشورہ دیا۔

''ہاں، اوئے عاشر تو کہہ دے کہ زہر کھا لے گا۔'' احمر حد سے زیادہ جذباتی ہو گیا۔

''نہیں بھئی کچھ ایسا ہو جو سچ بھی لگے۔''

''تیسری منزل سے چھلانگ لگا دے عاشر۔'' میں تو ویسے بھی بہت عقلمند تھی۔

''ٹھنڈا ہو گیا نا تو قربانی تجھے ہی دینا پڑے گی کم عقل عورت۔'' وہ بولا۔

''عورت ہو گی تیری ماں، مردود۔'' میں نے اس کے دو لگائے۔

''دھمنی ٹھیک کہہ رہی ہے عاشر تو ایسے ظاہر کر کہ جیسے کود جائے گا پر کودے گا نہیں۔'' ہم سب نے مل کر عاشر کی ایسی برین واشنگ کر دی کہ وہ اگلی صبح چھت پر جا کے کھڑا بھی ہو گیا۔

''دادا جی! میں کود جاؤں گا۔'' ڈر خوف سے آواز 'خود' کانپ رہی تھی۔

''کود جا شاباش۔'' دادا بولے۔

''ہائے میرا بچہ، میرا لعل۔'' پھوپھو تو دادا پر راشن پانی لے کر چل دوڑیں۔

''میں جاؤں گی اپنے پتر کا رشتہ لے کر، نہیں کوئی جاتا نہ جائے۔'' بس پھر، عاشر کو تو صرف ایک گھنٹہ چھت سے لٹکانا پڑا بس۔ کیس تو سارا پھوپھو نے لڑا اور پھوپھو کی جب زبان چلتی ہے ناں تو آرے کو بھی مات دے جاتی ہے۔

☆......☆

آج ہمیں صبغہ کے گھر رشتہ لے کر جانا تھا۔ متوقع طوفان کے پیش نظر عاشر دادا ابا کی ہزار گھوریوں کے باوجود خود ساتھ جا رہا تھا۔

''مجھے پتہ ہے آپ لوگوں نے وہاں جا کے کیا تماشہ لگانا ہے۔'' واقعی اسے سب پتہ تھا، اسی تھالی کا بٹہ تھا وہ بھی، کوئی اور موقع ہوتا تو شاید دادا کسی کو بھی نہ لے کر جاتے مگر اب جو عاشر نے پوچھا کہ ''کون کون جائے گا'' تو جیسے اس کی عقل پہ ماتم کرتے ہوئے کہہ دیا۔

''کون کون کیا مطلب ......؟ سب جائیں گے۔'' عاشر باقاعدہ چکرا گیا۔

''دادا جی! کوئی بات ہے کرنے کی۔'' وہ منمنایا۔

''اوئے زیادہ بکواس کی ناں تو یہیں بیٹھ جاؤں گا، سمجھا۔'' عاشر نے ایک ایک کی منتیں کریں مگر بے سود۔

''بے غیر تو جب تمہارے اوپر یہ وقت آئے گا نا تو پھر دیکھنا۔''

دادا نے باقاعدہ اسے ایک لسٹ تھمائی جس میں وہ تمام کام درج تھے جو صبغہ کے گھر میں نہ ہو رہے ہوں۔ ہاہاہا قسم سے 25cm لمبی لسٹ تھی جو دادی اور ماریہ کی امی کے تعاون سے تیار ہوئی تھی۔

''مجھ سے کوئی بحث نہ کرے ان کے گھروں میں تصویریں نہ ہوں، دیے نہ ہوں۔'' عاشر رونے والا ہو گیا۔

''دادا جی وہ ان کا گھر ہے فٹ پاتھ نہیں۔'' دادا کا ایک ہی جواب۔ (بکواس نہ کراوئے) زرق برق لباس دیکھ کر وہ اور کھول گیا۔ احمر اور علی سوٹ پہن رہے تھے، زین موتیوں سے آراستہ جوڑا اور ماریہ تو باقاعدہ شرارہ نکال لائی، عاشر کا اور کسی پر تو زور چلا نہ، اس کی گردن دبوچ لی۔

''چڑیل کچھ اور پہن لے، ورنہ مار دوں گا۔'' اور ماریہ کی ایک ہی جائے پناہ تھی ''دادا جی''۔

''ایک بار صبغہ کو فون کر کے یہ ساری لسٹ سنا دے بہتر رہے گا۔'' عمیر وہ واحد بندہ تھا جو عاشر کے ساتھ تھا۔ شاید اسے اپنا وقت یاد تھا 22 لوگ۔ دادا جی رشتہ لے کر جا رہے ہیں، بارات نہیں۔'' دادا نے ہوا میں اڑا دی۔

دین میں بھر کے ہم لوگ صبغہ کے گھر پہنچے۔ سارا راستہ عاشر نے ایک ایک کی منتیں کیں، سب سے پہلا اعتراض ان کے گھر پر ہوا۔

''اتنا چھوٹا گھر۔'' ثمینہ چچی کی بات پر عاشر کھول گیا۔

''صرف چار افراد ہیں وہ، ہماری طرح پورا قبیلہ نہیں ہے۔'' اس موقع پر دادی عاشر کی ہمنوا تھیں۔

''میں نے تو کہا وی تھا کہ اس بڑھک ماری نوں نہ لے کے آؤ۔'' دو منٹ تو ان کے دروازے پر کھڑے لڑنے ہی میں گزر گئے۔

''او خدا کا واسطہ بس کرو۔'' عمیر نے کہتے ہوئے بیل بجائی۔ دروازہ صبغہ کے والد نے کھولا، ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے دادا نے ان کا ایک تنقیدی جائزہ لیا اور نظریں ٹخنوں سے نیچے آتے پائنچوں پہ ٹھہر گئیں۔

''ویکھ سنت دی خلاف ورزی۔'' انہوں نے باقاعدہ مڑ کر عاشر کو جتایا۔ صبغہ کے والد بھی شاید سوا سیر ہیں۔

''او جی آپ ذرا ایک نظر اپنی فوج پر تو ڈالیں۔ آدھے سے زیادہ فرنگی کھاتے، پینٹیں دیکھیں کہاں جا رہی ہیں۔''

توبہ، اتنی جرأت، دادا تو وہیں سے واپس مڑنے لگے۔ عاشر اور عمیر ہاتھ جوڑ جوڑ کر اندر لے کر گئے۔ سارے گھر کا ایکسرے ہوا، چائے آئی تو دادا ایک بار پھر زبان نہ روک سکے۔

''او جی اس کے اوپر کچھ پڑھا تو نہیں ہے، کوئی ختم وتم۔'' عاشر نے کپ کوئی سو دفعہ اٹھایا اور بغیر پیے نیچے رکھ دیا۔

''ہاں جی پڑھا تو ہے بسم اللہ پڑھی تھی۔ وہ تو پڑھتے ہیں ناں آپ بھی۔'' تاک تاک کے سنانے لگے۔ صبغہ آئی تو سو نقص اس میں نکلے۔

''اوئے ہوئے، اس پہ مر گیا تو، یہ۔'' عاشر شرمندہ ہو ہو کر آدھا بھی نہ رہا (لڑکی اچھی بھلی تھی) کھانے تک عاشر نے کوئی بحث نہ چھڑنے دی۔ مگر کھانے والے کمرے میں سائیڈ ٹیبل پر دادا نے ایک تصویر ڈھونڈ ہی لی۔

''فرشتے نہیں آتے اس گھر میں جہاں تصویریں ہوں، وہ بھی انسانوں کی۔''

صبغہ کے والد کی بھی شائد بس ہو گئی تھی۔ ''پیر مرشد ہیں یہ ہمارے۔''

وہ بولے۔ ''دیکھ لے عاشر! یہ پیروں فقیروں کے خاندان میں رشتہ جوڑے گا اب تو۔''

عاشر گھبرا گیا۔ ''دادا جی میری بات سنیں۔'' مگر دادا نے اب اس کی کہاں سننی تھی۔

''لو جی تم جیسے بے فقیروں سے تو ہم فقیر بھلے۔ سنت پہ چلتے ہیں ہم، سنی ہیں سنی۔''

دادا بھڑک گئے۔ عاشر روکتا رہ گیا۔

صبغہ الگ ہاتھ رکھ رکھ کر اپنے باپ کو چپ کرواتی رہ گئی مگر...... وہاں سنی، وہابی کی ایسی بحث چھڑی کہ برادری تو کہیں اندر ہی بہہ گئی۔ الامان الحفیظ۔ ادھر سے ہم دادا کو گھسیٹتے اور ادھر سے صبغہ اور اس کا بھائی اپنے باپ کو۔ توبہ توبہ اچھا خاصا لڑ جھگڑ کر دادا باہر آ گئے۔ عاشر تقریباً رونے والا ہو گیا۔

''انکل جی بات تو سنیں، کیا ہو گیا۔'' صبغہ کی آواز سن کر دادا ایکدم رکے۔ ''میری گل سن کڑیے! تو پڑھی لکھی ہے، اچھے برے کی تمیز ہے تجھے، پھر یہاں آ کر میری عقل کہاں چلی گئی، کبھی سوچا ہے تو نے کہ یہ ویاہ کر کے تجھے کیا ملے گا۔ ایک خاندان ساری عمر ایک لڑکی کو عزت نہیں دے

پائے گا۔ پوری زندگی بھی تو خدمت کرے تو ماریہ اور ثمینہ جیسی شفقت نہیں کما پائے گی، مزاروں پر جانا بند، پیروں کی بیعت بند، قبروں پر جانا بند دو عقیدوں کے درمیان پھنس جائے گی تو۔ ہمارے جیسا بننا چاہے گی تو گھر والے ناراض۔ کیسے بیٹھ کر کھایا کرے گی ختم کے چاول؟ کیسے منایا کرے گی اپنے پرداداؤں کی برسی، کہنا بہت آسان ہوتا ہے پتری کہ محبت کے سہارے سب خود ہو جائے گا پر نہیں ہوتا۔ سمجھ لے اس بات کو، یہ کم عقل تو سمجھتا نہیں ہے۔"

دادا جی شائد حرف بہ حرف صحیح کہہ رہے تھے۔

☆......☆

واپسی پر ہم میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ سب خاموش۔ عاشر سیدھا اپنے کمرے میں گھس گیا۔ اگلا پورا دن گزر گیا مگر عاشر کمرے سے نہ نکلا۔ کل نئے سال کا سورج طلوع ہونا تھا۔ عصر کا وقت دعا جب ماریہ اور زین چلاتے ہوئے پھوپھو کے پورشن میں آئے۔

"عاشر! صبغہ آئی ہے۔ عاشر......" عاشر تیر کی طرح اپنے حجرے سے باہر آیا۔ نہ جانے کیا ہونے والا تھا۔

وہ سیدھی دادا جی کی طرف گئی۔ "انکل جی! بہت سوچا ہے میں نے، آپ کی ساری باتیں درست ہیں مگر پتا ہے ان ساری باتوں کا میرے دل نے کیا جواب دیا۔ دل نے کہا کہ پھر کیا ہوا۔ بخاری شریف میں تو نہیں دیکھا کہ برادری سے باہر رشتے جوڑنا گناہ ہے۔ دل نے کہا کہ عزت کا معیار برادری نہیں، انسان کا کردار ہوتا ہے۔ آپ بے شک نہ مانیں مگر میں مانتی ہوں انکل جی کہ میری خدمت مجھے اس گھر میں عزت ضرور دلائے گی کیا ہوگا جو ختم والے چاول میں اکیلے کھاؤں گی۔ میری قبر میں، میں ہی سوؤں گی آپ نہیں۔ تو پھر فکر بھی مجھے ہی ہونی چاہیے ناں۔ شادی کے بعد میری پہلی اطاعت اپنے شوہر کی ہوگی اور بس۔ خدا نہ کرے مشرک تو نہیں ہوں میں، کلمہ پڑھتی ہوں نماز پڑھتی ہوں۔ یہ سب مجھ سے میرے دل نے کہا ہے انکل جی وہ دل جس میں خدا رہتا ہے اور خدا کو تو آپ بھی مانتے ہیں ناں خدا تو آپ کے دل میں بھی رہتا ہے ناں، میرا زور اپنے ماں باپ پر چل سکتا ہے جو میں نے چلا لیا۔ اب اگر آپ مجھے ٹھیک سمجھیں تو کل ہم آجائیں گے ورنہ......" وہ ذرا دیر کو رکی۔ "ورنہ یاد رکھیے گا کہ برادری اور مسلک کا یہ فرق آپ مجھے کسی کتاب میں نہیں دکھا سکیں گے۔" آج صفیہ، دادا کو خاموش چھوڑ گئی تھی۔

☆......☆

"ہوں...... کیا لگتا ہے آپ کو کہ کیا ہوا ہوگا۔ ہاں جی بالکل ایسی تقریر سن کر تو سُنی وہابی مولوی خاموش رہ جائیں تو یہ تو پھر ہمارے دادا جی تھے۔ اس کے جانے کے بعد بولے۔ "اس کے آنے کے بعد عمیر کی قیمت کم ہو جائے گی اس سے زیادہ اچھی تقریر کرتی ہے یہ۔"

رات ہی صبغہ کے گھر فون کر دیا نئے سال کا پہلا دن عاشر کے لیے خوشیاں ہی لے کر آیا۔ کاش یہ بات تمام لوگ سمجھ لیں کہ ہر ایک نے اپنی قبر میں سونا ہے اور اس قبر میں جانے کے لیے نامہ اعمال تیار کرنا بھی ہر فرد کا اپنا ذاتی کام ہے۔ کوئی دوسرا اس کے لیے یہ سب نہیں کرے گا۔ دوسروں کا بس ایک کام ہے راستہ دکھانا اور بس!!

......☆......



سحر مبین

افسانہ



سرما کی دھیمی دھوپ نے ہر شے کو نکھارا ہوا تھا، صحن میں لگا پیڑ، چہچہاتی چڑیاں، مالٹوں کی ٹوکری اور دسمبر کی اداسی...... سارا منظر واضح تھا۔ ہر کوئی مصروف تھا

رومہ کو آج کھلی فراغت نصیب ہوئی۔ وہ اپنی جلد کے معاملے میں کافی حساس تھی۔ اب بھی چہرے پر ماسک لگائے، آنکھوں پر کھیرے کے قتلے رکھے،



بالوں کو سفید تولیے میں لپیٹے، جسم کو بالکل ڈھیلا چھوڑے کرسی پر بیٹھی دسمبر کی دھوپ سینک رہی تھی۔

''زین! سمسٹر کیسا رہا؟'' صحن میں آتی رابی کی آواز ابھری۔ زین بھی ابھی گھر میں نمودار ہو رہا تھا۔

''جینے لگا ہوں پہلے سے زیادہ، پہلے سے زیادہ کھانا کھانے لگا ہوں۔'' لہک کر گاتے ہوئے وہ رکا اور رومہ کو مخاطب کیا۔

''او...... او کیا تھا اس کا میوزک رومہ تم بجاؤ وہ......''

سدا کا گانوں کو بگاڑنے والا زین عادتاً کہہ رہا تھا۔ رومہ کے ماتھے پر شکن ابھری، آنکھوں کے سامنے پردہ تھا مگر کان تو کھلے تھے۔

''زین! تمہاری جرأت کیسے ہوئی میرے فیورٹ سنگر کے گانے کو بگاڑنے کی۔'' اعصاب تن چکے تھے اور سانس تیزی سے آ رہی تھی زین تیری خیر نہیں۔

''دیکھو ہو گئی۔'' وہ اسے چڑانے لگا۔

''میں تمہیں کہہ رہی ہوں مجھے غصہ نہ دلاؤ، ماسک لگا کر خود کو ریلیکس رکھتے ہیں ورنہ چہرے پر جھریاں پڑ جاتی ہیں۔ تبھی میں تمہارے ساتھ سکون سے بات کر رہی ہوں ورنہ......''

واہ رے معصومیت۔



"ورنہ تم مجھے قتل کر دیتیں ہاؤ فنی۔" زین دل کھول کر ہنسا۔

"دیکھا میں کہتی تھی نا کہ تم میرے دشمن ہو، تبھی غصہ دلا رہے ہو کہ میرے چہرے کو جھریاں ڈھانپ لیں۔" آواز میں نمی سمائی تھی۔ زین کو اپنی بہن سے وقتی ہمدردی ہوئی، رابی میگزین میں مصروف ہو چکی تھی۔

"جھریاں تو نہیں مگر ماسک ضرور تمہارا چہرہ ڈھانپتا ہے۔" رابی کی زبان میں گدگدی ہوئی۔

"خبردار! میری بہن کو کچھ کہا۔" زین اچانک رومہ کا حمایتی بن گیا۔ اور پھر رابی اور زین کے درمیان جنگ عظیم سوئم شروع ہوگئی۔ کچھ دیر برداشت کر لینے کے بعد، رومہ نے ناگواری سے گھبرا کر آنکھوں پر سے کھیرے کے قتلے اتارے۔ اس کے ہوش گم ہوگئے۔ زین کی آنکھیں بند تھیں اور کچھ فاصلے پر بیٹھی رابی کی آنکھیں بھی بند تھیں، مگر ان کا باقی جسم ساکت ہرگز نہیں تھا۔ وہ ایک دوسرے کو مسلسل چڑا رہے تھے، مگر زین نے آنکھیں بند کیں کہ کہیں وہ رابی کو دیکھ نہ لے اور رابی کا بھی یہی حال تھا۔

"بدتمیز، جاہل۔" رومہ بڑبڑائی۔

"تم لوگوں نے شرم کو بھی محسوس کیا ہے، اتنے بڑے ہوگئے ہو مگر عقل نام کو نہیں۔" رومہ نے ناگواری سے کہا۔ وہ ایسی حرکتوں سے سدا کی الرجک تھی۔

"تم ادھار دے دو۔" رابی کہہ کر ٹھہری نہیں۔ زین بھی چلتا بنا۔ وہ کھڑی کھولتی رہی۔

"بے شرم، ڈھیٹ، سبھی بدتمیز...... صرف رومہ تمیزدار۔"

☆......☆

سردیوں کی وہ لمبی چھٹیاں شروع ہونا چاہتی تھیں جن کا سال بھر بے تابی سے انتظار کیا جاتا ہے، بچے، بالے بھی خوش تھے۔ امی نے آج ہی کھانے کی میز پر خوش خبری سنائی تھی۔

"تمہارے ابو کی بوا کا فون آیا تھا آج، انھوں نے تمہارے ابو کو رضامند کر لیا ہے کہ تم لوگ دسمبر کی چھٹیاں ان کے ہمراہ گزارو گے یعنی تمہارے ابو کہہ رہے تھے کہ وہ بھائی جان سے بات کریں گے کہ رابی اور سعد وغیرہ کو بھی تیار کر دیں۔" امی کی بات پر ان کی باچھیں کھلیں تو آنکھوں نے بھی پھٹ پڑنے کو ضد باندھ لی۔

"امی! صدقہ جاؤں آپ کے۔" زین نے تو ان کے گلے میں باہیں ڈال لیں، تاہم رومہ کو حیرت دور کرنے میں وقت لگا۔

"اور کون جائے گا امی؟" سوال رومہ کی طرف سے تھا۔

"تم سب بچے ہی جاؤ گے، پا میں اور تمہاری تائی امی میں سے تم لوگوں کے ساتھ کوئی چلا جائے گا۔"

"ہوں...... بہت خوب۔" زین پر جوش ہوا۔

"مگر امی یہ زین، سعد اور رابی بہت بدتمیزی کرتے ہیں، ہر کسی کے سامنے اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے انسلٹ کراتے رہتے ہیں، ان لوگوں کے ذرا کان کھینچ کر بھیجئے گا۔" رومہ نے دل کی بات کب بھی دل میں رکھی تھی۔

"تو تم بھی اوٹ پٹانگ حرکتوں کو انجام دیا کرو، پھر کہاں کی انسلٹ۔" سعد نے حاضری دی۔ اپنے مخصوص انداز کے ساتھ رومہ بھی ان تینوں کی ہی ہم عمر تھی تاہم خود کو ذرا تمیزدار اور ان سب کو بہت بدتمیز سمجھتی تھی، بات سچ بھی تھی مگر۔

"تم تو اپنی زبان بند ہی رکھو بجائے۔"

"بجائے شرم سے پانی پانی ہونے کے، بے شرمی اور ڈھٹائی سے برف ہوگئے ہیں۔" سعد نے اس کی بات اچکی۔

"یہی کہنے لگی تھی نا غالباً مس رومہ۔" زین نے اشارے سے سعد کو داد دی۔ رومہ "اوں" کہہ کر منہ پھیر گئی۔

"چچی جان! بڑی جاندار خبر سنائی ہے ذرا جاندار

سا کھانا بھی کھلا دیں۔" سعد، زین کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔

رابی سر تک چادر تانے دھوپ میں چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی اور رومہ سعد اور زین قریب بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"تمہاری امی تو کافی فیلنگلیس واقع ہوئی ہیں۔ بے چاری رابی کب سے "دھوپ ہڑتال" کیے ہوئے ہے مگر نو رسپونس۔" زین گویا ہوا۔

"یہ آئیڈیا تمہارا ہی تھا اور کتنا بونگا ہے۔ بھلا اس قدر سردیوں میں دھوپ ہڑتال کرنے سے امی کو کیا فرق پڑنے والا ہے، تمہیں کوئی ایسا آئیڈیا دینا چاہیے تھا کہ مثلاً دھوپ میں پڑے رہنے کے بجائے اسے سی روم میں لیٹتی تو امی کو اس کی فکر ہوتی۔" زین کافی سمجھداری سے بولا۔ رابی تڑپ کر اٹھی۔

"تم سب دماغ کے بغیر ہی ہو، کیسے بے مروت کہ مجھے Ac میں لٹا رہے ہو، کوئی ڈھنگ کا آئیڈیا تو نہیں۔"

"سوچتے ہیں۔" رومہ بولی۔

"امی جان مجھے تم لوگوں کے ساتھ بوا کے ہاں بھیجنا نہیں چاہتیں، بقول ان کے مجھ میں تمیز نہیں اور اگر میں نے تم لوگوں سے امی کو اموشنل کرنے کا آئیڈیا مانگ ہی لیا، تو کیسے بونگے آئیڈیاز دے رہے ہو، دھوپ میں لیٹ جاؤ، AC میں لیٹ جاؤ۔ اب تو دھوپ میں لیٹ لیٹ کر میں پریس ہی ہو چکی ہوں۔" رابی دانت پیس کر بولی۔

"چھوڑو ہم خود تائی امی کو منا لیتے ہیں۔ ان پر ایسی ترکیبوں کا اثر نہیں ہونے والا۔" رومہ نے بات ہی ختم کر دی۔

"میں نے دیکھا انھیں منا کے ہر اک ترکیب لگا کے، ہر نسخے کو آزما کے پر وہ نہیں مانیں...... بونگ اور......"

"شٹ اپ۔" رومہ نے ناگواری سے زین کی ہانک کو توڑا۔ اور پھر اگلی ہی صبح سب بوا کے گھر کی چھت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بوا خاندان بھر میں کافی کنجوس واقع تھیں، مگر وہ بھی شرم سے پانی ہونے کے بجائے ڈھٹائی سے برف ہونے والے تھے، بوا کیا چیز تھیں۔

گھر سے بڑا کوئی ان کے ساتھ نہیں تھا۔ تاہم نصیحتوں کی ٹوکریاں اور مس نصیحت (رومہ) ان کے ہمراہ ہی تھی۔ بوا کا گھر یہی تھا۔

"اب منہ کیوں لٹکائے کھڑے ہو، دروازہ بجاؤ۔" رومہ کو اچانک سے اخلاقیات کا دورہ پڑا تھا۔

"تمہارے ہاتھ ٹوٹے ہیں۔" سعد اس سے متاثر ہونے والا نہیں تھا۔ رومہ نے ایک خطرناک گھوری سے اسے نوازہ اور دستک دی۔ تقریباً ان ہی کی ہم عمر لڑکی نے دروازہ کھولا تھا۔ اور فرداً فرداً سب سے ملنے کے بعد ابھی تک دروازے ہی میں کھڑی تھی۔

"آپ کے ہاں ملنے ملانے کے علاوہ بھی کوئی رسم ہوتی ہے؟" زین نے رازداری سے پوچھا۔ ناسمجھ نگاہیں اس کی جانب اٹھیں، رابی اور سعد کی ہنسی چھوٹ گئی۔ الجھن بڑھنے لگی اور رومہ کی گھوریاں بھی۔

"ہم یہاں سے ہی لوٹ جائیں؟" رابی نے پوچھا۔ لڑکی شاید حد سے زیادہ احمق تھی یا ہونق بن رہی تھی۔

"آپ کے ہاں مہمان کو دروازے سے ہی ٹرخا دیا جاتا ہے۔" سعد ہنسی دباتے ہوئے بولا۔ الجھن سلجھی، چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار نمودار ہوئے اور پھر ہنسی چھوٹی۔

"اوہ...... اچھا اچھا آئیے۔" راستہ دے دیا گیا۔

"مہربانی جی۔" زین نے لقمہ دیا۔ بوا صحن ہی میں پلنگ پر لیٹیں دھوپ سینک رہی تھیں۔

"میرا نام نازی ہے اور یہ رہی بوا۔" نازی کو گویا یاد آ ہی گیا۔

ملنے ملانے کا سلسلہ تمام ہوا تو بوا کو خاطر، مدارت

کا خیال آگیا۔

"چا نازی! مہمانوں کے لیے کچھ چائے پانی لا۔" حکم کی تعمیل ہوئی۔ رومہ ان تینوں کی کھسر پھسر پر جز بز ہو رہی تھی۔

"بدتمیزوں! یہاں ہی سدھر جاؤ، شرم نہیں آتی پہلی دفعہ آئے ہو کیا سمجھیں گی بوا بھی۔" رومہ آہستگی سے بولی۔

"مہربانی ہوگی اگر اپنا لیکچر خود تک ہی محدود رکھو۔ اگر یہاں بھی استانی بننے کی کوشش کی تو قریبی نہر میں دھکا دے جاؤں گا جاتے ہوئے۔" زین کوفت سے بولا۔ احساس تحقیر سے رومہ غصے سے بے قابو ہونے لگی مگر ضبط رکھا۔

"تم لوگوں کو تو بچو! خوب سبق دلاؤں گی۔ یاد رکھو گے رومہ کو بھی۔" وہ دانت پیستے ہوئے سوچنے لگی۔

چائے پیش کی جا رہی تھی۔ ان سب کو زوروں کی بھوک لگی تھی۔ مگر یہ کیا پتلی سی چائے اور ایک پلیٹ میں بسکٹ۔ سب کو حیرت ہوئی۔ کسی نے بھی ابھی چائے پینا شروع نہیں کی۔ وہ گلاب جامن، رسملائی، سلائس، نمکو، کھوئے والی برفی، چکن پکوڑے، سموسے اور کبابوں کے بھی منتظر تھے۔ چائے ٹھنڈی ہوتی رہی مگر کچھ اور نہ آیا۔ آخر بوا کو کہنا پڑا۔

"اے ہے بچو! پی کیوں نہیں رہے چائے، ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" حکم تھا اور کچھ مروت، گھونٹ گھونٹ، کڑوا شربت حلق سے اتارا گیا۔

ابھی حیران ہونے کو اور بھی بہت کچھ تھا۔

☆......☆

نازی ان سب کی حیرانگی بھانپ کر خوب ہنسی تھی، وہ جانتے تو تھے کے بوا کنجوس ہیں مگر اس قدر، پہلی دفعہ آئے مہمان کی توہین۔

"بوا سے اگر خاطر مدارت کی توقع لگائے بیٹھے ہو تو غلط سوچ رہے ہو۔" نازی کافی منہ پھٹ تھی۔ سب نے بیک وقت اسے گھورا۔

"جی نہیں ہم یہاں صرف بوا سے ملنے آئے ہیں، ہم نے بھی کچھ کھایا نہیں جو تم ایسے کہہ رہی ہو۔" رومہ رسانیت سے گویا ہوئی، اس سے پہلے باقیوں میں سے کوئی حساب برابر کرتا۔

بوا تھیں تو بوڑھی مگر بوڑھی تھیں نہیں۔ جانے ان میں ایسی پھرتی کہاں سے عود آئی تھی کے بھاگم بھاگ سب کام نبٹاتیں۔

"یار! یہ بوا تو ہمیں بھوکا مار دیں گی، صبح کا ناشتہ......وہ بھی برائے نام اور پھر مروتاً بھی کچھ کھانے کا نہیں کہتیں اور پھر شام کا کھانا۔"

زین باقاعدہ رونے والا ہو رہا تھا۔

"ہمیں بھی ساری مروت ایک طرف رکھ کر اپنے اصلی رنگ میں آجانا چاہیے۔" رابی نے اس کی تائید کی۔ انداز تمسخر اڑانے والا تھا۔

"خبردار! کچھ اوٹ پٹانگ حرکتیں کیں، ورنہ ابو کو شکایت لگاؤں گی۔" رومہ انھیں لتاڑنے کے لیے جانے کہاں سے آن ٹپکی۔

"یار! تم تو اپنی رائے محفوظ ہی رکھا کرو۔" سعد چڑ گیا، رومہ دانت پیس کر رہ گئی، اسی دوپہر ہی پھر بھوک سے بے جان ہوتے ہوئے انھوں نے ڈھٹائی کا ثبوت دے دیا۔

"بوا! آپ کے ہاں دوپہر کو کھانا نہیں بنتا؟" رابی کچن میں جھانک کر بولی۔

"نہیں بچے! ہمیں تو عادت نہیں، کہو تو تمہیں کچھ بنا دوں؟" بظاہر وہ جوش سے بولیں مگر رابی جانتی تھی کے وہ تو بس مروتاً صلح مار رہی ہیں۔

"ہاں، ہاں کیوں نہیں، بریانی بنا لیتے ہیں۔" وہ امید کی ڈوری کو تھام کر بولی جو بوا جانے انجانے میں اس کی جانب بڑھا چکی تھیں۔ "آپ کے ہاتھ کی بریانی کی تو ابو ابھی تک گھر میں مثال دیتے رہتے ہیں۔" زین نے لقمہ دیا۔

"مجھے تو نہیں یاد پڑتا کے کبھی میں نے بریانی بنائی

ہو اور وہ بھی تمہارے ابو نے کھائی ہو۔" بوا ان کے دام میں آنے والی نہیں تھیں۔

"چلیں ہم دیا کریں گے اپنے بچوں کو آپ کی مثالیں۔" سعد لاپرواہی سے کہتا ہوا چھت کی طرف جانے والی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

☆......☆

سعد موبائل پر کوئی موی دیکھ رہا تھا، بریانی دم پر تھی۔ رابی کچن میں کھانے کی تیاری کروا رہی تھی۔ رومہ بھی چھت پر چلی آئی۔

"اتنی بونگی موی دیکھ رہے ہو، بندہ کوئی ڈیسنٹ سی اسٹوری والی موی دیکھے۔" رومہ نے اسکرین پر نگاہ دوڑاتے ہی ناک چڑھائی۔

"دسمبر کے بعد ہماری منگنی ہونے والی ہے، اور بہار کی آمد کے ساتھ ہی خزاؤں مطلب شادی کی نوید بھی سنادی جائے گی، تب مس رومہ، تمہیں اتنی بونگی مووی دکھاؤں گا کے تم ڈیسنٹ، نائس، اسٹوپڈ اور بونگی جیسے ورڈز کو اپنی ڈکشنری سے ریموو کر دو گی۔" سعد طنز سے بولا۔ رومہ بھڑک اٹھی۔

"شکل دیکھی ہے اپنی میں تم جیسے کسی غیر مہذب سے شادی ہرگز نہیں کروں گی، نان سینس، تم سے تو میری جوتی بھی شادی نہ کرے۔"

"اب ذرا اپنے لفظوں پر غور کرو، تم کتنی مہذب ہو؟" سعد کا وہی سپاٹ لہجہ۔

"اسٹوپڈ کہیں کے تم تو میرے منہ ہی نہ لگو۔" وہ چلا اٹھی۔

"سیم ٹو یو۔" آرام و اطمینان سے جواب آیا۔ رومہ جل بھن گئی، وہ جو بریانی کا بلاوا دینے آئی تھی، پیر پٹختی ہوئی نیچے چلی گئی۔

نیچے سب کھانے کے منتظر بیٹھے تھے۔

"غالباً ہم نے بریانی کا کہا تھا۔" زین نے آلو والے چاول دیکھ کر منہ بنایا۔

"بوا کولڈ ڈرنک بھی لیتے آیئے۔" سعد نے ہانک لگائی۔ بوا بڑبڑانے لگیں۔ ابھی وہ انکار کرنے والی تھیں کے نازی بولی۔

"بوا! فریج میں پڑی ہے، آج منگوائی تھی میں نے۔" وہ ہنسی دبا کر بولی۔ بوا دانت پیستے ہوئے چلی گئیں۔

"بوا! میری پلیٹ میں ہڈی والے آلو (بوٹیاں) ڈالیے۔" رابی مسکرائی۔ رومہ نے اسے گھور کر دیکھا، وہ کب سے ان کی بدتمیزی برداشت کر رہی تھی، مگر سعد سے تازہ لڑائی ہوئی تھی سو بول نہیں رہی تھی۔ کولڈ ڈرنکس آگئیں۔ بوا نے ایک لیٹر کوک کو سات گلاسوں میں ڈالا تھا۔ اتنی سردی میں اتنی برف......

کوک اپنا اصلی رنگ کھو کر شیشے کے گلاسوں میں سے سنہری نظر آرہی تھی۔

زین نے "چچ چچ" کہہ کر افسوس سے گلاس کو دیکھا اور پھر بوا کو دیکھا۔ مگر ان کی ڈھٹائی عروج پر تھی۔

"بوا! رات کو کھانے میں کیا بنانا ہے؟" نازی بولی۔

"رات تو دور کی بات پہلے شام کی چائے کے بارے میں سوچا جائے۔ کیوں نا بوا ہلکا پھلکا اہتمام کر لیں۔" رابی مسکرائی۔ بوا کی پھنسی پھنسی آواز "ہاں" میں نکلی۔

"شام میں چائے کے ساتھ ساتھ گاجر کا حلوہ، دہی بھلے اور کباب بنا لیتے ہیں۔ فروٹ کسٹرڈ رات کے کھانے میں ہو جائے گا، اور پھر سب مل کر بوا کی طرف سے آئس کریم کھانے جائیں گے۔" زین جوش سے بولا۔ تاہم بوا کو چڑانے والی مسکراہٹ ہونٹوں پر کھیل رہی تھی بوا جو اتنی لمبی لسٹ پر ہونق سی دیکھ رہی تھیں آخری فرمان پر تو اچھل گئیں۔

"اے، ہے لڑکے! میری طرف سے آئس کریم کیوں؟ میرا کوئی پرائز بانڈ نکلا ہے۔" حیرت سی حیرت۔ بے مروتی حد سے سوا۔

"بوا! ہم آخری بار آپ کے ساتھ آئس کریم کھانا

چاہتے ہیں تو مضائقہ کیا ہے۔" سعد نرمی سے بولا۔ بوا منہ لٹکائے بیٹھی رہیں رومہ بھناتی رہی۔

☆......☆

"بدتمیز لڑکی میرے بھائی پر لائن مارتی ہے۔" صحن میں زین، رابی اور نازی کو دیکھ کر برآمدے میں کھڑی رومہ بڑبڑائی۔

"پینسل سے یا پین سے؟" قریب سے سعد کی آواز ابھری۔ رومہ کی تیوری چڑھ گئی، جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔ رابی مرغی کے انڈے ٹوکری میں لیے برآمدے کی طرف آرہی تھی۔ زین کو شرارت سوجھی، اس نے ایک مرغی کو رابی کی طرف اچھالا۔ مرغی، رابی کے سر پر لگی اور عمل کا ردعمل ہوا۔ بالکل اگر مخالف سمت میں، نیوٹن کا قانون امر ہوا۔ جواباً انڈوں کی ٹوکری زین کی طرف اڑی، چیخیں بلند ہوئیں دونوں کا برا حال تھا، انڈے ٹوٹ چکے تھے۔ زین کے جسم پر جابجا انڈے لگے ہوئے تھے اور رابی کے بال ایسے جیسے بم بلاسٹ ہوا ہو، دونوں بوکھلا گئے اور جواباً ایسی دھواں دار لڑائی ہوئی (صرف زبانی کلامی) کے بس۔ سعد نازی ہنس رہے تھے، ہنسی تو رومہ کو بھی آرہی تھی، مگر چھپائے رکھی اور پھر زین اور رابی بھی ہنسنے لگے اور دل کھول کر ہنسے بوا نے سر پیٹ لیا ان کا اتنا نقصان ہوگیا تھا، دسمبر کی آخری شامیں تھیں، وقت آگے بڑھ رہا تھا رومہ کا غصہ بھی بڑھ رہا تھا۔

"سدا کے بدتمیز ہو تم دونوں، شرم نہیں آتی، بوا کے سارے انڈے توڑ کر رکھ دیے۔" وہ روانی میں بولتی چلی گئی۔

"مائنڈ یور لینگوج مس رومہ! انڈے مرغیوں کے تھے۔" زین اسے چڑانے کو بوا کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے بولا۔ ان کا غصہ بھی تو دور کرنا ہی تھا۔ بوا نے اسے جھٹکے سے پرے کیا۔

"زیادہ پرے رہ کر بات کرو بچے۔" زین کے جسم سے انڈوں کی مہک آرہی تھی۔ سب نے بمشکل ہنسی دبائی۔

"خبردار! آئندہ گڑبڑ کی، میں ہرگز کوئی لحاظ نہیں کروں گی۔" بوا کی برداشت بس اتنی ہی تھی...... برداشت بھی بے وفائی کر چکی تھی۔ بوا کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔

"بوا! چھوڑیں انھیں میں گھر جا کر ابو کو ان سب کی شکایت لگاؤں گی۔" رومہ، بوا کی اچھی مہمان بن کر بولی۔ رابی نے کوفت سے اسے دیکھا۔

☆......☆

"زین! آج امی کا فون آیا تھا کہہ رہی تھیں کہ جنوری کے پہلے ہفتے انگیجمنٹ ہے۔ اپنے لیے ڈریس سلیکٹ کرلو، میں اتنی دیر سے چیک کر رہی ہوں مجھے تو کوئی پسند ہی نہیں آرہا پلیز ہیلپ می۔" رابی نے موبائل زین کی طرف بڑھایا تھا۔ وہ نیٹ سے ڈیزائن کیے ہوئے مختلف ڈریسز دیکھ رہی تھی۔

"غالباً رابی کی منگنی زین سے ہونے والی ہے۔" مالٹے کی پھانک منہ میں رکھتے ہوئے نازی بولی۔

"اور رومہ کی سعد سے۔" دوسری پھانک بھی منہ کے اندر سب چھت پر بیٹھے دھوپ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"اور واہ بھئی رابی۔ فیانسی صاحب کی پسند کا ڈریس بنوانے کا اچھا بہانہ بنایا۔" نازی کی زبان پھر سے پھسلی۔

"مجھے بہانہ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ منگنی تو بعد کی بات، زین میرا بڑا اچھا دوست ہے۔ میں اس سے مشورے کے بغیر اپنا اتنا اہم ڈریس کیسے بنوا سکتی ہوں۔" رابی کے جواب پر نازی کو افسوس ہوا۔ وہ تو مشرقی لڑکی کے چہرے کے ان رنگوں کو دیکھنے والی تھی جو منگنی شادی کے نام پر اس کے چہرے پر چھاتے ہیں مگر رابی کے معاملے میں ایسا کچھ نہیں تھا وہ کافی اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

"ٹھیک کہتی ہے رومہ۔ یہ شرم سے پانی نہیں، ڈھٹائی سے برف ہوتے ہیں۔" نازی بڑبڑائی۔

"رومہ! تم نے کس کی پسند کا ڈریس بنانا ہے؟" نازی کی زبان کو بریک بھی لگ ہی نہیں سکتا۔ No Response سعد موبائل پر مصروف رہا اور رومہ نے بھی سنی ان سنی کردی۔

"بہری ہوگئی ہو تم؟" نازی پھر سے بولی۔

"تم چپ نہیں رہ سکتیں؟" رومہ چڑ گئی۔

"لک اٹ، یہ مجھے اور زین دونوں کو پسند آیا ہے۔" رابی نے موبائل رومہ کی طرف اچھالا اس کی نظروں میں ستائش اتری۔

"بہت اچھا ہے۔" رومہ نے نازی کو موبائل پکڑایا۔ وہ کافی اشتیاق سے دیکھنے لگی۔

"رومہ! میری مانو تم بھی ایسا ہی بنوا لو۔" رابی نے کافی خلوص سے مشورہ دیا۔ رومہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے اس کے متعلق کچھ سوچا نہیں۔"

"تو سوچ لو، چند دن تو باقی ہیں۔" رابی جانتی تھی کہ وہ اس منگنی سے خوش نہیں ہے تب ہی ایسا سرد سا ردعمل کر رہی ہے۔ اس نے تفتیش سے سعد کی طرف دیکھا۔ وہ اس کا بھائی تھا اور وہ اپنی دانست میں اس کے احساسات خوب سمجھ رہی تھی مگر مایوسی ہوئی رومہ اگر لاپرواہ تھی تو پرواہ اس طرف بھی نہیں تھی وہ اس سارے قصے سے دور موبائل میں مگن تھا۔

"رومہ! ابھی دیکھ لو، امی پہلے ہی اتنا غصہ کر رہی تھیں کہ ذرا سا کام نہیں کر سکیں تم لوگ، نہیں تو میں سعد سے پوچھ لیتی ہوں۔" رابی پھر سے بولی۔

"مجھے دکھانے کی ضرورت نہیں۔ جس نے پہننا ہے اس سے پوچھو۔" سعد کہتا ہوا چلتا بنا۔ رابی دانت پیس کر رہ گئی۔

☆......☆

"اتنا اداس کیوں ہو رہی ہو؟ کتنی فضول سی بات کو لے کر اتنا ٹینس ہو رہی ہو۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ سعد کوئی سڑیل سا لڑکا نہیں اور ہم کون سا سدا کے بدتہذیب ہیں، بس کبھی کبھی ہنسی مذاق کو دل کرتا ہے۔ کوئی زیادہ فرق تو ہے نہیں سعد میں اور تم میں۔ ایک ہی گھر سے ہو، ایک ہی کالج سے پڑھے ہو، عمریں بھی ایک جیسی ہیں اور مزاج تم نے خود اپنے خراب کر رکھے ہیں۔" رابی، رومہ کے پاس بیٹھ گئی۔

"سڑیل تو خیر سے آج کل سعد بھی بہت ہو رہا ہے۔ کوئی لفٹ ہی نہیں۔ جانے سمجھتا کیا ہے خود کو نان سینس۔" رومہ محض سوچ سکی بولی بس اتنا ہی۔

"تمہارا بھائی ہے اس لیے ہی تمہیں پسند ہے، میں ہی بری ہوں۔"

"بات اگر بھائی کی ہو تو مجھے تو زین بھی پسند ہے اور بھائی وہ تمہارا ہے۔ تم اس کے بھی سر پر چڑھی رہتی ہو۔ بات صرف سوچ کی ہے اور تم سب کو غلط ہی سوچا کرو۔" رابی پہلے تو ہنسی مگر پھر سنجیدگی اوڑھ لی۔

"امی نے چچی کو کہہ دیا تھا۔ میں نے اپنے جیسا ہی تمہارا ڈریس آرڈر کیا ہے اور اتنی ٹینشن نہ لو، کئی دن سے تم نے فیشل بھی نہیں کیا۔ کوئی ماسک نہیں تم تو کبھی منہ سے ماسک اترنے ہی نہیں دیتی تھیں۔"

"آج کل اس لیے نہیں لگاتی کہ بڑی ٹینس ہوتی ہے، لہٰذا کہیں جھریاں ہی نہ چہرہ ڈھانپ لیں۔" سعد نے رابی کی بات اچکی رابی اٹھ کر چلی گئی اور وہ اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"سنو! منگنی سے انکار کب تک کرنے والی ہو؟" اس کے سوال سے رومہ کے چہرے پر حیرانگی چھائی مگر اس نے دھیان نہ دیا۔

"خیر مجھے تو کر ہی چکی ہو بڑوں کی بابت استفسار کر رہا ہوں۔" حیرانگی برقرار تھی۔ سعد ذرا سا مسکرایا۔ وہ بڑے اطمینان سے بول رہا تھا جیسے اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔

"زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ آج کل تمہارے چہرے کے تاثرات تو کچھ ایسا ہی عیاں۔

کر رہے ہیں۔" رومہ نے خفگی دکھائی اور رخ موڑ لیا۔

"میرا سر کھانے کی ضرورت نہیں۔ میری مرضی، میں جو جی میں آئے وہی کروں برائے مہربانی مجھے کچھ دیر کو اکیلا چھوڑ دو۔" بے رخی سے جواب آیا۔ کچھ دیر پہلے جو جیلسی کے جذبات پیدا ہوئے تھے۔ سعد کی آمد کے ساتھ ہی دم توڑ گئے۔ دل خواہ مخواہ خوش فہم ہونے لگا۔ سعد کندھے اچکاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ فرق اب بھی اسے نہیں پڑا تھا۔ کم از کم اس کے تاثرات سے تو یہی عیاں تھا۔

☆......☆

"کبھی کبھی ہم دوسروں کو بات بات پر جس بات پر سرزنش کرتے ہیں۔ وہ ہم میں خود اتنی وافر مقدار میں موجود ہوتی ہے مگر ہمارا دھیان دوسروں سے ہٹے تو ہم خود میں جھانکیں۔" سعد مسلسل رومہ کو سنائے جا رہا تھا اور وہ محض ہوں کہہ کر نخوت سے سر جھٹک دیتی۔ سال کی آخری شام تھی اور وہ واپس گھر کے لیے بس اسٹاپ کی طرف جا رہے تھے۔

"زین! اگول گپے کھاتے ہیں۔" رابی کا دل للچایا تھا۔ سعد کو پسند نہیں تھے اور رومہ سڑک پر کھڑے ہو کر کچھ کھانے کو بدتہذیبی سمجھتی تھی۔ لہٰذا وہ دونوں ٹھیلے کی طرف بڑھے اور وہ دونوں پیچھے کھڑے رہ گئے۔

"کیا ہے مجھ میں جو مجھے نظر نہیں آتا؟" رومہ حساب برابر کرنے کو خونخوار تیور لیے سعد کو گھور رہی تھی۔ سعد کا اسے چڑانے کو دل تو چاہا اس نے سوچا کہ وہ کہہ دے وہ کون سا رومہ کو کہہ رہا ہے اور یہ رومہ کو کیسے پتہ کہ وہ اسے کہہ رہا ہے۔ مگر آج سب کلیئر ہو ہی جانا چاہیے تھا۔

"تم میں بدتمیزی ہے۔ بدتہذیبی ہے، بونگی ہو تم اسٹوپڈ لڑکی۔" رومہ حیرانگی سے اس کے الفاظ سن رہی تھی۔

"مانا کہ میں بدتہذیب ہوں، بدتمیز ہوں مگر خود کون سا تم میں تمیز آ گئی ہے۔ ہم تو پھر بھی کسی کی بات کا آرام سے جواب دے دیتے ہیں اور تم جب بھی میں نے تم سے بات کی تم نے کبھی سیدھے منہ جواب نہیں دیا۔ جانے اتنی مرچیں کہاں سے کھا لیتی ہو۔ بوا سے آئس کریم کی فرمائش کرنا ہی بدتہذیبی نہیں، بلکہ جب کسی کو کہہ دیا جائے کہ میرا سر کھانے کی ضرورت نہیں، یہ بھی بدتمیزی ہی ہے۔ کسی کو بات بات پر ٹوکنے سے تمیز نہیں آ جاتی بلکہ خود عمل کرنے سے آتی ہے۔" سعد بہت نرمی سے کہہ رہا تھا اور وہ منہ کھولے سنتی جا رہی تھی۔ وہ اتنی غلط تھی؟ اور وہ بھی تو غلط تھا وہ مانتا تھا مگر وہ مانتی نہیں تھی۔ تھوڑا فرق تھا۔

وہ جواباً خاموش رہی۔ سعد بہت کرارے جواب کا منتظر تھا۔ منتظر ہی رہ گیا۔ شام ڈھلنے والی تھی انہیں جلدی نکلنا تھا۔ سعد، زین اور رابی کو بلانے چل دیا۔

☆......☆

کسی نے رکشے سے ایک بوری سڑک پر پھینکی تھی۔ رومہ کی حساسیت بیدار ہوئیں۔ اسے اچانک سے ٹی وی میں بتائی جانے والی باتیں یاد آئیں۔ اگر کوئی اپنا سامان کہیں چھوڑ دے یا پھینک دے تو فوراً پولیس کو اطلاع کی جائے۔ خوف سے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ تیزی سے بس آ رہی تھی اور اگر وہ اسے کچل دیتی پھر بلاسٹ ہوتا۔ "اف!" رومہ نے جھرجھری لی اسے کچھ کرنا چاہیے تھا۔

"بم...... بم...... بم......" وہ حلق پھاڑے چلانے لگی۔ بس بوری سے چند فٹ کے فاصلے پر رک گئی، اردگرد لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ کوئی ڈرتا آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔

"اس میں بم ہے، میں نے خود دیکھا۔ وہ کچھ لوگوں نے اس بوری کو پھینکا تھا۔" وہ ہکلا رہی تھی۔ پولیس موبائل قریب آ کر رکی جلد ہی مزید فورس کو بلا لیا گیا۔ لوگوں کا ہجوم وسیع تر ہوتا گیا۔

"پلیز سب لوگ یہاں سے جگہ خالی کر دیں۔ خطرہ ہے۔" ایک کانسٹیبل سب کو اس جگہ سے ہٹا رہا

تھا۔ زین، رابی اور سعد بھی تیزی سے رومہ کی طرف بڑھے۔ وہ اس تماشے کو لگا دیکھ کر آئے تھے۔

"کیا ہوا؟ ٹھیک ہو تم؟" سعد تفتیش سے پوچھ رہا تھا۔ رومہ زرد رنگت لیے بوری کو دیکھے جا رہی تھی۔ ایک اور موبائل آ کر رکی چند کتے اور کچھ پولیس مین نکلے۔

کتوں نے بوری کو سونگھا اور پھر سے منہ پیچھے کر لیا۔ الجھن بڑھ رہی تھی۔ چند کانسٹیبل آگے بڑھے۔ بم کی موجودگی کو چیک کرنے والے آلات ان کے ہاتھوں میں تھے۔ بوری کو کھولا گیا۔ حیرت سی حیرت۔

بوری کوڑے سے بھری پڑی تھی۔ کوڑے کو بھی چیک کیا مگر وہ بم میں نہ بدلا۔ کوڑا ہی رہا۔ سب کی ملامتی نظریں رومہ کی طرف اٹھیں۔ اس کی نظریں شرمندگی سے جھکیں۔

"کس نے اطلاع کی تھی کہ یہاں بم ہے؟" خشمگیں نظریں تو کسی آفیسر کی ہی لگتی تھیں۔ سب نے رومہ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کئی لمحے تاسف سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ لوگ دبی دبی ہنسی ہنس رہے تھے۔ شرمندہ کر دینے والی ہنسی۔

"ہمارے عوام بھی کیا کریں۔ اتنے بلاسٹ ہو چکے ہیں کہ ہر جگہ بم ہی سمجھا جاتا ہے۔ ان کا قصور نہیں۔" اسے شاید رومہ پر ترس آ گیا جو کہہ کر چلا گیا۔ ہجوم بھی چھٹتا گیا۔

کب کی چھپائی ہنسی کو نکلنے کا راستہ مل گیا۔ زین، رابی اور سعد کے قہقہے اس کے کان میں پڑ رہے تھے۔ وہ شرمندگی سے سرخ ہوتی گئی۔

"میں نے کہا نا تم بونگی بھی ہو۔" سعد نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ رومہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ تینوں بے چین ہو گئے۔

"سمجھو تم نے بھی نیو ایئر کے لیے ایک یادگار جوک مارا ہے۔ جیسے ہم بونگیاں مارتے ہیں۔ ڈونٹ وری رومہ۔" سعد اسے بہلانے لگا۔

"ہم تو شرم سے پانی پانی ہونے کی بجائے، ڈھٹائی سے برف ہو جاتے ہیں۔ آخر دسمبر ہے کل سے جنوری بھی شروع ہو جائے گا اگر برف ہو بھی جائیں تو کسی کو اعتراض نہیں ہونے والا بن جاؤ برف۔" رابی اسے چھیڑنے لگی۔ جوش سے آواز بلند ہو رہی تھی۔

"مس نصیحت! ایسی چیزوں کو دل پر نہیں لیتے۔ نہ ہی سوگ مناتے ہیں بلکہ بے غم ہو جاتے ہیں۔ بونگیاں تو زندگی میں چلتی ہی ہیں۔" زین نے پیار سے اس کا سر تھپکا۔ وہ اس کی شرمندگی مٹانا چاہتے تھے۔

"یا...... یو آر رائٹ۔ ڈھٹائی سے برف بن جاتے ہیں اور بے غم بھی۔" رومہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

اس سال کی ساری بدگمانیاں اس سال پر ہی چھوڑ دی گئیں۔ اگلا سال بڑا تر و تازہ ہونا تھا۔ خوش خوش سا کیوں کہ دل خوش تھا کچھ نیا کیا تھا۔

"نئے سال کی آئس کریم بوا کے شہر کے بازاروں میں کھانی ہے یا اپنے شہر کے بازاروں میں؟" سعد پوچھ رہا تھا۔

"اپنے شہر سے۔" رومہ کھلکھلائی۔

"یار: بس پکڑو شاید آخری ہے جو اپنے شہر کو جا رہی ہے۔" زین چلایا۔

"میں نے تو ابھی اس شہر سے اپنی منگنی کی شاپنگ بھی کرنی تھی۔" رومہ نے منہ بسورا ان سب کو حیرت نہ ہوئی۔

"شاپنگ کل اپنے شہر سے کریں گے۔ اگر یہ بس نکل گئی تو اپنے شہر کی آئس کریم بھی نکل جائے گی۔"

زین اور رابی بس میں بیٹھ چکے تھے۔ سعد نے ہاتھ بڑھا کر رومہ کو بھی بس میں کھینچ لیا۔ یقیناً نیا سال اچھا ہونے والا تھا۔ جب بے غم ہو جائیں تو سب اچھا ہی لگتا ہے۔ غم تو زندگی کو چاٹ جاتے ہیں۔ بس کوشش ہونی چاہیے بے غم ہونے کی "ٹینشن فری"۔

Happy new year

......☆......

نظیر فاطمہ

افسانہ

چھوٹی سی بات

جیسے ہی ہماری گاڑی سگنل کراس کر کے مین روڈ پر آئی، وہ دو اسٹوڈنٹ میری توجہ کا مرکز بن گئے جو بائیک پر سوار مین روڈ پر چلے جا رہے تھے۔

ارے! یہ نہ سمجھیں کہ میں ان لڑکوں کو تاڑ رہی تھی۔ وجہ موٹر بائیک کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے لڑکے کے ہاتھ میں موجود دو کیلے تھے جن میں سے ایک کو چھیل کر وہ کھا رہا تھا۔ آپ پھر غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ بھئی میں کوئی ندیدی نہیں ہوں نہ ہی مجھے اس کے کیلے کھانے پر کوئی اعتراض ہے میں مسلسل اس لڑکے پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ نہ جانے مجھے یہ "خوش فہمی" کیوں تھی کہ وہ لڑکا کیلا کھا کر اس کا چھلکا مین روڈ پر نہیں پھینکے گا لیکن اس وقت میری خوش فہمی چاروں شانے چت ہو گئی جب اس نے کیلا کھا کر چھلکا بغیر سوچے سمجھے بیچ سڑک پر پھینک دیا۔ اس نے یہ زحمت بھی نہ کی چلو اگر چھلکا سڑک پر پھینکنا اتنا ہی "ضروری" ہے تو اسے سڑک کے کنارے پر ہی پھینک دے۔ یہ دیکھ کر میرا دم ہی نکل گیا (محاورتاً حقیقت میں نہیں۔ حقیقت میں نکل جاتا تو میں اس وقت آپ سے بات نہ کر رہی ہوتی۔) کہ پیچھے سے تیز رفتاری سے آنے والے دو موٹر سائیکل سوار اس کیلے کے چھلکے سے پھسلتے پھسلتے بچے۔

یہ صورت حال دیکھ کر میرے بھائی (اب یہ نہ پوچھیے گا وہاں میرا بھائی کہاں سے آ گیا؟ یاد رہے گاڑی میرا بھائی چلا رہا ہے۔) نے دونوں لڑکوں کو "حسب توفیق" برا بھلا کہا۔ پہلے میں نے سوچا کہ گاڑی سے اتر کر ان چھلکوں کو اٹھا کر سائیڈ پر ڈال دوں لیکن سڑک پر اتنی تیز ٹریفک تھی کہ کوئی بھی رک کر ان چھلکوں کو اٹھا نہیں سکتا تھا۔ ایسا کرتے ہوئے کسی گاڑی کی زد میں آ کر جان گنوانے کا خدشہ تھا اب آپ سے کیا پردہ مجھے اپنی زندگی بہت پیاری ہے اس لیے اس خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکی۔ لہٰذا میں نے دل میں یہ دعا کی کہ اس چھلکے پر سے کوئی موٹر سائیکل سوار نہ گزرے اور کوئی گاڑی والا ان چھلکوں کو اپنی گاڑی سے کچل کر "ناکارہ" کر دے۔ گاڑی کا کیلے کے چھلکے سے پھسلنے کا خطرہ نہیں ہوتا نا۔ چار پہیوں والی سواری جو ہوئی۔ چھلکے کو ناکارہ کرنے والا کام ہم نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ہماری گاڑی دوسری لین میں تھی۔ آپ تو جانتے ہیں "بحیثیت قوم" اسی فیصد مسائل صرف دعا کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے اس وقت میں نے بھی یہی حکمت عملی اپنائی تھی۔

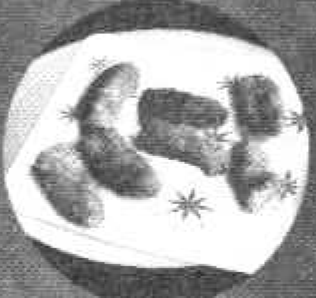
خیر اگلے سگنل پر بائیک ہماری گاڑی کے بالکل آگے کھڑی تھی۔ (ہاں ہاں وہ دونوں اسٹوڈنٹ بھی بائیک پر سوار تھے۔ آپ کیا سمجھے تھے بائیک اکیلے ہی وہاں کھڑی تھی۔

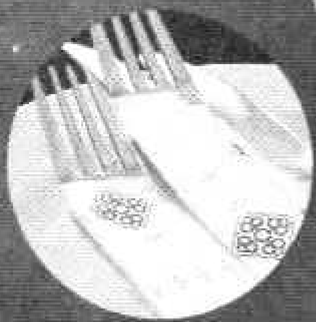
"کمال ہے بھئی! آپ کہ بھی کیا کہنے؟" مجھے نا جانے کیا ہوا میں نے بغیر سوچے سمجھے گاڑی کا شیشہ نیچے کیا تو میرے بھائی نے میرا ارادہ بھانپ لیا۔

"کیا کر رہی ہو کیوں سڑک پر تماشہ لگوانا ہے؟" کہہ کر میرا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ شیشہ اوپر کر دیا۔ سگنل ابھی پوری طرح گرین بھی نہیں ہوا تھا، مطلب ابھی پیلی لائٹ ہی آن ہوئی تھی کہ لڑکے زن سے گاڑی نکال کر لے گئے اور میرے لیے سوچوں کے در "وا" کر گئے۔

"آپ کیا جانیں میرے لیے سوچنا کتنا تکلیف دہ عمل ہے۔ دو دو گھنٹے سوچنے کے بعد بھی یہ پتہ نہیں چلتا کے میں کیا سوچ رہی ہوں؟" خیر آج قسمت








نے "یاوری" کی اور میں یہ سوچنے میں کامیاب ہوگئی کہ یہ طالب علم ملک وقوم کی بہتری کے لیے کیا کریں گے جن کو یہ تک معلوم نہیں کہ ان کی لاپروائی کسی کی جان لے سکتی ہے یا کسی کو معذور کر سکتی ہے۔"

"میرا خیال ہے میں نے ٹھیک ہی سوچا ہے۔"

ان لڑکوں کا یونیفارم دیکھ کر مجھے معلوم ہو چکا تھا کے وہ ایک "مشہور" پرائیوٹ کالج میں زیرِ تعلیم ہیں۔ اب ماں باپ لاکھوں روپے فیس بھرتے ہیں تو بچوں کو اتنا "حق" تو ملنا چاہیے کہ وہ جو چاہیں وہ کر سکیں اگر ہم بچوں کو روکیں گے تو ان کی "کریٹیویٹی" متاثر ہوگی لیکن پھر بھی والدین اور تعلیمی اداروں سے "پردرد" (شاید کوئی میری بات سن لے۔) اپیل ہے خدارا! اپنے بچوں کو "اچھی تعلیم" کے ساتھ "اچھی تربیت" بھی دیں کیونکہ اچھی تربیت کے بغیر اچھی تعلیم بے فائدہ ہو جاتی ہے۔

اب دیکھیے نا! کیلے کا چھلکا سڑک پر پھینکنا بظاہر ایک چھوٹی اور عام سی بات ہے لیکن اس سے ہونے والے نقصان کا شاید ہمیں اندازہ نہیں ہے۔ یقیناً اس لڑکے کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی ہوگی کہ اس نے جو چھلکا سڑک پر پھینکا ہے وہ کسی کے لیے بم بلاسٹ جتنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے لیکن میں اس بات کے لیے بہت حساس ہوں کیونکہ میں اپنے پڑوسی کو اس حادثے کا شکار ہوتے دیکھ چکی ہوں اور اس دن سے میرا یہ ریکارڈ (گینیز بک آف ورلڈ ریکارڈ نہیں بھئی اور نہ ہی بجنے والا ریکارڈ) رہا ہے کہ میں نے کبھی کسی چیز کا ریپر یا کسی پھل کا چھلکا بیچ سڑک تو کیا کہیں ایسی جگہ بھی نہیں پھینکا جہاں پہلے سے کوڑے کا ڈھیر ہو اور لوگ اس ڈھیر کو "ترقی" دینے میں دل و جان سے جتے ہوں اگر مجھے کوئی کوڑے دان یا ڈسٹ بن نظر نہ آئے تو میں وہ چھلکا یا ریپر جو میرے ہاتھ میں ہوتا ہے اسے آرام سے اپنے بیگ میں ڈال کر اپنی دوستوں اور عزیز و اقارب سے "پاگل" کا خطاب حاصل کرتی رہتی ہوں۔ ان سب کا خیال ہے کہ میں حقیقت میں "پاگل" (میں ان کے خیال سے بالکل بھی متفق نہیں ہوں۔) بھلا میں ایک ریپر یا چھلکا وہاں نہیں پھینکوں گی تو کوڑے کے اس ڈھیر کو کیا فرق پڑے گا۔ اب میں انہیں کیسے سمجھاؤں کہ کوڑے کے ڈھیر کو "ایک ریپر" کا فرق تو پڑ ہی گیا ہے نا۔ اب آپ لوگوں سے بات کی ہے تو ممکن ہے ہمارے اردگرد جگہ جگہ کوڑے کے جو ڈھیر لگے ہوئے ہیں انہیں لاکھوں نہیں تو "ہزاروں ریپرز اور چھلکوں" کا فرق تو پڑ ہی جائے گا۔

آپ سب سے میری درخواست ہے کہ کوئی چیز یا پھل کھا کر اس کا ریپر یا چھلکا سڑک پر ہرگز نہ پھینکیں بلکہ اگر آپ گاڑی میں سفر کر رہے ہیں تو ان چیزوں کو شاپنگ بیگ میں ڈال کر گاڑی میں ہی رکھ لیں اور راستے میں کسی کوڑے دان یا گھر واپس آ کر گھر کے کوڑے دان میں ڈالیں اور اگر بائیک پر ہیں یا پیدل چلتے ہوئے کوئی چیز کھا رہے ہیں تو کھانے کے بعد ریپر یا چھلکے کسی ایسی جگہ پر پھینکیں جہاں سے کسی گزرنے والے کے پھسل کر گرنے کا خدشہ نہ ہو بلکہ بہتر تو یہی ہے کہ ان چیزوں کو کوڑے دان میں ڈالیں۔ اس "چھوٹی" سی بات سے بچنے کی کوشش ضرور کریں جو کسی کے لیے "بڑے نقصان" کا باعث بن سکتی ہے اگر آپ کو میری یہ بات ناگوار گزری ہے تو گزرتی رہے (آپ کیا سمجھے تھے میں معافی مانگنے لگی ہوں) کیونکہ مجھے یقین ہے جب آپ میری اس بات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو آپ کو یہ بات بہت معقول لگے گی اور آپ میرے شکر گزار ہوں گے۔ (بی پوزیٹو۔ ارے یہ میرا بلڈ گروپ نہیں ہے بلکہ یہ میں اپنی حوصلہ افزائی کے لیے کہہ رہی ہوں۔) اچھا پھر اللہ حافظ لیکن مجھے بتائیے گا ضرور کہ آپ نے اس بارے میں کیا سوچا ہے۔

......☆......

نائلہ طارق

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 23

جو عشق میں بنتی وہ عشق ہی جانے

اور جانے پہچانے نمبر نے اسے اتنا بوکھلا دیا کہ وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر ہارون کی کال ریسیو کر گئی تھی مگر دوسری جانب چھائی گہری خاموشی پر اس نے ایک نگاہ احتیاطاً خرمن پر ڈالی تھی اور پھر دھڑکتے دل کے



ساتھ بیڈ سے اترتی دبے قدموں گلاس ونڈو کے قریب جا پہنچی تھی۔

''سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم سے کس طرح معذرت کروں۔'' بھاری دلکش آواز نے منیزہ کی دھڑکن مزید تیز کر دی تھی۔

''پتا نہیں کیسے میری زبان سے یہ الفاظ پھسل گئے کہ میں تمہیں جانتا ہوں۔''

''آپ نے سچ کہا تھا۔ اس میں معذرت کرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''مگر یہ سچ مجھے عارش کی موجودگی میں نہیں کہنا چاہیے تھا۔ جب کہ میں جانتا ہوں کہ تم اس کی وجہ سے



بہت محتاط رہتی ہو، اس نے کچھ کہا نہیں مگر میری بے تکلفی پر شاید اس نے ناگواری محسوس کی ہو۔"

"آپ پریشان مت ہوں، یہ عارش کو بھی معلوم ہے کہ آپ مجھے جانتے ہیں اور یہ کہ انسٹی ٹیوٹ کے باہر بھی میری ملاقات آپ سے ہوئی ہے۔" اس کی بات نے ہارون کو حیران کیا تھا۔

"یہ تم نے عارش کو بتایا تھا؟"

"نہیں...... مگر میرے معاملات سے وہ پتہ نہیں کیسے باخبر ہو جاتا ہے۔"

"تمہیں کچھ کہا تھا اس نے یا میرے بارے میں کوئی سوال کیا تھا؟"

"نہیں مگر اس نے باور کروا دیا کہ وہ انجان نہیں ہے۔"

"کس بات سے انجان نہیں ہے؟"

"اس سچ سے جو آج اس کے سامنے آپ کہہ گئے۔"

"میں نے کون سا سچ کہا تھا؟"

"میرے خدا۔ میری رہی سہی نیند بھی آپ اڑا دیں گے۔" منیزہ زچ ہوئی تھی مگر اگلے ہی پل ہارون کی مدھم ہنسی نے اسے شرمندہ کر دیا تھا۔

"معافی چاہتا ہوں۔ میں نے تمہاری نیند کو ڈسٹرب کیا۔" وہ بولا تھا۔

"میں جاگ ہی رہی تھی۔ خرمن کے گھر میں ہوں اس نے آج یہیں روک لیا تھا۔"

"میں تمہیں دیکھ کر چونک گیا تھا۔ میرے آنے سے پہلے کیا تم رو رہی تھیں؟" ہارون کو یاد آیا تھا۔

"امی کے دور جانے کی وجہ سے سرگودھا میں میرے تایا ابو کی سرجری ہوئی ہے ابو تو خرمن کے پیرنٹس کے ساتھ پہلے ہی جا چکے تھے۔"

"اب کیسی طبیعت ہے تمہارے تایا ابو کی؟"

"وہ ابھی ہاسپٹل میں ہی ہیں۔ ڈاکٹرز ابھی ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔" وہ بجھے لہجے میں بتا رہی تھی۔

"پریشان مت ہونا، وہ جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ مجھے یقین ہے۔" ہارون کا تسلی آمیز لہجہ اسے اچھا لگا تھا۔ وہ مزید کچھ کہہ رہا تھا مگر منیزہ بری طرح چونک کر اچانک قریب ہوتی خرمن کو دیکھا تھا جو بغیر کچھ بولے اس سے سیل فون لے چکی تھی۔

"منیزہ! میں نے جو کہا تم نے سنا۔" ہارون کو اس کی خاموشی کا احساس ہوا تھا تو پوچھا تھا۔

"بولتے رہیں بولتے رہیں ہمیں بھی تو ذرا اپنی باتوں سے مستفید کیجیے۔" خرمن کے مسکراتے لہجے نے یقیناً ہارون کی سماعتوں کو دھچکا پہنچایا تھا۔

"میرے اگلے شو میں یہ اعلان ہونے والا ہے کہ خرمن کو ہارون جیسے لفظوں کے ساحر پریزینٹر کی بولتی بند کروانے کا اعزاز مل چکا ہے۔" ہارون کی خاموشی پر وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

"سوچ لو، تمہارے زیادہ تر لسنرز میرے بھی فین ہیں۔ کسی کو تمہارا اعزاز ہضم نہیں ہوگا۔" ہارون نے مسکراتے لہجے میں کہا تھا۔

"اس دھمکی کا اثر مجھ پر نہیں ہونے والا، ویسے آپ کی خبر تو میں بعد میں لوں گی مگر منیزہ کی اب خیر نہیں ہے۔ آپ کے جانے کے بعد یہ بڑی ڈھٹائی سے یہی کہتی رہی تھی کہ یہ بس سرسری سا آپ کو جانتی ہے اور یہ کہ انسٹی ٹیوٹ کے بعد ایک بار اتفاق سے آپ سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔" بولتے ہوئے خرمن نے اسے گھورا تھا جو چور سی بنی ہوئی تھی۔

"جب وہ کہہ رہی ہے تو یقین کر لو۔"

"پھر آپ کہیں گے کہ آنکھوں دیکھی مکھی بھی نگل لوں۔" اس کے خشمگین لہجے پر وہ دھیرے سے ہنسا تھا۔

"ویسے آپ بڑی مشکل میں پھنسنے والے ہیں۔" خرمن کے معنی خیز لہجے پر منیزہ نے ہول کر اس سے سیل فون لینا چاہا تھا مگر وہ بروقت پیچھے ہوئی تھی۔

"جس خاتون کو بقول آپ کے آپ جانتے ہیں ان پر لو میرج کا بھوت سوار ہے۔ آپ ذرا بچ کر رہیں تو اچھا ہے۔"

"خرمن! مجھ سے بالکل بات مت کرنا تم۔" منیزہ شدید ناراضی سے اس کے ہنستے چہرے کو دیکھتی بیڈ کی سمت چلی گئی تھی۔

"بہت شکریہ مجھے خبردار کرنے کے لیے اب فون بند کروں میں یا عارش کے ہاتھوں قتل ہونے کے لیے تیار رہوں؟" ہارون کے سوال پر ہنستے ہوئے اس نے خدا حافظ کہہ دیا تھا کہ ابھی تو اسے منیزہ کی ناراضی بھی دور کرنی تھی۔

☆......☆

کچھ تذبذب کے ساتھ خرمن نے دھیرے سے اس کے شانے کو تھپتھپا کر پکارا بھی تھا، گہری نیند سے بمشکل آنکھیں وہ کھول سکا تھا۔

"عارش! مجھے ابھی ریڈیو جانا ہے۔" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی تھی۔

"کیا، اس وقت؟" پوری آنکھیں کھول کر عارش نے ایک نظر وال کلاک کو اور پھر اسے دیکھا تھا۔

"کسی وجہ سے ہارون آج مارننگ شو کے لیے نہیں جا سکتے۔ ابھی عثمان سے پتا چلا ہے کہ مجھے اور عثمان کو ہارون کا شو ہوسٹ کرنے کے لیے ریڈیو جانا ہے۔"

"کہیں نہیں جا رہی ہو تم۔" سرعت سے اٹھتا وہ اس کی بات کاٹ گیا تھا۔

"صبح کے 7 بھی نہیں بجے ہیں ابھی چپ کر کے بیٹھی رہو گھر میں ریڈیو سے فون آیا تو میں بات کر لوں گا۔" وہ بگڑ کر بولا تھا۔

"سمجھنے کی کوشش کرو، میں اپنی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے ریڈیو نہیں جا سکی تھی تو ہارون نے میرا پروگرام ہوسٹ کیا تھا اب ان کو میری ضرورت ہے تو......"

"میں کچھ نہیں جانتا، مجھے کچھ مت سمجھاؤ۔" بری طرح جھلا کر وہ پھر اس کی بات کاٹ گیا تھا۔

"اب میں عثمان سے کیا کہوں گی؟" بے بس نظروں سے خرمن نے اسے دیکھا تھا۔

"جہنم میں بھیج دو اسے۔" بگڑے لہجے میں ہی بولتا وہ دوبارہ کمبل میں چہرہ چھپائے لیٹ گیا تھا۔

"نہ تم کہیں جا رہی ہو نہ میں تمہیں لے کر کہیں جاؤں گا۔ میری چھٹی کا دن غارت مت کرو۔" وہ کمبل کے اندر سے ہی بولا تھا۔

"میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کر رہی۔ عثمان مجھے ساتھ لے جا رہا ہے۔" وہ التجائی لہجے میں بولی تھی۔

"اسے گھر میں داخل بھی مت ہونے دینا۔" کمبل چہرے سے ہٹا کر اس نے تنبیہہ کی تھی۔

"مگر میں نے تو اسے گھر میں بلا لیا ہے۔ وہ باہر ہی بیٹھا ہے۔" خرمن نے انتہائی معصومیت سے اسے سلگا دیا تھا۔

"اس شیطان کو تم نے گھر میں آنے کیوں دیا؟" جھنجھلا کر بولتا وہ پھر اٹھ بیٹھا تھا جب کہ خرمن اپنی ہنسی نہیں روک سکی تھی۔

"تمہیں ہنسی آ رہی ہے میں کیا بے وقوف نظر آتا ہوں۔ یہ ایک ہی دن ملتا ہے اور اس میں بھی تم......" شدید ناراضی سے اسے دیکھتا ہوا وہ چپ ہو گیا تھا۔

"عارش! ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایسا جاب ہے یہ اب تم اس طرح ناراض ہو گے تو میں کیسے جا سکوں گی؟" وہ آنکھوں میں مظلومیت سجائے بولی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں پتا، جو کرنا ہے کرو۔" ہاتھوں سے بکھرے بال درست کرتا وہ خفت سے بولا تھا مگر پھر رک کر اسے دیکھا تھا جو خاموشی سے اسے ہی دیکھ رہی تھا۔

"کتنا وقت لگے گا؟" وہ خفگی سے ہی پوچھ رہا تھا۔

"صرف دو گھنٹے۔"

"جانتا ہوں تمہارے دو گھنٹے۔" جل کر بولتے ہوئے وہ کمبل دور جھٹکتا بیڈ سے اترنا چاہ رہا تھا۔ جب خرمن نے ہنستے ہوئے چہرہ اس کے شانے سے مس کیا تھا مگر اس کا موڈ ہنوز بگڑا ہوا ہی تھی۔

"میرے لیے ناشتہ تیار کرو۔" ہٹ دھرمی سے آرڈر دیتا وہ واش روم کی طرف گیا تھا جب کہ وہ گہری سانس لیتی کمرے سے نکل آئی تھی۔ لاؤنج میں ہی صوفے پر نیم دراز عثمان ٹی وی کے چینلز چینج کرنے میں مصروف تھا۔

"عثمان! مجھے عارش کے لیے ناشتا تیار کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" لاؤنج کی طرف بڑھتی وہ بولی تھی۔

"ظاہر ہے، اب تو ہر حال میں اسے ناشتا چاہیے ہوگا۔ اس کی فرمانبردار بننے کی کوشش کرو گی تو ایسے ہی وہ سر پر چڑھے گا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ اپنی کراری زبان استعمال کر لینا اسے سمجھ میں بھی تمہاری وہی زبان آتی ہے۔" عثمان نے خشمگین نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اچھا اب چپ رہو، عارش کا موڈ پہلے ہی خراب ہو چکا ہے۔"

"تھوڑا سا چیخ چلا کر اجازت لیتیں تو وہ اپنے سارے موڈ بھول جاتا، اب اٹھاؤ نخرے، میرے لیے بھی کچھ لے آؤ کھانے کے لیے، میری بیوی اس وقت آرام کر رہی ہے اور میں اسے بے آرام نہیں کر سکتا تھا۔"

"اب تمہارے لیے بھی ناشتا بناؤں؟ پہنچ گئے پھر ہم وقت پر۔" خرمن جھلائی تھی۔

"جلدی کرلو، تمہیں اپنے سنگھار بھی مکمل کرنے ہوں گے۔ آٹھ بجے تک لازمی ریڈیو پہنچنا ہے۔" عثمان کے گھرکنے پر وہ عجلت میں کچن کی طرف گئی تھی۔

ٹی وی اسکرین سے نظر ہٹاتا عثمان اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو کافی کینہ توز نظروں سے اسے دیکھتا صوفے پر براجمان ہوا تھا۔

"صبح صبح تم بڑے نکھرے نکھرے لگ رہے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ استانی کے تیور بگڑ جائیں۔" عثمان نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اب تم مزید میرا دماغ خراب مت کرو۔" وہ ناگواری سے بولا تھا۔

"پتہ نہیں کون سا گناہ کیا تھا میں نے جو تمہیں برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔"

"استانی! ذرا آ کر سن لو یہ عارش غصے میں جانے تمہارے بارے میں کیا کیا بول رہا ہے۔" عثمان نے کچن کی طرف منہ کر کے آواز لگائی تھی اور پھر عارش کے تاثرات پر اس کی ہنسی بلند ہو گئی تھی۔

"میرے لیے پراٹھے بنانا، مجھے پراٹھے ہی چاہئیں۔" عارش نے تپ کر کچن کی طرف آرڈر بھیجا تھا جب کہ عثمان کی ہنسی غائب ہو گئی تھی۔

"ہاں بھئی چھوٹے! پانچ پراٹھے، مرغ چھولوں کے ساتھ دو گرما گرم چائے لے آ ملائی مار کے۔" کچن کی طرف اپنا آرڈر بھیج کر وہ عارش کی طرف متوجہ ہوا تھا جو کھا جانے والی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"اس سے پہلے کہ میں ہو جاؤں باؤلا جو ناشتے میں مل رہا ہے شرافت سے ہضم کرلو۔" عثمان بول رہا تھا جب خرمن مسکراہٹ چھپائے لاؤنج میں آئی تھی۔

"کیوں ڈانٹے جا رہے ہو عارش کو، میں نے زیادہ وقت تو نہیں لگایا۔" گرم گرم پراٹھے اور آملیٹ کی پلیٹیں ٹیبل پر رکھتی وہ بولی تھی۔

"زیادہ اس کی طرف داری مت کرو اور جلدی ناشتہ کر کے چلنے کی تیاری کرو، اس کی فکر میں بے حال ہونے کے ڈرامے میرے سامنے ایسے کر رہی ہو جیسے میں تمہیں جانتا نہیں۔" عثمان کے طنزیہ لہجے پر خرمن نے شکایتی نظروں سے عارش کو دیکھا تھا۔

"اب ناشتہ شروع کرو گے یا مجھے اور مزید باتیں سنوانی ہیں؟" ناراضی سے عارش کو مخاطب کرتی وہ کچن کی طرف گئی تھی۔

☆......☆

دم بخود بیٹھی وہ کبھی عارش کو دیکھ رہی تھی اور کبھی عثمان کو وہ دونوں ہی بہت سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ آج چھٹی کے دن عارش اسے عجلت میں پک کرنے گھر پہنچا تو وہ یہی سمجھی تھی کہ خرمن نے گھر پر بلایا ہوگا مگر وہ دونوں اسے گھر لے جانے کے بجائے اس ریسٹورنٹ میں لے آئے تھے اور جو کچھ عارش نے اس کے گوش گزار کیا تھا وہ اس کے لیے شدید قسم کا جھٹکا ہی تھا۔

''منیزہ! جو باتیں ابھی میں نے کی ہیں، اتنا یاد رکھنا کہ وہ ہم تینوں کے درمیان ہی رہیں اور مجھے تم پر مکمل بھروسہ ہے۔'' بہت سنجیدگی سے عارش نے اسے تنبیہہ بھی کی تھی۔

''عارش! میرے لیے یقین کرنا مشکل ہورہا ہے۔ مجھے واقعی شاک لگا ہے۔'' منیزہ دنگ تھی۔

''ہارون اور ایک سے ملنے کے بعد اب یہ سب تمہیں حیرت انگیز نہیں لگنا چاہیے۔ کبھی کبھی حقیقت حیران کن ضرور ہوتی ہے مگر حقیقت تو اپنی جگہ مسلم موجود رہتی ہے۔'' عثمان نے کہا تھا۔

''مگر پُر یقین تو تم دونوں بھی نہیں ہو۔'' منیزہ بولی تھی۔

''ہاں، ہارون کے ماں باپ سے ملنے کے بعد بھی مجھے سو فیصد یقین نہیں ہے مگر مجھے یہ بھروسہ ہے کہ سو فیصد یقین بھی مکمل ہونے والا ہے اور اس کے لیے مجھے تمہاری ضرورت ہے۔'' عارش کے سنجیدہ لہجے پر وہ مزید الجھی تھی۔

''دیکھو! میں اب تک ہارون کی فیملی کے بارے میں جس حد تک معلومات کر چکا ہوں وہ ناکافی ہیں۔ اہم بات بس یہ پتہ چلی ہے جو کہ بعد میں ہارون نے بھی کنفرم کر دیا کہ ان کی فیملی ہمیشہ سے اس شہر میں نہیں رہی ہے۔ مزید جو کچھ میں جاننا چاہتا ہوں وہ مجھے صرف تمہارے ذریعے ہی ہارون سے معلوم ہو سکتا ہے اور تمہیں میری مدد کرنی ہوگی۔ ورنہ عنقریب میرا نروس بریک ڈاؤن ہونے والا ہے۔''

''مگر میں ہارون سے کیا کہوں گی؟ میں کیسے ان کے پرسنلو کے بارے میں جان سکتی ہوں؟'' منیزہ حق دق رہ گئی تھی۔

''ابھی میں اپنی زبان کھولوں؟'' عثمان کی خشمگین نظروں پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''منیزہ! تم میری اس الجھن کو سلجھانے میں مدد کر دو، اس کے بعد ہارون سے تمہاری شادی کروانا میری ذمہ داری ہے۔'' عارش کی سنجیدگی نے اسے بوکھلا دیا تھا۔

''یہ کیا بول رہے ہو تم، وہ کیوں کرنے لگے مجھ سے شادی؟''

''اس کے فرشتوں کو بھی کرنی پڑے گی۔ کیا وقت گزاری کے لیے تمہارے ساتھ لنچ کر رہا ہے۔ فیسٹیول میں گھوم رہا ہے فون کالز کر رہا ہے۔ اب یہ مت کہنا کہ اس کے پاس تمہارا نمبر بھی نہیں ہے۔'' عارش نے بری طرح اسے گھرک دیا تھا وہ کچھ بول بھی نہیں سکی تھی۔

''جو کام عارش نے دیا ہے اسے اب پوری ایمانداری اور ہوشیاری سے کرنا، ہارون کو کسی قسم کا شک نہیں ہونا چاہیے تم پر اور اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو یاد رکھنا تمہارے اماں ابا کو فون کھڑکا دوں گا اور تمہارے بھائی کی غیرت بھی جگانے میں دیر نہیں لگے گی مجھے۔'' عثمان کی دھمکی پر منیزہ نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھا تھا جب کہ عارش بمشکل مسکراہٹ چھپا سکا تھا۔

''میں اپنی پوری کوشش کروں گی مگر صرف خرمن کی وجہ سے۔'' منیزہ بگڑے تیوروں کے ساتھ بولی تھی۔

''اب چلو یہاں سے سب ہماری ٹیبل کی طرف ہی نظریں جمائے بیٹھے ہیں ان محترم کی وجہ سے۔'' منیزہ نے بولتے ہوئے عثمان کی فخریہ مسکراہٹ کو گھورا تھا۔

''اسے فیم کہتے ہیں۔ اسٹارز ہمیشہ لوگوں کی توجہ کا مرکز ہوتے ہیں۔ تم کیوں جل رہی ہو؟''

''ابھی کچھ عرصے میں ہی پتا چل جائے گا کہ یہ فیم کتنی بھاری ہوتی ہے۔ پبلک پراپرٹی بن کر رہنا آسان نہیں ہے، منیزہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے تم اب اس قابل نہیں رہے کہ تمہارے ساتھ باہر گھوما جائے۔'' عارش کے خشمگین لہجے پر وہ بس ڈھٹائی سے مسکراتا رہا تھا۔

☆......☆

ریڈیو اسٹیشن میں اسے واقعی دو گھنٹوں سے زیادہ وقت ہو گیا تھا۔ وہاں وہ اسٹاف کے درمیان ہو یا اسٹوڈیو میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ واپس گھر آنے پر کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی کہ عارش کا موڈ اچھا نہیں تھا مگر اسے کوئی فکر نہیں تھی جانتی تھی کہ عارش کی ناراضی دور ہو جائے گی اگر وہ اس سے کوئی فرمائش کر دے لہٰذا اس نے شام کو باہر جانے کا ارادہ ظاہر کر دیا تھا۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوا تھا کہ کچن کی طرف سے بے فکر ہو کر اس نے وارڈروب کو ٹھیک کر لیا اور کچھ دوسرے ادھورے کام بھی کر لیے۔ بیلا کے پارلر میں معمول کی طرح اس کی کچھ ہیلپ کر دی تھی اور اپنے چہرے کی نوک پلک بھی سنوارنے کا موقع مل گیا تھا۔ عارش کے ساتھ باہر جانے کا مقصد ادھر ادھر گھومنا ہرگز نہیں تھا۔ عارش کے انکار کے باوجود وہ زبردستی اسے شاپنگ مال کی طرف لے گئی تھی۔ کافی دن گزرنے کے باوجود عارش نے اپنے لیے ایک شرٹ تک نہیں خریدی تھی۔ آج وہ اس کے لیے شاپنگ کرنا چاہتی تھی۔ اس کے بار بار احتجاج کے باوجود عارش کسی چیز میں انٹرسٹ نہیں لے رہا تھا۔ خرمن جانتی تھی کہ اپنے جوتوں سے لے کر لباس تک کی خریداری وہ عثمان کے ساتھ کرتا تھا۔ یہ سچ تھا کہ عثمان کی چوائس زبردست تھی مگر وہ بھی اب ایسی گئی گزری نہیں تھی سو عارش سے بحث کرنے کے بجائے اس کے لیے جو کچھ اسے اچھا لگتا رہا وہ خریدتی رہی تھی۔ بیلا کے پارلر کے لیے اور اپنے لیے اس نے کاسمیٹکس کا کچھ سامان لیا تھا اور آخر میں جب وہ عثمان کے لیے ایک پرفیوم اور جیکٹ لے کر فارغ ہوئی تب تک عارش شاپنگ بیگز سنبھالے اچھی خاصی کوفت اور جھنجھلاہٹ کا شکار ہو گیا تھا۔

''تمہارے ساتھ ڈیٹ پر جانے کی حسرت میں دل میں لیے گزر جاؤں گا۔ آج کچھ امید جاگی تھی مگر تم نے یہاں خوار کر کے میری امید کا گلا گھونٹ دیا۔'' وہ شدید ناراضی سے بولا تھا۔

''بیوی کے ساتھ کون احمق مرد ڈیٹ پر جاتا ہے؟'' خرمن حیرت سے ہنسی تھی۔

''میں ہوں وہ احمق مرد۔'' خشمگین لہجے میں بولتا وہ دوسری طرف متوجہ ہوا تھا اور اگلے ہی پل اس کے قدم رک گئے تھے۔ آگے جاتی خرمن بھی چونک کر رکتی اس کی طرف پلٹی تھی۔

''اب کیوں رک گئے؟'' حیرت سے بولتے ہوئے خرمن نے اس کی نظروں کے تعاقب میں اس بڑی سی شاپ کو دیکھا تھا جہاں بے بی، بابا کلاتھ کا سائن جگمگا رہا تھا۔ خرمن کی آنکھیں پوری کھل گئی تھیں۔ اگلے ہی پل وہ تیزی سے عارش کی طرف بڑھی تھی۔ جو شاپ کی گلاس وال سے ڈسپلے میں سجی چیزوں اور خوب صورت کپڑوں سے نظر ہٹانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس پوری شاپنگ کے دوران پہلی بار عارش نے کسی چیز میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔

''عارش! فوراً چلو یہاں سے۔'' اس کے ارادے بھانپتے ہی وہ عجلت میں بولی تھی۔

''یہاں اتنا وقت برباد کر دیا مگر جو لینا چاہیے تھا اسے ہم بھول گئے۔ مجھے اس شاپ میں جانا ہے اور تم انکار نہیں کرو گی۔'' وہ قطعی لہجے میں بولا تھا۔

''عارش! ابھی سے اس کی کیا ضرورت ہے اس کام کے لیے بہت وقت ہے۔'' وہ سٹپٹا ہی تو گئی تھی۔

''ہرگز نہیں، وقت کم ہے اور مجھے اس کے لیے بہت کچھ خریدنا ہے۔''

''عجیب لگے گا، مجھے شرم آئے گی وہاں۔'' سرخ چہرے کے ساتھ وہ ہچکچائی تھی۔

''چلو میرے ساتھ۔'' اس کا ہاتھ پکڑے وہ شاپ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ تو اپنی جھینپ میں زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کر پائی تھی مگر عارش بہت پر جوش تھا۔ خوشی اس کے چہرے سے چھلکی جا رہی تھی۔ جتنی رفتار سے وہ کپڑے اور دیگر چیزیں پسند کر رہا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ اپنے بچے کے لیے سب کچھ وہ آج ہی خرید لے گا۔ خرمن نے بمشکل ہی اسے کنٹرول کیا تھا۔ جانتی تھی کہ وہ کتنا بے تاب اور بے چین ہے۔ رات میں سونے سے پہلے تک وہ بچے کے بارے میں باتیں کرتا رہتا تھا۔ اس کے لیے ابھی سے وہ پلاننگ شروع کر چکا تھا۔ خرمن کو یقین تھا کہ جب وہ اپنے بچے کا چہرہ دیکھے گا تو پاگل ہوا اٹھے گا کیوں کہ وہ ابھی سے اس کے لیے بہت حساس ہوتا جا رہا تھا۔

بہت اچھا ساڈنر کرنے کے بعد وہ دونوں عروسہ کی طرف پہنچے تھے۔ فاران کی خیریت دریافت کرنے، وہ پہلے سے کافی بہتر ہو چکا تھا مگر بازو اور پیر کا پلاستر اترنے میں ابھی وقت لگنا تھا۔ خرمن کو گھر کا ماحول اور فاروق کا مزاج دونوں ہی نارمل لگے تھے۔ عروسہ کے اصرار کے باوجود وہ زیادہ دیر ان کے پاس نہیں رک سکی تھی کیوں کہ اسے بہت زیادہ تھکن محسوس ہو رہی تھی۔

گھر کی طرف واپس روانہ ہوتے ہوئے وہ مطمئن تھی۔ آج کا دن بہت اچھا گزرا تھا۔ کچھ چونک کر اس نے عارش کو دیکھا تھا جو اپنے اپارٹمنٹ کے مین گیٹ میں داخل ہونے کے بجائے آگے بڑھ آیا تھا۔

''ہارون کی طبیعت کے بارے میں پوچھنے کا فرض بنتا ہے تمہارا نہیں اچھا لگے گا۔'' اس کے سوال کرنے سے پہلے ہی وہ بولا تھا۔

''اس وقت؟'' خرمن نے حیرت سے اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھا تھا۔

''عارش! 11 بج چکے ہیں۔ وہ ہماری وجہ سے ڈسٹرب ہو جائیں گے۔''

''مگر مجھے یقین ہے کہ وہ ہمیں دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔'' عارش کا مکمل ارادہ تھا جانے کا لہٰذا وہ بھی خاموش ہو گئی تھی۔

گیٹ پر ہارون نے ہی ان دونوں کا استقبال کیا تھا۔

''میرے لیے یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ F.M ریڈیو کی اتنی مشہور آر جے میرے گھر خود تشریف لائی ہیں۔'' ہارون کے مسکراتے لہجے پر خرمن ہنستے ہوئے ایبک کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو یقیناً خوشی میں ہی چیختا ان کی طرف آیا تھا۔

''مجھے معلوم تھا عارش آپ کو یہاں لے کر آئیں گے۔ مجھ سے وعدہ جو کیا تھا۔'' ایبک چہکا تھا جب کہ ان سب کے ہمراہ آگے بڑھتے ہوئے خرمن صبیحہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو گھر کے داخلی دروازے پر رکیں

ان سب کی ہی منتظر تھیں۔

''آپ نے فون پر مجھ سے شکایت کی تھی کہ میں خرمن کو آپ کے پاس نہیں لایا۔ اب میں نے آپ کی شکایت دور کر دی ہے۔'' عارش نے مسکراتے ہوئے ان سے کہا تھا جو بڑی محبت سے خرمن کو گلے لگا رہی تھیں۔

''نہیں اب تو مزید یہ شکایت ہو گئی ہے تم سے کہ اپنی اتنی پیاری بیوی سے تم اتنی دیر سے ملوا رہے ہو مجھے۔'' صبیحہ کی پر شفقت نظروں پر خرمن مسکرائی تھی۔ وہ اسے بالکل اجنبی نہیں لگی تھیں۔ ان کے چہرے پر پھیلا تقدس، آنکھوں میں چمکتی شفقت اور لہجے کی حلاوت، ان کا لمس سب کچھ اسے فاطمہ جیسا ہی لگا تھا۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہونے تک صبیحہ نے اس کا ہاتھ تھامے رکھا تھا اور اسے اپنے قریب ہی بٹھا لیا تھا۔

''اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' خرمن نے ہارون سے پوچھا تھا۔

''اب میں بہتر ہوں، صبح شاید بدلتے موسم کا اثر تھا جو طبیعت ناساز تھی۔''

''آپ کو پورا یقین ہے کہ موسم کا ہی اثر تھا؟'' عارش کے مسکراتے لہجے پر وہ دھیرے سے ہنسا تھا۔

''آپ بھائی سے ناراض نہیں ہیں۔ ان کی وجہ سے آپ کو سنڈے کو بھی ریڈیو جانا پڑا۔'' ایبک نے خرمن کو مخاطب کیا تھا۔

''خرمن! مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری جگہ تمہیں اور عثمان کو ڈسٹرب کیا جائے گا۔ میں معذرت چاہتا ہوں۔'' ہارون نے فوراً کہا تھا۔

''آپ مجھے شرمندہ مت کریں۔ ہم سب تو حیران تھے کہ آپ اپنا کوئی شو مس نہیں کرتے ہیں۔'' خرمن بول رہی تھی جب کہ اس کے قریب ہی موجود صبیحہ بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔ ڈرائنگ روم کی تیز روشنی میں ڈارک مرون نفیس سے اسکارف میں قید اس کا جگمگاتا چہرہ اس کی آواز سب کچھ ان کے دل میں اتر رہا تھا۔

ہارون کے عارش کی طرف متوجہ ہونے پر وہ صبیحہ کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

''بہت پیاری ہو تم، اپنی آواز سے بھی زیادہ۔'' ان کے لہجے اور آنکھوں میں جانے کیا تھا کہ خرمن کچھ بول نہیں سکی تھی۔

''تمہارے ماں باپ بھی بہت اچھے ہوں گے جنہوں نے تمہاری اتنی اچھی تربیت کی ہے وہ خیریت سے ہیں؟''

''جی وہ دونوں خیریت سے ہیں مگر ابھی اس شہر میں نہیں ہیں۔ بابا اپنے بڑے بھائی کے پاس گئے ہوئے ہیں سرگودھا، امی بھی ان کے ساتھ گئی ہیں۔''

''تمہارے والد کے بڑے بھائی تمہارے تایا ہوئے۔'' صبیحہ مسکرائی تھیں جب کہ کچھ شرمندہ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ تب ہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہشام قزلباش کی نظریں خرمن پر ٹھہر گئی تھیں۔ جب کہ ان کی رعب دار شخصیت نے اسے سنجیدہ اور مرعوب کر دیا تھا۔

عارش نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان سے مصافحہ کیا تھا۔ خرمن نے مدھم لہجے میں ان کو سلام کیا تھا۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں؟'' ہشام قزلباش کے بیٹھتے ہی صبیحہ اٹھ رہی تھیں جب خرمن نے ان کا ہاتھ

تھا تھا۔

"ابھی آتی ہوں تم پہلی بار یہاں آئی ہو، ایسے ہی تو نہیں جانے دوں گی۔" اسکارف میں چھپے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتیں وہ بہت محبت سے بولی تھیں۔

"کوئی تکلف مت کریں۔ میں پہلی بار آئی ہوں مگر آخری بار نہیں، ہم بس اب اجازت چاہیں گے۔"

"خرمن! ابھی تو تم دونوں آئے ہو اور اتنی جلدی تم جانے کی بات کر رہی ہو۔" ہارون نے کچھ ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔

"آپ ناراض مت ہوں ابھی تو صرف ہم آپ کی خیریت دریافت کرنے آئے تھے۔ آئندہ جب آئیں گے آپ کی مرضی سے ہی جائیں گے۔" خرمن سے پہلے ہی عارش نے کہا تھا۔

"دراصل ہم شام سے ہی گھر سے نکلے ہوئے ہیں۔ واپس آتے ہوئے یہاں آنے کا ارادہ ہو گیا۔ ورنہ اتنی رات میں ہم آپ سب کو ڈسٹرب نہیں کرتے۔" خرمن نے کہا تھا۔

"یہ بات عارش کہتے تو میں یقین کر لیتا کیوں کہ یہ جلدی سو جاتے ہیں مگر آپ تو 12 بجے تک ریڈیو پر شو ہوسٹ کر رہی ہوتی ہیں۔" ایبک نے فوراً ہی کہا تھا جب کہ خرمن بس عارش کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"عارش! کم از کم کافی کے لیے تو رک جاؤ تمہاری وجہ سے ہمیں بھی مل جائے گی اور زیادہ وقت بھی نہیں لگے گا۔" ہشام قزلباش بولے تھے۔

"اب تو رکنا ہی پڑے گا۔" عارش نے مسکراتی نظروں سے صبیحہ کو دیکھا تھا۔

"ایسے ہی کہہ رہے ہیں ورنہ روز اسی وقت میں ان کے لیے کافی بناتی ہوں۔" جھینپی مسکراہٹ کے ساتھ بولتیں وہ اٹھ گئی تھیں۔

"خرمن! آپ دوبارہ آئیں گی تو میں آپ کو اپنے پالتو مور دکھاؤں گا۔" ایبک نے اچانک اسے مخاطب کیا تھا۔

"ایبک! اس طرح بڑوں کا نام نہیں لیتے ہیں۔" ہشام قزلباش نے اسے فوراً ٹوکا تھا۔

"پاپا! ہمیں تو شکر ادا کرنا چاہیے کہ یہ ہمارے ناموں سے ہمیں نہیں پکارتے۔" ہارون نے بھی خشمگین لہجے میں ایبک کو مزید شرمندہ کیا تھا۔

"ایبک کو اجازت ہے ہمارے نام لینے کی، اس لیے آپ اس کو مت روکیں۔" عارش نے کہا تھا۔

"ویسے تم خرمن کو مور دکھا کر مجھے کسی مشکل میں نہ پھنسا دینا کیونکہ ہمارے گھر میں کبوتروں کے بعد اب کسی پنجرے کی جگہ نہیں ہے۔"

"آپ کے گھر میں کبوتر ہیں، مجھے کیوں نظر نہیں آئے؟" ایبک نے شدید حیرت سے کہا تھا۔

"اب گھر آؤ گے تو ٹیرس پر جا کر ان کا دیدار کر لینا۔" عارش نے کہا تھا۔

"عارش! تم کبوتروں کے لیے ٹائم کیسے نکال لیتے ہو؟" ہارون بھی حیرانی سے بولا تھا۔

"میں اپنے لیے ٹائم نہیں نکال پاتا آپ کبوتروں کی بات کر رہے ہیں ان محترمہ سے پوچھیں۔ بچپن سے کبوتروں سے عشق ہے ان کو۔"

"خرمن! تم نے کبوتر پالے ہوئے ہیں؟" ہارون نے ہنستے ہوئے حیرت سے اسے دیکھا تھا جواباً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

"بس اب تیار ہو جاؤ، ریڈیو پر تمہارا ریکارڈ لگنے والا ہے۔" ہارون کے کہنے پر وہ ہنسی تھی مگر اگلے ہی پل اس کی ہنسی معدوم ہو گئی تھی۔ جب اس نے ہشام قزلباش کو بہت سنجیدہ نظروں سے اپنی جانب دیکھتا پایا۔ بہت عجیب سا کچھ محسوس کرتی وہ دوبارہ ان کی جانب دیکھنے سے گریز کرتی رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں جب صبیحہ کافی کے ساتھ واپس آئیں تو وہ ایبک سے ہی بات کر رہی تھی جب کہ باقی تینوں مرد حضرات ملکی اور سیاسی حالات پر گفتگو کر رہے تھے۔ کافی پینے کے دوران صبیحہ اس سے ہلکی پھلکی باتیں کرتی رہی تھیں ان سے نظر بچا کر وہ ہشام قزلباش کی طرف متوجہ ہوتی رہی تھی۔ کیوں؟ یہ وہ بھی نہیں جانتی تھی کافی کے بعد عارش نے جانے کی اجازت چاہی تھی کیوں کہ اسے اندازہ تھا کہ خرمن اب گھر جانے کے لیے بے چین ہو گی۔

"خرمن! تم سے اچھی طرح بات بھی نہیں ہو سکی۔ اب جانے کب آؤ گی تم۔" صبیحہ کی آنکھوں میں اسے حسرت سی نظر آئی تھی۔

"آپ فکر مت کریں، میں جلد ہی دوبارہ آؤں گی۔ قریب ہی تو گھر ہے۔ آپ بھی جب چاہیں میرے گھر آ سکتی ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بہت خلوص سے بولی تھی۔ اسے واقعی صبیحہ بہت اچھی اور دل کے قریب لگی تھیں۔

"اچھا! اب جو میں تمہیں دے رہی ہوں۔ بہت محبت سے دے رہی ہوں تم انکار مت کرنا۔" صبیحہ بولی تھیں اگلے ہی پل خرمن دنگ رہ گئی تھی جب انہوں نے اپنے ہاتھ سے ایک انگوٹھی اتار لی تھی۔

"یہ کیوں کر رہی ہیں آپ، اس کی کیا ضرورت... ہر؟" خرمن نے انہیں روکنا چاہا تھا مگر وہ ان سنی کیے انگوٹھی اس کے ہاتھ میں پہنا چکی تھیں۔ جب کہ اس نے مدد طلب نظروں سے عارش کو دیکھا تھا۔

"عارش کی طرف مت دیکھو وہ کچھ نہیں کہے گا اور اگر کہے گا تو میں اس سے ناراض ہو جاؤں گی۔" صبیحہ نے مسکراتی نظروں سے عارش کو دیکھا تھا۔

"آپ یہ اس لیے کہہ رہی ہیں کہ آپ کو یقین ہے میں آپ کو ناراض نہیں کر سکتا۔ اب ہمیں یہاں سے رخصت کرنے سے پہلے کچھ توجہ آپ مجھے دیں گی؟" عارش نے مسکراتے ہوئے سر ذرا ان کے سامنے جھکایا تھا۔

"ظاہر ہے تم میرے لیے خرمن سے پہلے ہو۔" پر شفقت انداز میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتیں وہ مسکرائی تھیں۔ صبیحہ کے ہمراہ باہر آتے ہوئے اسے ہشام قزلباش ارد گرد دکھائی نہیں دیئے تھے۔ بالکل غیر ارادی طور پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا تھا۔ دور رکے ہشام قزلباش اس کی طرف ہی متوجہ تھے جو گڑبڑا کر فوراً ہی اپنے ساتھ چلتیں صبیحہ کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر عارش نے ایک نظر اسے دیکھا تھا جو اپنی انگلی میں چمکتی نازک سی انگوٹھی پر نظر جمائے بالکل خاموش تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" عارش کی آواز نے اسے چونکایا تھا۔

"مجھے بہت عجیب لگ رہا ہے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ کا زیور اتار کر مجھے دے دیا۔ انہوں نے اتنی محبت اور عزت دی وہ کافی تھا۔" وہ تذبذب میں مبتلا بولی تھی۔

"یہ ان کی محبت کا اظہار ہے جس کے لیے دل میں محبت ہوتی ہے اس کے سامنے قیمتی سے قیمتی چیز بھی اہم نہیں رہتی اور تم اس قابل ہو کہ تمہیں اپنا سب کچھ دے دیا جائے۔" ایک گہری نظر اس پر ڈالتا وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

"تمہیں کیسے لگے ہارون کے پیرنٹس؟" اس کی خاموشی پر وہ پوچھ رہا تھا۔

"بہت اچھے۔" وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔ اچانک ہی اس کی آنکھوں کے سامنے ہشام قزلباش کا چہرہ آگیا تھا۔ ان کی پر کشش شخصیت نے اسے بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔

☆......☆

شدید گھبراہٹ، بے چینی اور بے قراری نے آج پھر انہیں نڈھال کر رکھا تھا۔ رات دھیرے دھیرے قیامت بن کر آج پھر ان پر گزر رہی تھی۔ چہار سمت پھیلی تاریکی اور گھٹن میں زندگی کہاں تھی۔ گھٹتی سانسوں کے ساتھ ان کے جسم سے جان کھنچتی جا رہی تھی۔ لرزتے قدموں سے چلتیں وہ اسٹڈی روم کے کھلے دروازے پر رک گئی تھیں۔ سامنے وہی منظر تھا وہی عذاب ناک خاموشی میں دل کو چیر دینے والی گریہ وزاری کی کرب ناک کراہیں جو اس شخص کے دل سے ابھرتیں لبوں سے آزاد ہو رہی تھیں۔ صبیحہ کو اپنے دل میں کئی خنجر ایک ساتھ اترتے محسوس ہوئے تھے۔ یہ اذیت نا قابل برداشت تھی۔

سجدے میں گرے اپنے دل کے زخم اللہ کو دکھاتے ہوئے اس انسان کو کتنے سال گزر چکے تھے۔ دیوار کا سہارا لیے وہ بمشکل توازن قائم رکھ سکی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے گرتے آنسوؤں کا درد ہرگز بھی اس انسان کے درد سے کم نہیں تھا جو سجدے میں تھا یہ فریادیں کب تک دل سے نکلتی رہیں گی اور جانے کب آسمان والے تک پہنچیں گی۔ یہ صبر تو اب زندگی کے ساتھ ختم ہونا تھا اور زندگی اب وہ بھی کتنی رہ گئی تھی۔ ان کے بے آواز آنسو اور دل کے اندر اٹھتا درد کا تلاطم سینہ کوبی پر مجبور کر رہا تھا۔ پتہ نہیں کس طرح وہ اپنے بکھرتے وجود کو کھینچتیں وارڈ روب تک گئی تھیں۔ وہ قیمتی بیگ جس میں ان کی جان ان کی سانسیں اور خوشیاں تک بند تھیں اسے سینے سے لگائے وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی تھیں۔ اسٹڈی روم سے باہر آتے ہشام قزلباش ساکت کھڑے رہ گئے تھے۔ کئی چابک ان کی پشت پر پڑتے عذاب کو بڑھا گئے تھے۔ بیگ میں سے ایک ایک چیز نکالتیں وہ دیوانہ وار ان سب چیزوں کو چومتی جا رہی تھیں۔ یہ کام وہ پہلی بار نہیں کر رہی تھیں۔ وہ کام جو موت سے بڑھ کر اذیت ناک تھا۔ رات کے پہروں میں یہ کام کرنا ان کی زندگی کا لازمی حصہ بن چکا تھا۔ اپنے وجود کے گم شدہ حصے کو اس کی خوشبو کو اس کے لمس کو ڈھونڈنے کے لیے جو کہیں وقت کے اندھیروں میں گم ہو چکا تھا۔ اس کی تلاش میں انہیں اس بیگ کو کھولنا پڑتا تھا۔ جس میں ان کی زندگی قید تھی۔ ڈبڈبائی نظروں سے صبیحہ نے ان کو دیکھا تھا جو بہت خاموشی سے قریب آئے تھے۔ شدتِ ضبط سے ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ ایک لفظ بھی کہے بغیر

وہ بکھری چیزوں کو واپس بیگ میں ڈالنے لگے تھے۔

"یہ سزا کب ختم ہو گی۔ میں دن رات اللہ سے پوچھتی ہوں مگر مجھے جواب نہیں ملتا۔ آپ اللہ سے پوچھیں اسے ہم پر رحم کب آئے گا۔" زاروقطار روتیں وہ کہہ رہی تھیں۔

"اللہ سے سوال نہیں کیے جاتے صبیحہ! اس کے لیے جو صبر تم کرتی آئی ہو اسے ضائع مت کرو۔" وہ لرزتے لہجے میں بولے تھے۔

"اور کتنا صبر؟ یہ صبر تو مجھے ختم کر چکا ہے۔ اب کیا بچا ہے۔" ان کے بازو سے سر ٹکائے وہ بلک اٹھی تھیں اور ہشام قزلباش کے پاس کہنے کے لیے کوئی لفظ بھی نہیں رہا تھا۔ تسلی کے لفظ صبر کی تلقین یہ سب سالوں سے دہراتے وہ تھک چکے تھے۔ لفظوں کی تاثیر ختم ہو چکی تھی اور اب تو تمام لفظ بھی مگر طویل عرصے سے تڑپتی بلکتی عورت کو ان کے لفظوں کا ہی تو سہارا رہا تھا اب تک وہ جانتے تھے کہ اگر صبیحہ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تو وہ مر جائیں گی اور وہ خود بھی تو اندر سے کھوکھلے ہو چکے تھے۔

"اللہ کی رضا میں راضی رہو صبیحہ! وہ کب تمہاری آہیں سن لے کب اپنے کرم کی بارش کر دے کون جانتا ہے وہ کبھی اپنے بندوں کو مایوس نہیں کرتا۔"

"مگر میری ساری امیدیں ختم ہو چکی ہیں اور میں بھی۔ کوئی ایک بار مجھے اس کا چہرہ دکھا دے۔ اس کے بعد زندگی بھی مجھ سے چھین لے۔" ہذیانی انداز میں روتی چیختیں وہ جیسے دیوانہ وار کمرے سے نکلی تھیں مگر پھر یکدم ہی ان کی چیخیں دم توڑ گئی تھیں۔

وحشت زدہ نظروں سے وہ اسے دیکھ رہی تھیں جو ریلنگ پر ہاتھ رکھے آخری اسٹیپ پر رکا ہوا تھا۔ صبیحہ کو دیکھتے ہوئے اس کا دل کسی آہنی شکنجے میں جکڑنے لگا تھا اور چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ اس کی نظریں ان پر ہی ساکت تھیں جو دھیرے دھیرے چلتیں اس کے قریب آچکی تھیں۔ وہ چاہتا تھا کہ کہیں دور بھاگ جائے مگر وہ پتھر کا مجسمہ بن چکا تھا۔

"ہارون! تم جانتے ہو اس کی آنکھیں بالکل تمہارے جیسی تھیں۔" لرزتے لہجے میں بولتے ہوئے انہوں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھر کر اسے اپنی طرف جھکایا تھا۔

"آخری بار تم نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔" بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ بے اختیار اس کی آنکھوں کو چوم رہی تھیں۔ بار بار چوم رہی تھیں۔ ان کے آنسوؤں سے اس کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں جو آج بھی اپنے ضمیر کی عدالت میں مجرم تھا اس بے بس تڑپتی عورت کا گناہ گار تھا۔

"آخری بار تم نے اسے چھوا تھا۔" وہ اب دیوانہ وار اس کے ہاتھوں کو چوم رہی تھیں۔ ساکت کھڑے ہشام قزلباش نے بمشکل آگے بڑھ کر صبیحہ کے ہاتھوں سے اس کے ہاتھ چھڑائے تھے۔ ضبط سے خون رنگ ہوتی آنکھوں سے ہارون نے باپ کے چہرے پر پھیلی اذیت کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل سیڑھیاں چڑھتا گیا تھا۔ صبیحہ کی کراہوں نے اسے کسی پاتال میں لے جا کر غرق کر دیا تھا۔

"اسے کوئی بددعا مت دینا صبیحہ! ہمارے ساتھ وہ بھی مستقل اذیت کو سہتا آرہا ہے۔ میں مرتے دم تک تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی کی بھیک مانگتا رہوں گا مگر تم اسے......" آج پھر وہ بھیگتے لہجے میں

ان سے التجا کر رہے تھے جوان کے سینے سے لگیں روتے روتے نڈھال ہو چکی تھیں۔

☆......☆

گہری نیند ٹوٹنے کا سبب شاید اس کی سانسیں بھی تھیں جو سینے میں پھنس رہی تھیں۔ سن دماغ اور وجود کے ساتھ وہ اب تک ان دردناک کراہوں اور تاریک ہیولوں کے درمیان گھری ہوئی تھی۔ چند لمحے اسی طرح ساکت رہنے کے بعد اس نے ایک نظر گہری نیند سوئے عارش کو دیکھا تھا اور پھولی سانسوں کو سنبھالتی اٹھ بیٹھی تھی۔ اس کی پیشانی عرق آلودہ تھی۔ اندر گھٹن بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک بے بسی سے اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ یہ سب اب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ اب پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ جہاں تاریکی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ یہ وہ جانتی تھی کہ کتنی بار خود کو مار کر اس نے زندگی کو اپنے موافق بنایا تھا۔ ہر سوچ ہر خیال ہر سوال کو کھرچ کر دل و دماغ سے نکال پھینکنے میں اس کو زمانے لگے تھے۔ خود کو چابک مار مار کر سدھایا تھا۔ ایک ایک کرچی کو سمیٹنے کے بعد وہ اب پھر سے بکھرنا نہیں چاہتی تھی۔ ایک نئی زندگی میں داخل ہو کر بڑی مشقتوں سے اس نے خود کو ایک سانچے میں ڈھالا تھا۔ کم از کم اب وہ اپنی اس نئی زندگی تک، ماضی کے کسی تاریک سائے کو رسائی حاصل کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔ جو خلا تھا اسے اب کبھی نہیں بھرنا تھا۔ وہ یہ قبول کر چکی تھی اسے قبول کرنا ہی تھا ورنہ اس دنیا میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ اپنی زندگی کی وہ اب قدر کرتی تھی۔ زندہ رہنا اسے عزیز ہو چکا تھا۔ اب اس مقام تک آ کر وہ بار بار مرنے کی اذیت نہیں سہنا چاہتی تھی۔ سائیڈ ٹیبل کی دراز سے اِن ہیلر نکالتے ہوئے وہ اپنے اعصاب کو مضبوط کرنے کی کوشش میں کامیاب ہو رہی تھی۔ اس کا حال اس کے ماضی سے زیادہ طاقتور ہے اور اسے صرف اپنے حال میں جینا ہے۔ اپنے مستقبل کو تابناک کرنا ہے جو گزر گیا سو گزر گیا۔ دھیرے دھیرے پانی کے گھونٹ لیتی وہ پرسکون ہونے لگی تھی۔ خالی گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتی وہ چونک کر عارش کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا، بس پیاس لگی تھی اس لیے اٹھ گئی۔" اس کے استفسار پر وہ بتا رہی تھی۔

"تم بالکل برف کی طرح سرد ہو رہی ہو۔" اس کا ہاتھ تھام کر قریب کرتا وہ تشویش میں مبتلا ہوا تھا۔

"مجھے تمہاری طبیعت بہتر نہیں لگ رہی۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں، کمبل سے باہر تھی اس لیے میرے ہاتھ ٹھنڈے محسوس ہو رہے ہیں۔ تمہیں اب مجھے سونے دو۔" اس کے بازو پر سر رکھے وہ بند آنکھوں کے ساتھ بولی تھی۔

"میں پریشان ہو گیا تھا۔" اس پر کمبل ٹھیک کرتا وہ بولا تھا۔

"تمہیں پریشان ہونے کا شوق ہے۔"

"سن کر اچھا لگا۔" اس کے ناراض لہجے پر بند آنکھوں کے ساتھ بس مسکرائی تھی۔

(جاری ہے)





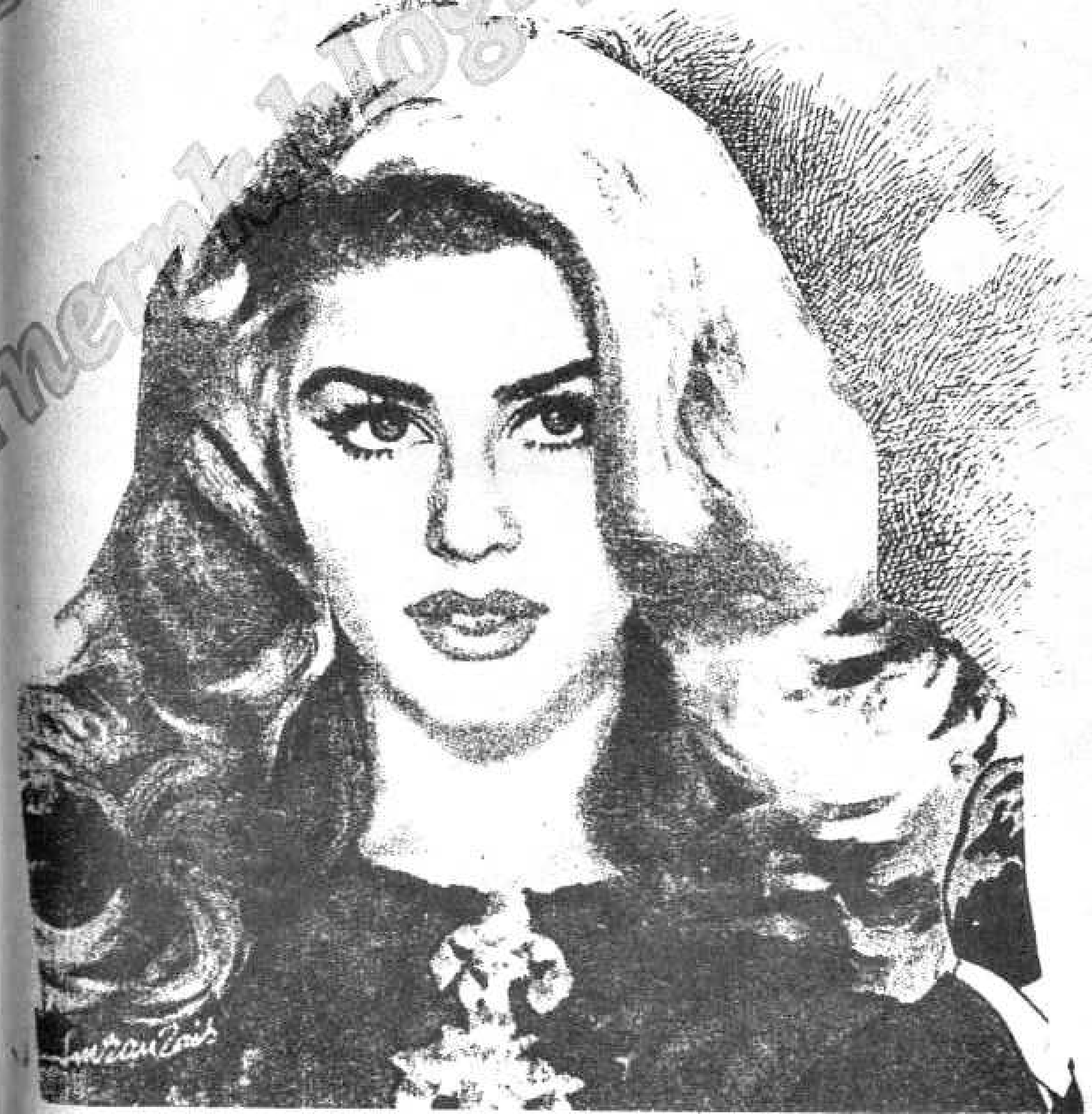


مہرین کنول

افسانہ

میں، تم اور سالِ نو

سلجوق کل ہی کینیڈا سے آیا تھا چھ سال قبل وہ پڑھنے گیا تھا۔ پڑھائی مکمل کرنے کے بعد وہیں اپنا بزنس بھی جما لیا تھا۔ سب گھر والے، مائرہ اور احمر (سلجوق کے ماں باپ) اور چچا چچی احسن اور ہادیہ



اس سے مل کر بہت خوش تھے۔ وہ صبح جلدی بیدار ہوگیا تھا۔ واش روم سے نہا دھو کر نکلا تھا بلیک کلر کی ڈریس پینٹ شرٹ گوری رنگت میں اس کا چہرہ خوب دمک رہا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"yes, come in" "اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر لگے آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے کہا تھا۔ دروازہ کھول کر تسبیح ٹرے لے کر اندر داخل ہوئی تھی۔ سلجوق ایک ہاتھ میں ڈرائیر تھامے اور ایک ہاتھ میں برش لیے بالوں کو سنوار رہا تھا۔ تسبیح ٹرے ٹیبل پر رکھ کر اس کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔

"ہماری جوڑی کتنی اچھی لگتی ہے ناں؟" آئینے میں اس کے ساتھ بننے والی شبیہہ کو ہنوز تکتے ہوئے بولی۔

"مجھے تمہاری یہ حرکتیں اور بے تکی باتوں سے چڑ



ہے۔‘‘سلجوق فوراً آئینے کے سامنے سے ہٹا تھا۔

’’ہا ہا ہا۔‘‘ وہ بے اختیار ہنسی تھی اور پھر ٹرے کی طرف بڑھی تھی۔

’’یہ لیجیے چائے۔‘‘ تسبیح نے کیتلی سے چائے کپ میں ڈال کر سلجوق کو دیتے ہوئے کہا۔

’’میں چائے نہیں پیتا۔‘‘ سلجوق نے ناگواری سے تسبیح کو دیکھتے ہوئے کہا۔

’’لیکن آپ تو ہر صبح چائے پینا پسند کرتے ہیں۔‘‘ تسبیح کو حیرت ہوئی تھی۔

’’مجھے تمہارے ہاتھ کی چائے پینا پسند نہیں۔‘‘ اس نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

’’جیسی آپ کی مرضی۔‘‘ تسبیح زیادہ بحث کرنے کے موڈ میں نہیں تھی اس لیے چائے کا کپ واپس ٹرے میں رکھ کر بولی تھی۔

“happy new year” تسبیح نیو ایئر کارڈ سلجوق کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

’’مجھے یہ چونچلے بالکل پسند نہیں ہیں۔ کیا جتانا چاہ رہی ہو؟‘‘ سلجوق نے کارڈ لے کر بیڈ کے ایک طرف بے دردی سے پھینکتے ہوئے کہا۔

’’ایسی بھی کیا بے رخی، آپ کی بچپن کی منکوحہ ہوں، بھئی بچپن میں آپ ہم پر بہت مرا کرتے تھے ناں۔‘‘ تسبیح شرارت سے بولی تھی۔

’’اب اپنی شکل لے کر یہاں سے چلی جاؤ، میں بچپن کے نکاح کو نہیں مانتا۔ وہ سب صرف گڈے گڑیا کا کھیل تھا، جسے ہمارے بڑوں نے کھیلا تھا میں بھول چکا ہوں تم بھی بھول جاؤ۔‘‘ سلجوق نے سفاکی سے کہا تھا۔

تسبیح اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی تھی۔ آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کر کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

تسبیح کے جانے کے بعد سلجوق نے اپنا موبائل اٹھایا اور ایک شناسا فوٹو دیکھنے لگا، کتنا معصوم اور بھولا بھالا چہرہ تھا اس کا جسے تمکین حیدر کہتے تھے۔ اس کے دوست اشعر کی کزن تھی۔ کینیڈا میں ہی اشعر کی پارٹی میں ملاقات ہوئی تھی، زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔

☆......☆

دوپہر کے کھانے کی ٹیبل پر سب ہی موجود تھے سلجوق بھی اپنے کمرے سے نکل کر ڈائننگ ٹیبل پر کرسی گھسیٹ کر بیٹھا تھا۔

’’واہ آج کھانا لگتا ہے مام آپ نے بنایا ہے؟‘‘ سلجوق نے مائرہ کو مخاطب کیا جو اس کی پلیٹ میں قورمہ ڈال رہی تھیں۔

’’نہیں بیٹا آج یہ سب کھانے تسبیح نے بنائے ہیں، خاص تمہارے لیے۔ بڑی سعادت مند بچی ہے۔‘‘ مائرہ نے شفقت سے بیٹے کو کہا تھا۔

’’لیکن مجھے یہ کھانے بالکل پسند نہیں۔‘‘ سلجوق نے پلیٹ پرے ہٹا کر نخوت سے کہا۔

’’لیکن بیٹا یہ سب تمہاری پسند کے کھانے ہیں تم تو بڑے شوق سے کھاتے ہو۔‘‘ مائرہ نے حیرت سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

’’جی مام! لیکن مجھے تسبیح کے ہاتھ کے کوئی پکوان نہیں پسند۔‘‘ سلجوق ناپسند لہجے میں کہہ کر وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ تسبیح اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو چھپائے وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

’’معاف کیجیے میں ذرا دیکھتی ہوں۔‘‘ حیرت سے دیکھتے احسن اور ہادیہ سے نظریں چراتے ہوئے مائرہ نے کہا تھا اور سلجوق کے کمرے میں آئی تھی۔

’’سلجوق! یہ کیا بدتمیزی ہے کیا یہی اخلاق سیکھ کر آئے ہو کینیڈا سے، نہ بڑوں کا لحاظ مروت کچھ نہیں تمہارے چچا چچی کیا سوچتے ہوں گے تمہارے بارے میں کل تسبیح کی رخصتی ہے وہ اب ہمیشہ کے لیے تمہارے پاس آ جائے گی، ایسے میں تمہارا رویہ ہر کسی کو ناگوار گزرے گا۔‘‘ مائرہ نے سلجوق کو ڈپٹتے ہوئے کہا۔

’’کیا کہہ رہی ہیں آپ مام! میری اور تسبیح کی شادی! تسبیح کی رخصتی امپاسبل! اور مجھے بتایا بھی نہیں۔‘‘ گویا سلجوق کے اوپر بم پھٹا تھا۔

’’مام! یہ رخصتی نہیں ہو سکتی، میں تسبیح کو پسند نہیں کرتا۔‘‘ سلجوق نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

’’ہمارا ارادہ تمہیں سرپرائز دینے کا تھا مگر تمہیں نہ جانے کیا پریشانی ہے تسبیح سے، جب سے آئے ہو تسبیح سے ٹھیک طرح سے سلوک نہیں کرتے وہ تمہاری منکوحہ ہے بچپن میں ہی تم دونوں کا نکاح کر دیا گیا تھا، یہ سب تمہیں پتہ ہے، میں اب مزید تمہاری ایک نہیں سنوں گی کل شام ہی رکھی گئی ہے رخصتی، تم تیار رہنا۔‘‘

’’مام! یہ سارا فساد وہ نکاح ہے جو تسبیح کے ساتھ بچپن میں ہوا تھا، میں ابھی جا کر اسے طلاق......!!‘‘

’’چٹاخ!‘‘ ایک تھپڑ سلجوق کے گال پر مائرہ نے مارا تھا۔

’’اتنی بڑی بات تم سوچ بھی کیسے سکتے ہو اگر ایسا کیا تو میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے۔‘‘ مائرہ سلجوق کو ہکا بکا چھوڑ کر چلی گئیں۔ سلجوق نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ رخصتی نہیں ہونے دے گا۔

صبح شام میں ہونے والی تقریب کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ سلجوق کو ناشتہ کرانے کے بعد مائرہ اسے ایک دیدہ زیب لباس دے کر اسے تاکید کر کے چلی گئی تھیں اور دوسری طرف تسبیح سہانے خواب ملنے کی خوشی میں تیار ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ شام بھی ہو چلی تھی۔ مہمانوں کی آمد بھی ہو رہی تھی۔ کیا کیا نہ آرائش اور زیبائش کی گئی تھی۔ مہندی، چوڑیاں، بندیا، نت جھومر، رانی ہار، جھمکے، انگوٹھیاں، پائل اور پنک کلر کا خوبصورت سا بھاری نفیس کام کا شرارہ۔ اس پر پوری دلہن کا نکھار آیا ہوا تھا۔

مائرہ تسبیح کو دیکھ کر سلجوق کے کمرے میں آئی تھیں۔ ’’سلجوق...... سلجوق بیٹا!‘‘ مائرہ نے کمرے کا جائزہ لیا۔ وہ کہیں موجود نہ تھا۔ اچانک مائرہ کی نظر ٹیبل پر رکھے کاغذ پر پڑی وہ اسے اٹھا کر پڑھنے لگیں۔

’’مام! جس وقت آپ میرا خط پڑھ رہی ہوں گی، میں یہاں سے جا چکا ہوں گا۔ میں تسبیح کو پسند نہیں کرتا۔ میں کینیڈا واپس جا رہا ہوں۔‘‘ مائرہ کے ہاتھ سے خط گر چکا تھا۔

تسبیح کو جب یہ پتہ چلا اس پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ اس نے رو رو کر برا حال کر لیا۔ احسن اور ہادیہ، بیٹی کے غم میں پاگلوں کی طرح مائرہ اور احمر پر برس پڑے۔

’’بھائی صاحب اور بھابھی ہم نے اپنی بیٹی آپ کو کیا اس لیے سونپی تھی کہ ایک دن آپ کا بیٹا اسے یوں بھری محفل میں تماشہ بنا کر چھوڑ کر چلا جائے۔ ہماری بیٹی کی زندگی برباد کر دی سلجوق نے۔‘‘ احسن نے احمر اور مائرہ کو کھور پن سے لتاڑا۔

’’نہیں پاپا جانی! اس میں تایا ابو اور تائی امی کا کوئی قصور نہیں، سلجوق نے لاپروائی کا مظاہرہ کیا ہے میرا ان سے نکاح ہوا ہے نکاح کے وقت عمریں ہی کیا تھیں۔ میری گیارہ سال اور ان کی اٹھارہ سال میری رخصتی وقت پر چھوڑ دیجیے۔‘‘ مہمان تو سلجوق کے جانے کا سن کر چہ مگوئیاں کرتے چلے گئے تھے۔ احسن اور ہادیہ منہ بنا کر اپنے کمرے میں چلے آئے اور مائرہ اور احمر، تسبیح کو خود سے لگائے اپنی نالائق اولاد پر آنسو بہاتے رہے۔

☆......☆

’’سلجوق یہ بریسلیٹ کس کے لیے لے رہے ہو؟‘‘ جیولری شاپ پر کھڑے سلجوق کو بریسلیٹ خریدتے دیکھ کر پوچھا تھا۔

’’وقت آنے پر بتا دوں گا۔‘‘ سلجوق نے رازداری سے کہا تھا۔

’’اور یہ کب آئے گا وقت؟‘‘ اشعر نے معنی خیزی

سے کہا۔

"بہت جلد۔" سلجوق نے شاپ سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

اشعر کو اس کے گھر ڈراپ کر کے سلجوق تمکین حیدر کے گھر آیا تھا۔ تمکین آئے روز اس کا استقبال کرتی سلجوق کے لائے ہوئے گفٹ لے لیتی اور کبھی کبھی ریسٹورنٹ بھی جاتی اور کبھی بھاری شاپنگ کرتی۔ سلجوق دل کے ہاتھوں مجبور اس کے نخرے اٹھاتا۔ ایک دن سلجوق کا دل ٹوٹا تھا تمکین کے گھر اس نے اس کا رشتہ مانگا تھا۔

"تمکین اپنے کزن کے ساتھ منسوب ہے۔" تمکین کی ماں نے ہی سلجوق کو بتایا تھا۔ تمکین نے بھی بے رخی برتی تھی۔ اشعر بھی وہاں موجود تھا اور سلجوق پر غصہ ہوا تھا۔

"سلجوق مجھے پہلے بتانا چاہیے تھا کہ تم تمکین میں انٹرسٹڈ ہو تا کہ میں تمہیں پہلے روک لیتا۔" اشعر نے نخوت سے کہا۔

"لیکن کیوں، اگر مجھ سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا تھا تو مجھ سے وہ تحفے کیوں لیے گئے اور تمکین اتنے آرام سے میرے ساتھ شاپنگ اور ریسٹورنٹ کیوں جاتی تھی؟" سلجوق کو بھی غصہ آیا تھا تمکین سے زیادہ خود پر کہ وہ کیسے اتنی کٹھور اور بے مروت لڑکی کے جھانسے میں آ گیا۔

"تم سے وہ تحفے کسی نے نہیں مانگے تھے' تم خود لاتے تھے۔ شاپنگ اور ریسٹورنٹ بھی خود لے کے جاتے تھے۔ آئندہ یہاں قدم مت رکھیے گا۔" تمکین نے سلجوق کو دوٹوک لہجے میں کہا۔ اشعر الگ منہ بسورے ہوئے تھا۔

سلجوق بڑی ریش ڈرائیونگ کر کے گھر پہنچا تھا۔ آنکھوں میں آئی نمی کو روک نہیں پا رہا تھا۔ اپنے کمرے کی ہر چیز اٹھا اٹھا کر پھینک رہا تھا۔ چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا اور زار و قطار رو رہا تھا کہ ایک فیملی فوٹو ہاتھ میں آئی اس سے پہلے کہ اسے پھینکتا ہاتھ روک لیا اپنے ماں باپ اور چچا چچی کے پُرشفیق چہرے جیسے اسے دیکھ رہے ہوں اور ان کے ساتھ ایک معصوم چہرہ شریر آنکھیں لیے اس سے سوال کر رہا تھا۔

"سلجوق دل ٹوٹنے کا مزہ چکھا' کیسا لگ رہا ہے؟" سلجوق کی آنکھوں سے سیل رواں تھا جو اس کے چہرے کو گیلا کر رہا تھا اور کب وہ نیند کی وادیوں میں چلا گیا اسے پتہ ہی نہیں چلا۔

☆......☆

"سلجوق آفس سے سیدھا گھر پہنچا تھا۔ عاقب، سلجوق کا خالہ زاد کزن پاکستان سے آیا تھا' اس کے گھر پہلے سے موجود تھا۔

"ارے عاقب تم یہاں کیسے؟" سلجوق نے حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت سے پوچھا تھا۔

"بھئی تم سے سخت ناراضی کا اظہار کرنے آیا ہوں' تم اتنے بڑے بزدل نکلو گے میں نے سوچا بھی نہیں تھا آخر کیا برائی تھی تسبیح بھابھی میں' میں تو کہتا ہوں جا کر دیکھو وہاں پر تمہارے ماں باپ کی جو تم نے ان کی خدمت کرنی تھی وہ بھی تسبیح بھابھی سر انجام دے رہی ہیں اگر کچھ شرم ہے تو چلے جاؤ وہاں۔" عاقب یہ کہہ کر وہاں سے چلتا بنا سلجوق خجل سا ہو کر تسبیح کی فوٹو کو تکتا مخاطب ہوا۔

"لگتا ہے آپ ہمارا انتظار کر رہی ہیں، اب آپ کا انتظار ختم۔" اور پھر سب حیران رہ گئے سلجوق اچانک لوٹ آیا۔ مائرہ اور ہادیہ کی آنکھیں اشکبار تھیں، سلجوق نے ان کو کہا تھا۔

"آپ رخصتی کی تیاری کیجیے۔" سلجوق نے ماحول خوشگوار کیا تھا۔ اس بات پر احسن اور احمر نے سب کچھ بھلا کر اس کو گلے لگا لیا۔ تسبیح نے اس کی آمد کا سنا تو خوشی کے بجائے اس کے آنسو رواں ہو گئے۔ مائرہ

نے اسے آ کر سلجوق کے لیے پکوان بنانے کے لیے کہا اور تسبیح منع نہ کر سکی۔

"واہ بہت خوب یہ قورمہ کس نے بنایا ہے؟" سلجوق نے کھانا کھاتے ہوئے مائرہ سے پوچھا۔

"بیٹا یہ تسبیح نے بنایا ہے مگر تم کو تو اس کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں' میری طبیعت ذرا ناساز تھی اسی لیے تسبیح سے کہہ دیا تھا۔" مائرہ نے سادگی سے کہا تھا۔

"ہام! تسبیح واقعی بہت اچھا کھانا بناتی ہے after all اب اسی کے ہاتھوں سے زندگی بھر کھانا ہے۔" سلجوق کی بات پر سب نے قہقہہ لگایا اور تسبیح وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

رات کو سب سے نظریں بچا کر سلجوق، تسبیح کے روم میں آیا۔ تسبیح اپنی سوچوں میں گم ڈریسنگ ٹیبل پر لگے آئینے کے سامنے بیٹھی تھی کہ اچانک ایک اور شبیہہ اس کے سامنے بنی تھی۔

"ہماری جوڑی کتنی اچھی لگتی ہے ناں؟" سلجوق نے شرارت سے کہا۔ تسبیح کے بے اختیار ہٹنے پر سلجوق حظ اٹھاتا قہقہہ لگانے لگا۔

"آپ یہاں سے چلے جائیں مجھے ایسی حرکتیں پسند نہیں۔" تسبیح نے ناگواری سے کہا۔

"ایسی بھی کیا بے رخی، بھئی میرے بھاگنے سے پہلے تم ہم پر بہت مرا کرتی تھیں ناں؟" سلجوق نے شرارت سے کہا۔

"دیکھیے میری نقل مت اتاریے کیا جتانا چاہ رہے ہیں آپ؟" تسبیح نے پُرشکوہ انداز میں پوچھا تھا۔

ہم نہ رہے ہم جو تھے کبھی
خود کو چھوڑا پیچھے کہیں
تیری اور بڑھنے لگے
تیری طرح بننے لگے
اب تو محبت میں لٹنے چلے

سلجوق خمار لہجے میں گنگناتا ہوا ایک ڈائمنڈ بریسلیٹ تسبیح کو پہنانے لگا۔

"چھوڑ دیں میرا ہاتھ۔" تسبیح نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی۔

بھئی آپ ہماری منکوحہ ہو، کل آپ کی رخصتی ہے بارات لے کر آؤں گا تیار رہنا۔" یہ کہہ کر سلجوق کمرے سے نکل گیا اور تسبیح انگشت بدنداں رہ گئی۔

سلجوق دھوم دھام سے بارات لے کر ہال میں آیا تھا۔ رخصتی شاندار ماحول میں ہوئی تھی کہ سب کی آنکھیں خوشی سے اشکبار تھیں۔ تسبیح دلہن بنی سلجوق کی سیج پر بیٹھی تھی۔ سلجوق کمرے میں داخل ہوا تھا تسبیح کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

"آہم!" سلجوق نے گلا کھنکھارا۔ تسبیح نے پلکیں اٹھا کر اوپر دیکھا۔ سلجوق نے ایک مخملی ڈبیا کھول کر ڈائمنڈ رنگ تسبیح کی انگلی میں پہنا دی۔

"سال نو مبارک ہو تسبیح!" ایک نیو ایئر کارڈ تسبیح کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے سلجوق نے کہنا شروع کیا۔

"تسبیح ماضی میں جو مجھ سے غلطیاں ہوئی ہیں وہ دوبارہ نہیں دہرائی جائیں گی۔" سلجوق نے تسبیح کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"وعدہ!" تسبیح نے کہا۔

"پکا وعدہ آؤ اب ہم تینوں خوشی کی بہاروں کو ایک ساتھ well come کریں۔"

"تینوں......؟" تسبیح نے حیرت سے پوچھا۔

"میں، تم اور سال نو' ہاہاہا۔" سلجوق اور تسبیح مسکرا دیے تھے۔

سال نو ان کی نئی زندگی کی شروعات میں ساتھ ساتھ تھا۔

☆......☆

گیتی آراء

افسانہ

اعتراف

”ارے ثمینہ! تم نے قمر میاں کی دلہن کو دیکھا‘ ارے کروڑوں کا جہیز اپنے ساتھ لائی تھی‘ کرین کے ذریعے جہیز اترا تھا..... کرین کے ذریعے!“ موٹے بھدے نقوش والی عارفہ رحیم اپنی مردانہ آواز کے



ساتھ محو گفتگو تھیں۔

”اور یہ بھی نہیں کہ قمر میاں کی دلہن کوئی بدشکل یا کم شکل لڑکی تھی‘ جس کی خانہ پوری کے لیے اماں بابا نے بیٹی کو جہیز سے لاد دیا ہو‘ ارے میں تو کہتی ہوں ارشد بھائی کی بہو چاند کا ٹکڑا ہے چاند کا ٹکڑا۔“ وہ اپنی پھولی سانسوں کے ساتھ تھوڑی دیر کو رکی اور ایک دم سے پھر شروع ہو گئی۔

”ارے ارشد بھائی نے تو صاف کہہ دیا تھا لڑکی والوں سے کہ ہمیں جہیز وہیز کچھ نہیں چاہیے۔ اللہ کا دیا ہمارے پاس سب کچھ ہے‘ ہمیں تو بس آپ کی بیٹی چاہیے‘ بس آپ دو کپڑوں میں اپنی بیٹی کو بیاہ کر ہمارے حوالے کر دیں لیکن اس بندے نے بھی اپنی شان دکھا دی‘ بیٹی کو اتنا جہیز دیا کہ سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔“

عارفہ رحیم اپنے بھتیجے کی دلہن کا ذکر ایسے فخر و غرور سے کر رہی تھیں کہ جیسے وہ خود ہی کرین سے جہیز لے کر اتری تھیں۔

”ارے عارفہ! تم نے وہ برابر والی مدیحہ باجی کو نہیں دیکھا کس قدر جہیز دیا ہے انہوں نے اپنی تینوں بیٹیوں کو اور کیا فائیو اسٹار ہوٹل میں اپنی تینوں بیٹیوں



کی شادی کی واہ واہ!'' ثمینہ بیگم نے بھی عارفہ بیگم کی تائید میں ایک اور مالدار پارٹی کا قصہ چھیڑ دیا۔

''ہاں ہاں ثمینہ! مجھ سے زیادہ اور کس کو علم ہوگا اس بات کا اور تمہیں پتہ ہے وہ بے چاری تھی کیا؟ ایک معمولی اسکول ٹیچر زمانہ عش عش کر رہا تھا ان کی بیٹیوں کی شادی پر۔'' عارفہ رحیم نے اپنی بات ختم کر کے دادطلب نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ تو ثمینہ بیگم نے بھی ان کی تائید میں بولنا اپنا فرض سمجھا۔

''ہاں عارفہ! بڑی محنت کی اس غریب عورت نے ایک معمولی اسکول ٹیچر ہو کر پائی پائی جوڑ کر لاکھوں کا جہیز بنایا ہے اس عورت نے اپنی بیٹیوں کے لیے۔ ویسے عارفہ سنا ہے تمہاری بہو بھی بڑے مالدار گھرانے سے آئی ہے پھر تو گھر بھر دیا ہوگا اس نے تمہارا؟'' ثمینہ بیگم رازداری سے عارفہ رحیم کے قریب ہوتے ہوئے سرگوشی والے انداز میں گویا ہوئیں' تو عارفہ رحیم جیسے طیش میں آ کر پھٹ سی پڑیں۔

''ارے بس بس رہنے دو ثمینہ! کہنے کو بڑی مالدار ہے چار چار بھائی ڈاکٹر' انجینئر ہیں۔ باپ اتنا بڑا بزنس مین ہے اور بیٹی کو دیا کیا ہے ایک معمولی سا بیڈ روم سیٹ اور بس' ایسا لگتا ہے جیسے کسی فقیر کی بیٹی کو بیاہ کر لے آئے ہیں۔''

''اُف میرے خدایا حد ہوتی ہے کسی بات کی۔'' زارا گھنٹے بھر سے ڈرائنگ روم میں بیٹھی اپنی ساس عارفہ رحیم اور پڑوسن ثمینہ بیگم کی باتیں سن رہی تھی' جس دن سے وہ اس گھر میں دلہن بن کر آئی تھی' اس دن سے آج تک عارفہ رحیم نے اس کا جینا دوبھر کر رکھا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے دولت مند لڑکی ہونے کے باوجود بھرپور طریقے سے جہیز نہ لانے کے طعنے دیتی رہتی تھیں اور پھر اسی پر ہی برا بھلا کہنے پر اکتفا نہ کرتی' بلکہ ہر آنے جانے والے ملنے جلنے والے پڑوسی سے بہو کے معمولی جہیز لانے کا رونا روتی رہتیں اور خاص طور پر ثمینہ آنٹی اور زبیدہ کے ساتھ مل کر اسے سنانے کے لیے کرین اور ٹرک بھر کر جہیز لانے والی لڑکیوں کے سچے جھوٹے قصے سنایا کرتیں اور وہ پانچ سال سے ان کی یہ کڑوی کسیلی باتیں خاموشی سے سن رہی تھی اور غصے کا گھونٹ پی رہی تھی۔ حالانکہ جی تو چاہتا تھا کہ ایسی جاہل عورتوں کو چیخ چیخ کر گالیاں دے اور کوسے لیکن پھر وہی سسرال کا مسئلہ آڑے آ جاتا' وہ نصیر سے ان کی جاہلانہ حرکتوں اور رویوں کی شکایت کر کے گھر میں جھگڑا فساد نہیں کرانا چاہتی تھی، اپنا اور اپنے میاں کا سکون برباد نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے تو وہ صبر کا گھونٹ خاموشی سے پی رہی تھی۔ گھر کی بڑی اور بزرگ ہونے کے ناتے وہ عارفہ بیگم کو کچھ تو نہیں کہتی تھی' ہاں احتجاجاً گھنٹے دو گھنٹے کی جو بیٹھک گھر والوں کے ساتھ ہوتی تھی جس میں وہ ایک اچھی بہو ہونے کے ناتے انہیں تھوڑی بہت کمپنی دینے کی غرض سے شرکت کر لیتی تھی وہ احتجاجاً ضرور ختم کر دیتی تھی اس کی ساس عارفہ رحیم اور نند حسینہ بیگم جہالت کی وہ منہ بولتی تصویریں تھیں کہ شیطان بھی پناہ مانگتا نظر آتا تھا۔

ہر آنے جانے والوں اور ملنے جلنے والوں سے وہ دونوں اس کی برائیاں کرتی تھیں ہی لیکن اس سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ جب گھر کے بکھیڑوں سے فارغ ہو کر گھنٹہ دو گھنٹہ ان کی کمپنی میں گپ شپ لگانے کی غرض سے آ بیٹھتی تو دونوں نند اور ساس باری باری شروع ہو جاتیں کبھی جہیز و مال دولت کا موضوع چھیڑ کر تو کبھی حسین و جمیل حور پری لڑکی کا ذکر جوان کے بھائی بیٹے سے شادی کے لیے مری جا رہی تھی تب زارا کے لیے دو منٹ بھی وہاں مزید بیٹھنا دوبھر ہو جاتا لیکن وہ پھر بھی بڑی ہمت اور صبر کے ساتھ بیٹھتی' ان کی گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش میں لگ جاتی اور پھر گھنٹے آدھ گھنٹے کی کوشش کے بعد وہ اس میں کامیاب بھی ہو جاتی لیکن اب حد ہو گئی تھی اٹھتے بیٹھتے آتے جاتے کھاتے پیتے' جہاں اس کا سامنا

ہوتا ماں بیٹی کی لعن طعن شروع ہو جاتی کچھ نہیں تو اپنے پاس بٹھا کر پلاننگ کے تحت دونوں ماں بیٹیاں شروع ہو جاتیں۔

''امی آپ کو یاد ہے سلمیٰ آنٹی نے جو بھیا کا رشتہ دیکھا تھا کتنی پڑھی لکھی اور حسین لڑکی تھی نا اور گھر یاد ہے آپ کو ہزار گز کا۔ کوٹھی کیا تھی پورا محل لگ رہا تھا قیمتی نوادرات سے سجا محل اور لڑکی کیا تھی۔''

''ارے اسے چھوڑو! تمہیں وہ وکیل صاحب کی لڑکی یاد ہے کیا لڑکی تھی اور کیا دولت کی ریل پیل تھی ارے کئی تو پیٹرول پمپ چل رہے تھے اس کے باپ کے اور کتنی منت سماجت کر رہے تھے وہ لوگ لیکن بس اپنی قسمت سے کون لڑ سکتا ہے۔''

''میں سالن کا چولہا ہلکا کر دوں؟'' عارفہ رحیم منہ بسورے کہتیں تو وہ سالن دیکھنے کے بہانے وہاں سے اٹھ جاتی۔ ان کے منہ جو نہیں لگنا چاہتی تھی اور پھر لگ کر بھی کیا کرتی ادھر وہ کچھ کہتی ادھر وہ دونوں عورتیں مل کر ذرا سی بات کو رائی کا پہاڑ بنا کر اس کے میاں کے کان بھرنا شروع کر دیتیں اور پھر خواہ مخواہ ہی ایک ہنگامہ اور فساد کی فضا پیدا ہو جاتی اس لیے بہتر یہی تھا کہ وہ خاموشی سے خون کے گھونٹ پیتی رہے اور کم سے کم ان کی جاہلانہ کمپنی میں اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرے لیکن آج تو حد ہو گئی تھی۔

زارا کچن میں جانے کے لیے کوریڈور سے گزر رہی تھی کہ عارفہ رحیم اپنی خالہ زاد بہن نبیلہ کے ساتھ مل کر منہ بھر بھر کر اسے خوب برا بھلا کہہ رہی تھیں۔ تب ہی اس کے قدم جہاں تھے وہیں رک گئے۔

''ارے تمہیں کیا پتہ نبیلہ! دیکھنے کو معصوم ہے اندر سے کتنی کائیاں اور بھری ہوئی ہے' ارے مجال ہے جو غلطی سے بھی کبھی ساس نندوں کے پاس بیٹھ جائے' نخرے تو دیکھو مہارانی صاحبہ کے کل کی چھوکری ایسے اکڑتی پھرتی ہے جیسے اپنے ساتھ لاکھوں کا جہیز لائی ہو۔'' لے دے کہ عارفہ رحیم کی ٹانگ پھر جہیز پر آ کے ٹوٹی۔

''ارے دو دو بھائی ڈاکٹر انجینئر ہیں باپ بزنس مین ہے اور جہیز دیکھو بھیک منگوں والا' کل کی چھوکری اور اکڑ تو دیکھو' شرم تو ذرا آتی نہیں ہے۔''

''اف میرے خدا! اتنی بے عزتی' اتنی انسلٹ اب بہت ہو گیا اب یہ سب کچھ برداشت سے باہر ہوتا جا رہا ہے آج تو وہ ان کو آئینہ دکھا کر رہے گی اب چاہے اس کا گھر بسے یا اجڑے۔''

''آتی ہے بہت شرم آتی ہے مجھے آپ جیسی عورتوں کی سوچوں پر، حرکتوں پر' آپ جیسی عورتوں کی بے حسی اور سفاکی پر بہت شرم آتی ہے مجھے عارفہ بیگم! آپ جیسی عورتوں کو ایک مسلمان قوم کا فرد کہتے ہوئے جو کہنے کو تو خود کو مسلمان قوم کا فرد کہتے ہیں لیکن فعل اور عمل کافروں اور جاہلوں سے بھی بدتر ہیں' شرم آتی ہے مجھے آپ جیسے لوگوں کو انسان کہتے ہوئے جو انسانیت کے نام پر بدنما دھبہ ہیں۔ شرم آتی مجھے اپنے آپ پر جو ایک مسلمان ہونے کے ناتے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سنت کی پیروی کرنے کے بجائے جنہوں نے اپنی لاڈلی بیٹی کو جہیز میں صرف ایک لوٹا' جائے نماز اور چٹائی دی تھی اور میں ان کی سنت اور احکام کے خلاف بیڈ روم سیٹ اور ٹی وی بٹور لائی۔ شرم آتی ہے مجھے اپنے آپ پر مسلمان کہتے ہوئے جس نے اللہ اور نبیؐ کے احکام بھلا کر دنیا کے خوف اور دکھاوے کے لیے عمل کیا۔ شرم آتی ہے مجھے اپنے آپ پر' آپ لوگوں کی سوچ پر......!!'' زار و قطار روتی ہوئی وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور عارفہ بیگم اپنی کزن نبیلہ کے سامنے شرم سے نگاہیں جھکائے اپنے کیے پر شرمندہ بیٹھی تھیں۔ اس کل کی چھوکری نے ان کو ان کی اوقات جو یاد دلا دی تھی۔

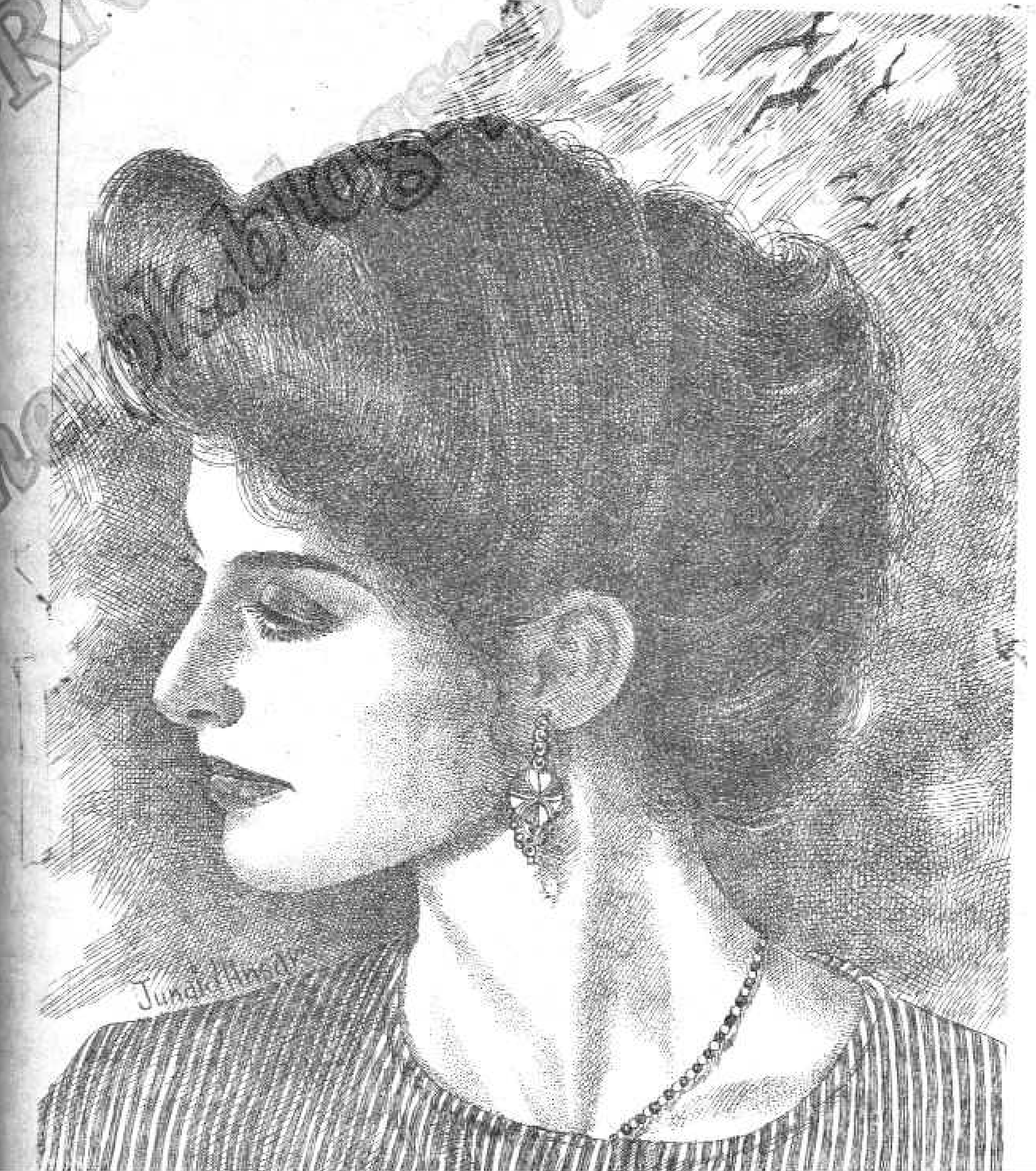
......☆......

ایقان علی

افسانہ

بے مراد

خلسہ نے مٹھی بھر باجرے کے دانے چڑیوں کے غول کی طرف اچھال دیے جو ان کی لمبی لمبی گھاس میں چھپے ننھے منے کیڑے مکوڑے کھا رہی تھیں لیکن اسے حیرت کا جھٹکا لگا جب اس کے پھینکے ہوئے



دانوں کو چگنے کے بجائے ساری کی ساری چڑیاں آسمانوں کی طرف پرواز کر گئیں۔ یوں جیسے مٹھی بھر باجرے کے دانے سلگتی ہوئی چنگاریاں ہوں۔ صبح سے شام ہو گئی لیکن کوئی پرندہ ان دانوں کو کھانے نہیں اترا حتیٰ کہ کوئی چیونٹی بھی انہیں نہیں لے کر گئی۔ باجرے کے وہ چند دانے گھاس میں پڑے رہ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کو کھانے کا حکم نہیں دیا گیا ایسا کیا تھا ان دانوں میں جو انہیں دھتکار دیا گیا تھا؟ وہ سمجھ نہ سکی۔

☆......☆

وہ بچپن سے ذہین تھا۔ بے تحاشا ذہین، جس عمر میں بچے اٹک کر بولنا سیکھ رہے ہوتے ہیں اس عمر میں وہ روانی سے انگلش نظمیں یاد کر کے سناتا۔ Twinkle Twinkle Little Star اور



Humpty Dumpty اسے ازبر تھیں۔ اماں حیران ہوتیں اور سورتیں پڑھ پڑھ کر اسے دم کرتیں۔ نظر اتارتیں ہر ہفتے گلے میں سورۃ الناس کا تعویذ ڈالتیں۔ ایک ہی تو بچہ تھا وہ بھی شادی کے آٹھ سال بعد ہونے والا دل و جان سے پیارا تھا۔ ابا البتہ فخر کرتے تھے۔ ایسا ذہین و فطین بچہ جو ملا تھا انہیں جہاں جاتے کاندھے پر سوار وہ ساتھ ہوتا۔ پٹر پٹر باتیں کرتا، ہر گزرتا بندہ رک رک کر دیکھتا تھا۔

"ارے سلیم صاحب یہ آپ کا بیٹا ہے؟ ماشاء اللہ کیسا پیارا بچہ ہے۔"

"ارے دیکھو، ہاں وہی بچہ وہ جو کندھے پر سوار ہے۔ کیسی صاف زبان ہے۔"

"اوئے ہوئے آج پاپا کے ساتھ زین آیا ہے۔ چلو انکل کو نظم سناؤ۔" ابا فخر سے چلتے، فخر سے سب سنتے، شکر کرتے ایویں کہتے ہیں اولاد فتنہ ہے۔ ایسی پیاری اولاد کیسے فتنہ ہو سکتی ہے۔ پھر وہ اسکول میں داخل ہو گیا۔

وہاں بھی یہی حال رہا۔ ننھا منا سا زین سلیم ساروں کی آنکھوں کا تارا رفتہ رفتہ پورا اسکول اسے جان گیا۔ ہر کوئی اس کا خیال رکھنا فرض سمجھتا کوئی پاس سے گزرا چاکلیٹ تھما دی۔ نظم سنی اور ٹافی کھلا دی۔ بریک میں اپنے ساتھ پراٹھا کھلایا۔ کیسا پیارا ہے ناں؟ کیسی پیاری باتیں کرتا ہے۔

اور زین میاں کو ساروں کے نام ازبر تھے۔

نیلی آنکھوں والی زویا، موٹا سا اسد، لمبی سی 5th کی ماریہ، دانش، ظہیر، عینک والا علی اور زویا، اسد ظہیر وغیرہ خوش رہتے کہ زین کو وہ یاد ہیں۔

پڑھائی میں تو میں نے پہلے عرض کی کہ وہ بے مثال تھا، کوئی ہم سری کرنے والا نہیں تھا اس کی، ہر سوال کا جواب موجود تھا۔ بچے رو رو کر سو تک گنتی یاد کرتے اور زین کو ہزار لاکھ تک کی باتیں معلوم تھیں۔ اردو کا سبق بغیر اٹکے فر فر پڑھ لیتا، باقی بچے وہی سبق چار سو اٹھہتر غلطیوں کے ساتھ تین دن میں پڑھتے۔ مانو کوئی کمپیوٹر فٹ تھا دماغ میں۔ ٹک ٹک ٹک، سوال انٹر کیا اور کلک کرتے ہی جواب حاضر۔

ایسا بچہ پیارا کیوں نا ہوتا سب کو، سو پیارا تھا سب کو۔ تین سال میں پانچ جماعتیں پاس کر ڈالیں۔ پانچویں کے امتحان میں پورے صوبے میں اول رہا۔ وظیفہ ملا، مبارک بادیں ملیں اور ہر طرف واہ...... واہ...... ہو گئی۔

ابا کا سینہ پھیلتا چلا گیا۔ فخر سے، خوشی سے، اماں کی پھونکیں بھی بڑھ گئیں۔ ماشاء اللہ آٹھ سال کا تھا اور بغیر اٹکے فر فر انگلش میں بات کرتا تھا۔ خاندان میں کوئی شادی بیاہ کی تقریب ہوتی تو وہ خاص طور پر مدعو کیا جاتا تھا۔ زین زین تھی ہر طرف۔

آٹھویں جماعت میں ایک بار پھر معرکہ کیا، پورے ملک میں چوتھی پوزیشن پر آیا تھا۔ وزیر اعظم صاحب نے خود اپنے ہاتھوں سے شیلڈ دی تھی۔ اماں، ابا شکر کرتے نہ تھکتے تھے۔ آٹھ سال کے صبر پر کیسا اچھا انعام ملا تھا ناں۔

☆......☆

ابا اور اماں کسی شادی میں شرکت کی غرض سے اسلام آباد گئے تھے۔ وہ امتحانوں کی وجہ سے گھر پر تھا۔ اسکول سے واپس آیا تو بازی پلٹ چکی تھی۔ اماں ابا کے خون میں تر بتر لاشے، وہ رو بھی نہ سکا۔ صدمے کے مارے برف کی سِل کی مانند رہ گیا۔ یخ ٹھنڈا...... بغیر کسی احساس کے۔

قسمت تھی، قسمت سے کون لڑتا؟ جیسا بھی ذہین و فطین ہو۔ نہیں لڑ سکتا۔ وہ بھی نا لڑ سکا۔ ورنہ بچا لیتا اپنی اماں کو ابا کو۔

وہ اکیلا تو رہ گیا تھا مگر......

"میں ابا کی طرح ہوں تمہارے لیے زین۔ فکر مت کرو۔"

"مجھ سے کہنا، جو بھی چاہتے ہو۔"

ماموں، چاچو، خالائیں سب موجود تھے۔ پھر اکیلا کیسے؟ آنکھ کا تارا تو وہ پہلے بھی تھا۔ اب ہتھیلی کے چھالے کی مانند تھا۔ چاچو تایا اپنے بچوں کے لیے بعد میں کچھ لاتے پہلے زین کے لیے آتا۔ تائی اماں پہلے کھانا اسے دیتیں، چاچیاں اس کے بستے کا بیگ پہلے سے موجود رکھتیں، کپڑے جوتے، غرض کوئی کمی نہ تھی۔

قدرت نے اسے چھپر پھاڑ کر دیا تھا۔ رفتہ رفتہ بھولتا گیا وہ اور زخم جتنے مرضی گہرے ہوں، مندمل ہو ہی جاتے ہیں۔ گھاؤ بھر ہی جاتے ہیں۔

میٹرک میں ٹاپ کر لیا زین سلیم نے، پورے ملک میں سب سے اوپر تھا زین سلیم۔ سلیم رضا کا اکلوتا اور ذہین و فطین بیٹا، انعامات ملے، تحائف و ظائف صدر صاحب نے اپنی جانب سے دس لاکھ کا چیک دیا۔ ایک اور بازی جیت لی تھی اس نے۔

☆......☆

وہ بے تحاشا ذہین ہے۔

یہ اس کا فخر بن گیا اور پھر غرور۔

"ہاں میں ذہین ہوں۔ فاتح ہوں۔"

وہ خود سے کہتا اور پیر زمین پر نہ ٹکتے۔ ایسی قابلیت ہر کسی میں تھوڑی ہوتی ہے۔ کوئی کوئی ہوتا ہے ایسا جیسا وہ تھا۔ زین سلیم۔

ایک بڑے کالج میں داخلہ مل گیا اسے، بادشاہوں کے سے ٹھاٹھ ہو گئے اس کے، ہاں وہ بادشاہ ہی تو تھا۔ سب کر سکتا تھا اپنی عقل کے بل بوتے پر، دن کو رات بھی ہاں ہاں بڑا ذہین تھا وہ۔

ایک خوبی فخر بن گئی تھی اور اب غرور۔

وہ ایسا پرندہ تھا جو آسمان کی پرواز پر نکلتا ہے تو اسے دیکھنے کے لیے سر کو بہت اونچا اٹھانا پڑتا ہے، ایسا ہی پرندہ تھا وہ جسے بخوبی احساس تھا کہ "پر" صرف اسے دیے گئے ہیں اور وہ بہت اونچا "اڑ" سکتا ہے سو وہ اڑ رہا تھا بہت اونچا۔

☆......☆

اس کے کالج میں ریاضی کے نئے استاد آئے تھے۔

"سر عمران علی۔"

وہ بہت نفیس سے تھے۔ شائستہ سے، دھیما سا بولنے والے، ساری کلاس کے فیورٹ تھے اور پھر رفتہ رفتہ پورے کالج کے فیورٹ بن گئے تھے۔

"سر عمران کو دیکھا کہیں؟"

"یہ چائے...... سر عمران کے لیے۔"

"سر اچھے لگ رہے ہیں۔"

ہر طرف "سر عمران، سر عمران" ہو گئی۔

اور زین سلیم؟ وہ زبانوں سے اترنے لگا۔

اور زین سلیم جس نے آج تک صرف اپنے اردگرد طواف دیکھے تھے۔ اپنی پوجا کروائی تھی۔ زبانوں سے "زین...... زین......" کی پکاریں سنی تھیں، وہ زین سلیم ششدر رہ گیا۔

"ایسے کیسے سر عمران نے اس کی جگہ لے لی؟"

وہ حیرت سے سوچتا، پھر غصہ آنے لگتا بے تحاشا غصہ۔

"میں اتنا ذہین اور وہ......"

پاگل سمجھ نہ سکا کہ استاد اور شاگرد میں کیا مقابلہ؟

اور پھر وہ دل ہی دل میں ان سے بے تحاشا نفرت کرنے لگا۔ کلاس میں، باہر یا کہیں بھی وہ نظر آجاتے تو وہ غصے سے گھورتا نظر انداز کرنے کی اداکاری کرتا، کالج میں ان کی مقبولیت بڑھتی چلی گئی تھی۔ وہ ہر دلعزیز بن چکے تھے۔

اور پھر اس سال کالج کے بہترین استاد کی ٹرافی بھی انہی کا مقدر بن گئی۔ بہترین طالب علم آج بھی وہی تھا لیکن اسے کوئی خوشی نہ ہوئی اپنی ٹرافی لے کر، اسے غصہ آیا سر عمران کی ٹرافی دیکھ کر۔

انہیں نیچا دکھانے کی وہ سازشیں بُننے لگا، انہیں غلط ثابت کرنے کی، انہیں بے عزت کرنے کی۔

"اور اس دن...... وہ ریاضی کی کلاس لے رہے

تھے۔

"ایکسرسائز (مشق) نمبر 5.3 کا سوال نمبر 4، یہ حل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی عبارت غلط دی گئی ہے، اسے حل نہیں کیا جا سکتا۔ اگلے سوال پر چلتے ہیں۔"

سر اگلا سوال پڑھنے لگے اور وہ اپنے دماغ میں جمع تفریق کرنے لگا، سوال حل ہو سکتا تھا، اس کا دماغ اسے نئی راہ دکھانے لگا۔

"ایکسکیوزمی سر!" وہ اپنی سیٹ پر کھڑا ہوا۔

"جی۔" سر عمران بولے۔

"میں آپ کے ساتھ شرط لگانا چاہتا ہوں۔"

"کیسی شرط؟" سر کے ساتھ ساتھ ساری کلاس اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں یہ سوال حل کر سکتا ہوں جو آپ کے مطابق حل نہیں ہو سکتا۔"

سر عمران مسکرائے۔

"میں 14 سالوں سے پڑھا رہا ہوں ڈیئر! آپ جیسے کئی ذہین اسٹوڈنٹس اور استاد اس سوال کو حل کرنے کی کوشش کر چکے ہیں لیکن یہ حل نہیں ہو سکا کیوں کہ یہ عبارت غلط ہے۔"

وہ بھی ہنسا۔ "یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ میں اسے حل کر سکتا ہوں؟ Let`s bat (ایک شرط ہو جائے؟)

اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں سر عمران بھی مسکرائے، وہ اپنی ذہانت پر پُرامید تھا اور وہ اپنے 14 سالہ تجربے پر۔

"جیتنے والا ہارنے والے سے کچھ بھی کروا سکتا ہے۔" سر عمران نے کہا تو وہ راضی ہو گیا۔ یہی وہ چاہتا تھا۔

اب استاد کو کیا پتا کہ شاگرد کیا چاہتا ہے۔ وہ تو اس کی حوصلہ افزائی کے لیے صحت مند مقابلہ کروانا چاہ رہے تھے۔ وہ اپنی سیٹ سے اٹھا اور White Board کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

چار منٹ میں سوال حل تھا۔

سر عمران کا 14 سالہ تجربہ صرف 4 منٹ میں ذہانت نے ختم کر ڈالا تھا۔

"بہت عمدہ زین بہت اعلیٰ۔" انہوں نے اسے تھپکی دی اور زین کسی دیوتا کی مانند ہو گیا۔

"میں فاتح ہوں سر؟"

"ہاں تم ہو۔" وہ مسکرائے۔

"آپ کو میری بات ماننا ہو گی۔" عجیب آواز تھی اس کی۔

"ہاں بولو۔"

اور اس کی بات سن کر ساری کلاس کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

☆......☆

دو سال بیت گئے۔

16 سالہ زین سلیم نے F.Sc میں بھی اپنی پوزیشن برقرار رکھی۔ پورے ملک میں ٹاپ، وہ ناقابلِ تسخیر ہو گیا تھا۔ اپنی ذہانت کے پروں سے اڑتا وہ آسمان کی ان بلندیوں پر پہنچ چکا تھا جہاں کسی اور پرندے کے آنے کی ہمت نہیں تھی۔

چاچی، تایا، خالائیں اپنے بچوں کو اس کی مثالیں دیتے، بھلا کوئی تھا اس کے جیسا کوئی بھی نہیں تھا۔

کالج میں جس جس طالب علم نے اس کے ٹاپ کا سنا تو حیران رہ گیا۔

"کیا اس سب کے بعد بھی جو اس نے سر عمران کے ساتھ کیا اسے اتنی زیادہ عزت مل گئی؟"

"ٹاپ کیسے کر لیا اس نے یار؟ دیکھا نہیں سر عمران کیسے رو رہے تھے اس دن؟"

"ذہین بھی تو بہت ہے، سر عمران کو کیسا ہرایا تھا۔"

"تو کیا اللہ تعالیٰ ذہین لوگوں کو سزا نہیں دیتا؟ جو اس نے کیا اس کے بعد تو عذاب آنا تھا۔"

اور ان سب سے بے نیاز زین سلیم غرور سے

گردن اکڑائے صدر صاحب سے چیک اور شیلڈ وصول کر رہا تھا۔ عروج پر تھا وہ اور زیادہ اونچائی پر جانے کی خواہش تھی اسے۔

کوئی ہرا نہیں سکتا تھا اسے۔

دو ہفتے بعد انجینئر بننے کے لیے وہ امریکا جا رہا تھا۔

اور سر عمران کے گھر میں ماتم تھا۔

رات میں ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ وہ بچ نہ سکے تھے جنازہ تیار تھا۔

☆......☆

خنسہ کمرے میں آئی تو وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔

6 سال بعد بھی وہ ویسا ہی شاندار تھا۔ گزرتے ماہ و سال نے اس کی وجاہت کو اور بڑھا دیا تھا۔

چھ سال پہلے جب وہ امریکا سے انجینئر بن کر لوٹا تھا تو ایسا ہی شاندار تھا۔ اس کا ہر قدم جیسے دل پر پڑتا تھا۔ وہ جدھر سے گزرتا تھا لوگ گردنیں موڑ موڑ کر اسے دیکھتے تھے ایسا قد کاٹھ، ایسا وجیہہ انسان ہر کوئی تھوڑی ہوتا ہے وہ ایک ہی تھا زین سلیم، زین کی ممانی نے جب خنسہ کا رشتہ مانگا تو اس نے فٹ ہاں کر دی تھی۔ تصویر میں اسے دیکھتے ہی فدا ہو گئی تھی اور بڑی روشن آنکھیں جیسے اندر تک اتر جاتی تھیں اور سارا حال جان لیتی تھیں۔ مضبوط جسم اور دلکش مسکراہٹ۔

شادی کے پہلے دن سے ہی اسے محبت ہو گئی تھی۔ زین سلیم سے جو سب سے زیادہ ذہین اور وجیہہ تھا۔

اور 6 سالوں میں اس نے ترقی بھی تو بے تحاشا کی تھی۔ ایک انجینئر کی حیثیت سے جاب کرتا کرتا محض چھ سالوں میں وہ ایک فرم کا مالک بن چکا تھا۔ چار کمروں کا فلیٹ 4 کنال کے وسیع بنگلے سے 8 کنال کی کوٹھی میں بدل گئی تھی۔ گاڑیوں کی قطاریں۔ ہاتھ باندھے کھڑے ملازموں کی قطاریں، عزت...... شہرت اور بے تحاشا پیسہ۔

وہ قابلِ رشک انسان تھا۔ دنیا کی ہر آسائش اس کے قدموں میں تھی۔ گھر، گاڑی، فیکٹریاں، بیوی دو بچے اور کیا چاہیے تھا عزت...... شہرت...... پیسہ...... وہ بہت بلندی پر تھا، بہت اونچا۔

☆......☆

"یہ لو نذیراں! دس ہزار روپے ہیں، خیریت سے شادی گزر جائے تمہاری بیٹی کی اور یہ سیٹ ہے یہ رکھ لو۔"

خنسہ نے دونوں چیزیں ملازمہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ وہ ممنون ہو گئی۔

"خدا سلامت رکھے بی بی! آپ کو اور صاحب کو اور زیادہ خوشیاں دے۔" وہ دعائیں دیتی رہی۔

رات میں ملازمہ نذیراں جب کام سے فارغ ہو کر گھر جا رہی تھی تو اس کی بیٹی اس کے ساتھ تھی۔ کوٹھی سے کافی دور آنے کے بعد نذیراں نے بغل میں دبا ڈبہ کھولا اور اس میں سے ہار بندے نکال کر کھلے گٹر میں بہا دیے۔ اس کی بیٹی چلائی۔

"اماں پاگل ہے کیا؟ کیا کر رہی ہے؟" لیکن نذیراں اب نوٹوں کی گڈی بھی گٹر میں اچھال چکی تھی۔

"اماں تو پاگل ہو گئی ہے؟"

"بکواس نہ کر!" نذیراں غرائی۔

"حرام کی کمائی کا یہ زیور اور پیسہ، میں کیسے اپنی حلال کی کمائی سے پالی ہوئی بیٹی کو پہنا دوں۔ ساری زندگی تنکا تنکا حلال رزق جوڑا اور اپنے بچوں کی پرورش کی میں نے، اب کیوں حرام کھلاؤں؟"

"لیکن اماں حرام کیسے؟" اس کی بیٹی حیران ہوئی۔

"مجھے معلوم ہے سب، حرام ہے سب حرام ہے تبھی تو خدا کی ہر مخلوق اسے کھانے سے گریزاں ہے

اور مجھے پتہ ہے یہ اثر ہے۔ بددعا کا اثر ہے۔"
"کس کی بددعا اماں؟"
نذیراں نے لمبی سانس بھری۔ دور جگمگاتی کوٹھی دکھائی دے رہی تھی۔
"صاحب کے استاد کی بددعا میں نے سنا ہے صاحب نے اپنے کالج کے کسی استاد سے شرط لگائی تھی۔ وہ شرط ہار گئے صاحب نے اپنے استاد کے منہ پر تھپڑ مارا تھا سزا کے طور پر، چھ چھ کیسے سنگدل ہیں صاحب، اپنے استاد صاحب کو تھپڑ مار دیا۔ ان کے استاد سنا ہے صدمے سے مر گئے۔" نذیراں دکھی ہو گئی تھی۔
"ہائے ہائے اماں! پھر ہم کیوں اِدھر کام کرتی ہیں جو تنخواہ ہمیں ملتی ہے وہ بھی حرام ہوئی ناں۔"
"قسم ہے مجھے اپنی اولاد کی اپنی محنت کی کمائی لیتی ہوں ان سے، تنخواہ سے اوپر جو بھی پیسہ کھانا ملتا ہے راستے میں ضائع کر دیتی ہوں حرام نہیں کھاتی میں، اللہ ہمیں بچائے رکھے، چل اب چل گھر۔"
"چھ چھ اماں! ایسی جہالت۔"
وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی چلنے لگیں اور دور زین سلیم کے 8 کنال کی کوٹھی کے لان میں جو کے مٹھی بھر دانے ویسے کے ویسے پڑے تھے۔ انہیں کھانے کا حکم نہیں تھا۔ رزق حلال کھانے والے ہر ذی روح کو ان کا کھانا حرام ٹھہرا تھا۔ ان مٹھی بھر دانوں سے غرور کی بو آتی تھی۔

☆......☆

26 سال بعد......!
آج سال کی آخری شام تھی۔ بارہ بجنے میں چند منٹ باقی تھے۔ ہر کوئی نئے سال کو خوش آمدید کہنے کے لیے پرجوش تھا۔ کاروباری حلقوں کی جانب سے منعقد کردہ اس رات کا مقصد نئے سال کا جشن منانا تھا۔ بارہ بج گئے مبارک بادیں دی جانے لگیں۔ آتش بازی سے آسمان سج گیا اور مہمان خصوصی نے اس جہازی سائز کے کیک پر چھری چلا دی۔ ہر طرف قہقہے بکھر گئے۔
"نیا سال مبارک ہو زین سلیم صاحب!"
مہمان خصوصی کو گلدستہ پیش کیا گیا اور مبارک دی گئی۔ وہ مسکرائے 52 سالہ زین سلیم کی مسکراہٹ پر سارا جہان مسکرا دیا۔ وہ مائیک پر آئے اور بات کرنے لگے۔ سب لوگ عزت سے کھڑے ہوئے اور سر جھکا کر سننے لگے۔ تھا کوئی انسان اس جیسا کامیاب؟ اس جیسا عزت دار؟ سات زمینوں میں نہیں تھا سات آسمانوں میں نہیں تھا اور کوئی تھا اس جیسا بدنصیب انسان؟ سات زمینوں میں نہیں تھا سات آسمانوں میں نہیں تھا۔ دنیا اور دنیا کی تمام آسائشوں سے نوازے گئے اس خوش قسمت انسان جیسا کوئی سیاہ بخت بھی نہیں تھا۔ کوئی ایک بھی نہیں۔ بادلوں کی تہوں میں بھی نہیں اور پاتال کی گہرائیوں میں بھی نہیں۔ آخرت کے خزانوں سے ٹھکرا دیے گئے اس مردود کو اندازہ تک نہیں تھا کہ وہ کیا ہو چکا ہے۔ بے شمار عزتیں شہرتیں پا لینے والے اس انسان کے دل پر قفل ڈال دیئے گئے تھے۔ ویسے ہی قفل جیسے اس جیسے مردود معلون انسان کے لیے جنتوں کے دروازوں پر ہیں دنیا کو پا کر خوش ہو جانے اس بدقسمت انسان سا تھا کوئی مفلس؟ جس کے لیے توبہ کے دروازے بند کر دیے گئے تھے جس کے رزق کے ہر دانے پر حرام کی مہر تھی اور جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں تھا۔ اس جیسا کوئی بے مراد جس نے انبیاء جیسے مقدس پیشے والے استاد کا دل دکھایا تھا؟ تھا کوئی بے مراد اس جیسا جس سے اللہ ناراض تھا؟

......☆......

ثناء کنول

افسانہ

وفا کیسی کہاں کا عشق

اس کے ہاتھوں میں جو کچھ آرہا تھا، وہ اسے زمین پر پھینکتی جارہی تھی۔ درد تھا کہ بڑھتا جارہا تھا، اسے ایسے محسوس ہورہا تھا کہ جیسے وہ ابھی مرجائے گی، ابھی اس کا جسم ٹکڑوں میں بٹ جائے گا۔ ہر طرف کانچ بکھرے پڑے تھے۔ وہ بھی تو اندر سے آہستہ آہستہ ایسے ہی بکھر رہی تھی، ایسے ہی ٹوٹ رہی تھی اس کا اپنی



ذات پر مان یقین ایسے ہی تو بکھرا تھا اور اسے اس کی کرچیاں اپنے سارے جسم میں چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اس کا اندر لہولہان ہو رہا تھا۔

نوکر دیواروں سے چپکے وحشت بھری نظروں سے اپنے مالک کی اکلوتی بیٹی کو دیکھ رہے تھے۔ چیخ چیخ کر اس کے گلے میں درد ہو رہا تھا لیکن اندر کا درد ختم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔ تبھی مسز ابراہیم حواس باختہ سی لاؤنج میں داخل ہوئیں اور اسے ایسے دیکھ کر مزید پریشان ہو کر اس کی طرف بڑھیں، حالانکہ راستے میں بکھرے کئی کانچ ان کے پاؤں میں چبھے تھے۔ آخر ماں تھیں اپنا درد بھلا کر بیٹی کو گلے لگالیا۔

"کیا ہوا بیٹا......! چندا تو ٹھیک تو ہے؟"

"وہ مما......وہ مما......!" اتنا کہتے ہی وہ ان کے بازوؤں میں ڈھے گئی۔

☆......☆

"کیسی ہیں آپ حیاء؟" وہ ہاتھوں میں خوبصورت بکے لیے مسکرا کر ہمیشہ کی طرح محبت سے بولا تو حیاء نے رخ پھیرلیا۔

وہ مسکراتے ہوئے اتنا خوبصورت لگتا تھا کہ ہمیشہ حیاء اسے مسکراتا دیکھ کر رخ موڑ لیتی کہ کہیں اسے نظر ہی نہ لگ جائے۔ اس کے کوئی جواب نہ دینے پر مسز ابراہیم محبت سے بولیں۔

"اب پہلے سے بہتر ہے۔ تم بیٹھو اس سے باتیں کرو میں آتی ہوں۔" وہ مسکرا کر بولیں اور باہر نکل گئیں تو وہ پریشان سے لہجے میں بولا۔

"دیکھو حیاء! کچھ دکھ ایسے ہوتے ہیں جنہیں اگر باہر نہ نکالا جائے تو وہ ناسور بن کر انسان کو اندر ہی اندر کھوکھلا کردیتے ہیں، اسے انسان سے حیوان بنا دیتے ہیں۔ تم مجھے اپنا شوہر سمجھ کر نہ سہی چلو دوست مان کر اپنا دکھ درد مجھ سے شیئر کرو میں وعدہ کرتا ہوں میں تمہارا شوہر بن کر نہیں تمہارا دوست بن کر سنوں گا۔"

اس کے انداز میں اس قدر محبت اور اپنائیت تھی کے حیاء پھوٹ کر رو پڑی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اپنا ہر درد اسے بتاتی چلی گئی۔

☆......☆

"ہیلو! کیسی ہو تم دونوں؟" وہ ہمیشہ کی طرح اچانک ہی آکر بولا تھا، اسے دیکھ کر حیاء کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔ وہ تھا بھی ایسا کہ لڑکیوں کے دل اسے دیکھ کر دھڑکنا بھول جاتے تھے، ان سب دیوانی لڑکیوں میں حیاء کا شمار بھی ہوتا تھا۔ اب بھی وہ ایک دم نروس ہوئی تھی پھر سنبھل کر بولی۔

"ہم تو ٹھیک ہیں، آپ کیسے ہیں؟"

"ارے واہ، یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں کس قدر ہینڈسم ہوں مسکرا کر پوچھ رہی ہو کہ میں کیسا ہوں؟ حیرت ہے یار۔"

"منہ دھو رکھو۔" اس کی بات پر نائمہ بگڑ کر بولی اور کافی کے کپ کو منہ لگالیا تو یوسف مصنوعی حیرت سے بولا۔

"ارے واہ یار! صبح کو ہی میں نے DOV سے منہ دھویا تھا۔ لڑکی کیا بات کررہی ہو ویسے حیاء ہے ہی خوبصورت ہاں تمہیں DOV کی ضرورت ہے سیریس یار۔" اس کے خوبصورت کہنے پر مزید نروس ہوئی تھی، جبکہ نائمہ اور یوسف اب بری طرح لڑ رہے تھے تبھی حیاء بات بدل کر جلدی سے بولی۔

"اچھا یوسف! یہ بتاؤ پیپر کا کیا ہوا؟ فیل ہونے کا ارادہ تو نہیں ہے تمہارا؟"

"نہیں یار! بٹ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ تم ہر سال کی طرح اس سال بھی فرسٹ آؤ گی۔ نائمہ کی طرح مت سیکنڈ آنا اوکے۔"

"ٹھیک ہے۔" اور پھر اس نے دن رات محنت کی۔ کھانا پینا بھول کر پڑھائی میں لگ گئی، رات دن کمرے میں بند رہ کر وہ پڑھائی کرنے لگی تھی۔

نائمہ اور یوسف دونوں کزن تھے لیکن دونوں کی

بنتی بالکل بھی نہیں تھی، کیونکہ نائمہ سنجیدہ مزاج تھی جب کہ یوسف شریر۔ حیاء کی نائمہ بہت اچھی دوست تھی اس لیے کبھی کبھی حیاء بھی یوسف سے ملنے لگی اور ہیلو ہائے میں حیاء کے دل نے اسے بائے بائے کب کہا اسے خود پتہ نہیں چلا۔ رات رات بھر پڑھنے کے نتیجے میں پیپر کے ختم ہوتے ہی اسے زور دار بخار نے آن گھیرا تھا۔ اس لیے وہ دو دن کالج نہ جاسکی اس وقت وہ ٹیرس پر کھڑی خاموش چاند کو غور سے دیکھ رہی تھی، جب اس کے موبائل پر بیپ ہونے لگی، یوسف کالنگ کے حرف چمک رہے تھے اس نے جلدی سے کال ریسیو کی تھی۔ دل ایک دم سو فٹ اوپر اچھلا تھا۔ ایک ہی سانس میں کیے گئے اتنے سارے سوالوں پر وہ مسکرا کر رہ گئی۔

"بخار تھا مجھے۔"

"دوائی لی تم نے، اب طبیعت کیسی ہے؟"

"ہاں بابا میڈیسن لے لی ہیں اور اب ٹھیک ہوں۔"

"اچھا کل آؤ گی کالج؟" وہ بے قراری سے بولا۔

"ہاں آؤں گی۔" کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس نے فون بند کردیا اور دل سے مسکرادی۔

☆......☆

ابراہیم اور مصطفیٰ دو بھائی تھے۔ ابراہیم کی صرف ایک بیٹی حیاء تھی جب کہ مصطفیٰ کا صرف ایک بیٹا شرجیل تھا۔ مصطفیٰ کی بیوی نادیہ شرجیل کی پیدائش پر ہی چل بسی تھی۔ اس کے کچھ عرصے بعد مصطفیٰ بھی چل بسے تھے تب سے ابراہیم نے شرجیل کو اپنے بیٹے کی طرح پالا تھا۔

"بیٹا! مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" وہ جلدی جلدی ناشتہ کررہی تھی ابراہیم لان میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ جب کہ شرجیل ان کے ساتھ بیٹھا کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھا، کیونکہ آج اتوار تھا اسی لیے وہ گھر پر تھے۔ مسز ابراہیم کے سنجیدگی سے کہنے پر حیاء نے سرہلا کر کہا۔

"جی مما کہیں۔"

"اب تمہارے پیپر ختم ہوگئے ہیں، تو میں اور تمہارے بابا چاہتے ہیں کہ تمہاری شادی شرجیل سے کردیں۔ اپنے گھر کا بچہ ہے اور اس طرح تم ہم سے دور بھی نہیں ہوگی۔"

"پلیز مما!" وہ دکھ سے بمشکل بولی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

وہ ماں تھیں سمجھ گئیں اور بولیں۔

"کون ہے وہ لڑکا؟" اور پھر اس نے انہیں یوسف کے بارے میں بتادیا تو وہ پُرسوچ انداز میں بولیں۔

"کل تم اسے ڈنر پر بلالو۔" اتنا کہتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اٹھیں اور اپنے کمرے میں بند ہوگئیں۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اس سے ناراض ہوکر گئیں ہیں پر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ اس سے زیادہ دیر تک ناراض نہیں رہ سکتیں۔

دوسرے دن وہ ٹک سک سے تیار ہوئی اور یوسف کو میسج کردیا کہ اسے کالج کے گراؤنڈ میں آکر لے۔ وہ آگیا تو دونوں ایک درخت کے نیچے بینچ پر بیٹھ گئے۔ حیاء شرما کر بولی۔ "یوسف! وہ...... مما نے آج آپ کو ڈنر پر بلایا ہے۔"

"کیوں؟"

"وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں اس لیے۔"

"لیکن مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہیں وہ؟" اس کی حیرت کم ہونے میں نہیں آرہی تھی۔ حیاء تھوڑا جھجک کر بولی۔

"آپ کی اور میری شادی کے سلسلے میں۔"

"میں اور تم سے کیوں شادی کرنے لگا حیاء؟"

"ہم دونوں محبت کرتے ہیں تو شادی بھی......!"

"کیا......! یہ کیا بکواس ہے۔ کس نے کہا میں تم سے محبت کرتا ہوں؟ تم لڑکیاں بھی کس قدر بے وقوف

ہوتی ہو، کوئی تمہارا ذرا سا خیال کیا رکھ لے تم سے ہنس کر بات کیا کرلے، تم سمجھتی ہو کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ پاگل بے وقوف لڑکی! ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔ ہر کسی کو اس نظر سے دیکھنا چھوڑ دو کہ اگلا تمہاری محبت میں پور پور ڈوبا ہوا ہے۔ کیا میں نے کبھی تم سے کہا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، یا پھر شادی کرنا چاہتا ہوں؟" وہ ساکت سی بیٹھی اسے سن رہی تھی، وہ اٹھا اور جاتے جاتے رک کر نفرت سے بولا۔

"ویسے حیاء! ایک بات کہوں میں اگر تم سے محبت کرتا ہوتا نا تو تم سے کبھی شادی نہ کرتا۔ کیونکہ کمزور کردار کی لڑکی سے کوئی بھی محبت کرنا نہیں چاہے گا۔"

گھر آکر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ مسز ابراہیم اس کی حالت دیکھ کر سمجھ گئی تھیں اور پھر اس کی شادی شرجیل سے ہوگئی لیکن حیاء نے کبھی اسے وہ مقام نہیں دیا جو کہ اس کا حق تھا ہمیشہ اگنور کیا تھا اس نے۔

اس کے چپ ہونے پر شرجیل کے کچھ کہنے سے پہلے ہی مسز ابراہیم اندر داخل ہوئیں۔

"شرجیل بیٹا! ڈاکٹر نے حیاء کو ڈسچارج کردیا ہے۔ آپ گاڑی نکالو ہم آتے ہیں۔"

"جی آنٹی!" وہ ادب سے کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے بعد حیاء اس سے مزید کترانے لگی تھی جہاں اسے دیکھ لیتی اٹھ کر چلی جاتی۔ رات کو دیر سے کمرے میں آتی جب وہ اس کا انتظار کرتے کرتے سوچکا ہوتا۔ اس وقت بھی وہ سویا ہوا تھا، جب وہ کمرے میں داخل ہوئی اور بالکونی میں چلی آئی۔ وہ جو سونے کی ایکٹنگ کررہا تھا اس کے پیچھے آکر بولا۔

"یہ سب کیا ہے حیاء! آخر ہم کب تک سمندر کے دو کناروں کی طرح رہیں گے۔"

"آپ مجھے طلاق دے دیں شرجیل میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔" وہ اچانک اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

وہ لب بھینچ کر اس کی کمر سہلاتے ہوئے محبت سے بولا۔ "ایسا کبھی سوچنا بھی مت حیاء! تم تو میری زندگی ہو، میں بھلا تمہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں اور جہاں تک تمہارے کردار کی بات ہے تو وہ دور ہی ایسا ہوتا ہے، جب انسان ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ لیتا ہے، آنکھیں کسی کا خواب دیکھنے لگتی ہیں تم جیسی مضبوط کردار لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی اور حیاء کل کو ہم اگر یاد کرکے رونے بیٹھ جائیں تو ہمارا آج بھی تو دکھ بھرا ہوگا اور اگر آج ہم خوشی خوشی زندگی گزاریں تو کل جب ہم اپنا ماضی یاد کریں گے تو کچھ پل ایسے بھی تو ہوں جنہیں ہم یاد کرکے مسکرا سکیں، کل کے لیے ہم اپنا آج کیوں خراب کریں یہ کہاں کی عقل مندی ہے۔ بولو؟"

"آپ صحیح کہہ رہے ہیں شرجیل! آئی ایم سوری میں نے آپ کو بہت تنگ کیا پر اب نہیں۔" حیاء نے پرسکون انداز میں کہا، تبھی فضا میں نیو ایئر کی آواز گونجی تو شرجیل اس کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلا کر بولا۔

"چلو وعدہ کرو مجھ سے اس سال کو ہم دل سے گزاریں گے تاکہ کل ہم اسے یاد کریں تو ہمارے لبوں پر مسکراہٹ ہو نا کہ آنکھوں میں آنسو۔"

"وعدہ۔" وہ پورے دل سے بولی۔

"ہیپی نیو ایئر میری جان! نیا سال مبارک ہو۔"

"آپ کو بھی۔" وہ دل سے مسکرا دی اور سوچنے لگی کہ شادی سے پہلے وفا کیسی کہاں کا عشق شادی کے بعد شوہر سے ہی وفا اور اسی سے عشق۔

یہ سال اس کے لیے ہزاروں خوشیاں لے کر آیا تھا نجانے کتنے عرصے بعد وہ دل سے خوش ہوئی تھی اور نئے سال کا چاند ان دونوں کی محبت کو حیرت سے دیکھ رہا تھا، کیونکہ اس سال وفا بھی سچی تھی اور عشق بھی پاک تھا۔

☆......☆



حنا کنول

افسانہ

وہ ادھورا خواب میرا

محبت بھی نا کبھی کس قدر ہنساتی ہے تو کبھی عمر بھر کے لیے رونا چھوڑ دیتی ہے اور آپ کے پاس کھڑی آپ کا مذاق اڑاتی ہے لیکن محبت تو محبت ہے نا بغیر کسی صلے کے بغیر کسی چاہ کے کی جانے والی محبت ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے اور جس محبت میں صلے کی طلب ہو وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتی لیکن میں نے تو کبھی بھی کسی صلے کی طلب نہیں رکھی تو پھر مجھے میری محبت کیوں نہیں ملی آخر کیوں میں نامراد رہی؟

صابرہ نے اپنے ہاتھوں پر لگی مہندی کو دیکھتے ہوئے سوچا اور کئی آنسو آنکھوں سے بہتے چلے گئے۔ جن پر اس کا بالکل اختیار نہیں تھا۔ پاس بیٹھی بیوٹیشن نے نرمی سے اسے ڈانٹ دیا تھا۔

''پلیز مضبوط بنیں صابرہ! شادی تو سب لڑکیوں کی ہوتی ہے ایک آپ کی تھوڑی ہو رہی ہے۔ ہر لڑکی کو گھر سے وداع تو ہونا ہوتا ہے نا، دیکھیں پلیز مت روئیں۔''

''ہاں صحیح کہا شادی سب کی ہوتی ہے گھر سے جدا بھی ہر لڑکی ہوتی ہے لیکن میں گھر سے جدا ضرور ہو رہی ہوں مگر یہ شادی مجھے ایسی لگ رہی ہے جیسے میں مر گئی ہوں اور سب مجھے دفنانے کی تیاریاں کر رہے ہیں یہ شادی کا سوٹ میرے لیے کفن سے کم نہیں ہے تم کیا جانو بہت مشکل ہوتا ہے دل میں کسی اور کو لیے کسی اور کی سیج پر جانا۔'' وہ صرف سوچ کر رہ گئی جب کہ بیوٹیشن پھر سے اس کا میک اپ کرنے میں مصروف ہو گئی اور اس کے سامنے اس کا ماضی کسی فلم کی طرح گھومنے لگا۔

''اٹھ بھی جاؤ صابرہ یار! کب سے اٹھا رہی ہوں لیکن تمہاری تو نیند ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی۔'' فریدہ نے تقریباً جھنجھلا کر اس کے اوپر سے کمبل کھینچ کر اتارا تھا۔ جب کہ وہ اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''کیا ہو گیا ہے فریدہ بی بی! کیوں میری نیند کی دشمن بنی رہتی ہو۔''

''لو کر لو گل اور سن لو بات۔ میں تمہاری دشمن ہوں ارے کب سے میں تمہیں اٹھا رہی ہوں کہ کہیں تم دیدار یار سے محروم نہ رہ جاؤ مگر میں تو تمہاری دشمن ہوں۔ نا تو پھر سوئی رہو میں کیا کروں۔''

''کیا...... کیا مطلب ہے تیرا فریدہ؟''

''چھوٹی مامی آئی ہوئی ہیں ساتھ میں وہ صاحب بھی۔''

''کیا! احمد آیا ہے اور تم مجھے اب بتا رہی ہو، ہٹو ڈفر۔''

وہ اسے تقریباً دھکیلتی ہوئی واش روم میں گھس گئی اور اگلے پانچ منٹ میں وہ مامی کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی جب کہ نظروں نے تو احمد سے ہٹنے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ بظاہر مامی سے کہہ رہی تھی جب کہ وہ بھی جانتا تھا کہ یہ شکوہ صرف اس کے لیے تھا تو بس مسکرا کر رہ گیا۔

''مامی! آپ بھی نا کتنے دنوں کے بعد آئی ہیں آج سے تقریباً ایک مہینہ اور پندرہ دن پہلے آپ کراچی سے آئی تھیں اس کے بعد آج آ رہی ہیں۔''

"اگر تمہیں میری اتنی ہی یاد آتی ہے تو کراچی آجایا کرو، سمپل۔"

"ارے کہاں اسلام آباد سے کراچی کا سفر مجھ سے تو نہیں ہوتا۔" اس کے جواب پر وہ مسکرا کر رہ گئیں پھر کچھ دیر بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے وہ چلی گئیں تو صابرہ جلدی سے امی کا فون چھپا کر واش روم میں گھس گئی۔ پہلی ہی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی احمد محبت سے بولا۔

"کیسی ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں اگر تم نے آج آنا تھا تو مجھے پہلے ہی بتا دیتے۔"

"اگر پہلے بتا دیتا تو تمہارے چہرے پر اچانک آجانے کی خوشی کیسے دیکھتا۔"

"اچھا تم خیریت سے گھر تو پہنچ گئے نا؟"

"ہاں بابا ہاں اچھا بعد میں بات کرتے ہیں اپنا خیال رکھنا اور آئی لو یو۔" احمد کے کہنے پر صابرہ اپنے آپ سے شرما گئی۔

انور اور نسیم کے تین بیٹے اور تین ہی بیٹیاں تھیں۔ بڑی جمیلہ جس کی شادی اپنے چاچو کے گھر ہو گئی تھی اس سے چھوٹی صابرہ جو کہ کالج میں پڑھتی تھی اور بڑی مامی کے بھانجے احمد سے محبت کرتی تھی جو مامی کو ان کے گھر چھوڑنے آتا تھا۔ احمد بھی اس سے بے حد و بے حساب محبت کرتا تھا، سب سے چھوٹی فریدہ تھی جو کہ میٹرک کر رہی تھی۔ احمد اور صابرہ سب سے چوری روز فون پر باتیں کرتے تھے۔ وہ یک جان اور دو قالب تھے۔ احمد کے ابو بے حد سخت تھے۔ مخالف وقت نے کروٹ لے ان کی محبت کو دو سال ہو گئے، گھر میں صابرہ کی شادی کی باتیں چلنے لگیں اور آج اسے دیکھنے لڑکے والے آنے والے تھے۔ اس نے لاکھ بہانے بنائے لیکن نسیم بیگم نے اس کی ایک نہیں سنی تو اس نے روتے ہوئے جلدی سے احمد کو فون کیا۔

"احمد، احمد میں تمہارے علاوہ کسی کی دلہن نہیں بنوں گی۔ پلیز اپنے گھر والوں کو بھیجو۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو صابرہ! تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ابو کس قدر سخت ہیں اگر میں نے اپنے گھر میں یہ بات بھی کی تو وہ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔"

"جب تم جانتے تھے کہ تمہارے ابو نہیں مانیں گے تو تم نے کیوں مجھے بڑے بڑے خواب دکھائے کیوں مجھ سے محبت کی بولو جواب دو۔" وہ تقریباً چیخ کر بولی تو احمد نرمی سے بولا۔

"ایک بات مانو گی تم یہ شادی کر لو اور ویسے بھی اگر آپ کسی کو پانے کا خواب دیکھتے ہیں تو اسے کھونے کا حوصلہ بھی رکھنا پڑتا ہے کیوں کہ ہر خواب پورا نہیں ہوتا صابرہ، مجھے بھول جاؤ اور ہاں میری منگنی ہو چکی ہے کچھ مہینوں میں میری شادی بھی ہو جائے گی مگر میں تم سے محبت کرتا تھا اور کرتا رہوں گا۔" اس نے مزید کچھ سنے بغیر فون کو دیوار پر دے مارا اور پاگلوں کی طرح چیخ چیخ کر رونے لگی۔

اس کے بعد اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا اور اس وقت وہ دلہن بنی بیٹھی تھی اس کی نہیں جس کے اس نے خواب دیکھے تھے بلکہ اس کی جو اس کا مقدر تھا کیسا اتفاق تھا جس سے اس کی شادی ہو رہی تھی اس کا نام بھی احمد ہی تھا اس سارے معاملے میں زندگی نے اسے ایک سبق ضرور دیا تھا۔

کبھی بھی کسی انسان سے توقع یا امید مت رکھنا، ورنہ خالی ہاتھ رہ جاؤ گے ہمیشہ اپنے رب سے مانگنا کبھی خالی ہاتھ نہیں رہو گے کیوں کہ وہ بڑا حیادار ہے اسے حیا آتی ہے کہ اس کے در سے کوئی خالی ہاتھ لوٹے۔ ہماری قسمت میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے وہ ہمیں ضرور ملتا ہے نہ زیادہ نہ ہی تھوڑا تو رونے سے بہتر ہے کہ جو ہمیں ملا ہے اسے خوشی سے قبول کر لیں۔ یہی تو زندگی ہے اسی کا نام ہی خوشی ہے اور یہ آج اسے پتا چلا تھا۔ اس نئے سال اس نے اپنی ایک نئی زندگی کا آغاز کیا تھا یہ سوچ کر کے جو غلطیاں اس نے پچھلے سال کی ہیں وہ غلطیاں وہ اس سال بالکل نہیں کرے گی۔

......☆......

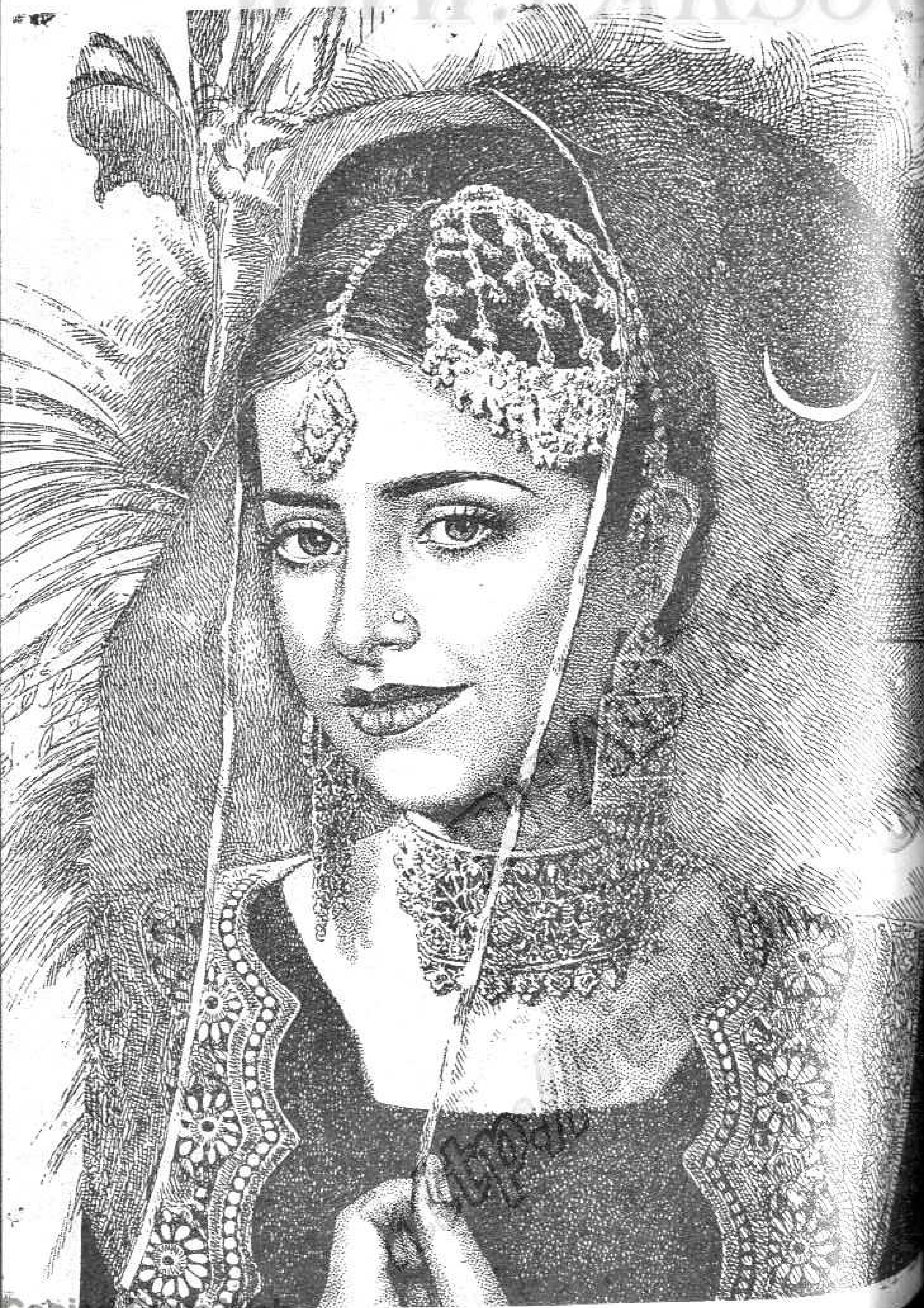
ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں

السلام علیکم!

صوبہ پنجاب کے ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں۔ ادارہ ماہنامہ "ردا ڈائجسٹ" نے ٹوبہ ٹیک سنگھ کے نیوز ایجنٹ حاجی محمد یاسین طاہر کو صوبہ پنجاب بالخصوص فیصل آباد و گردونواح کے شہروں میں ماہنامہ "ردا ڈائجسٹ" کی ترسیل (سپلائی کے لیے) سول ڈسٹری بیوٹر نامزد کیا ہے۔

ان شہروں کے ایجنٹ حضرات محمد یاسین طاہر سے اس موبائل نمبر 0321-7531597 پر رابطہ کریں۔

چیف ایڈیٹر صالحہ محمود



دانیہ آفرین

افسانہ

نیو ایئر پارٹی

"مام! دیکھیں نازنی مجھے کارٹون دیکھنے نہیں دے رہی۔" شاز نے رونے کے سے انداز میں ماں سے کہا۔

"اوہو شاز! تنگ مت کرو مجھے کام کرنے دو۔" شہلا نے غصے سے کہا اور پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

"ہیلو ڈیئر!" دائیں ہاتھ میں بیگ پکڑے اور بائیں بازو پر کوٹ ڈالے آفس سے گھر واپسی پر احسن نے خوشگوار موڈ میں بیوی کو مخاطب کیا اور پھر بیگ اور کوٹ سائیڈ میں رکھ کر اس کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ہائے گڈ ایوننگ ہنی!" شہلا نے بھی اسے مسکرا کر ویلکم کیا۔

"گڈ ایوننگ ڈیڈی!" دونوں بچوں نے باری باری باپ کو گڈ ایوننگ کہا۔

احسن پیلس میں گڈ ایوننگ، گڈ نائٹ، ہیلو سے ہی گفتگو شروع ہوتی تھی، یہاں سلام دعا کا کوئی رواج نہیں تھا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" احسن بچوں کی لڑائی نمٹا کر مڑا تو شہلا کو کاپی پین ہاتھ میں لیے کچھ لکھتے پا کر اس نے پوچھا۔

"پارٹی کی لسٹ بنا رہی ہوں؟" شہلا نے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

"اوہ......! اچھا فکر نہیں کرو سب ہو جائے گا ابھی پارٹی میں ایک ہفتہ باقی ہے۔" اس نے بیوی کا ہاتھ پکڑ کر اسے تسلی دی۔

"ون ویک باقی ہے صرف اور ابھی تک کچھ بھی تیاری نہیں ہوئی، میں نے کہہ دیا ہے ہماری پارٹی پرفیکٹ ہونی چاہیے، میں پارٹی میں کوئی کمی رہنے دینا نہیں چاہتی، پارٹی ایسی ہونی چاہیے جسے لوگ مدتوں یاد رکھیں۔" شہلا نے پرجوش انداز میں کہا۔

"ہاں، ہاں ایسا ہی ہوگا ڈونٹ وری اب ذرا چائے تو پلوا دو پلیز۔" احسن نے بیوی کو تسلی دی اور پھر اپنی ٹائی ڈھیلی کر کے صوفے پر ہی دراز ہوگیا۔

"ساجدہ! جلدی سے چائے لے کر آؤ، اتنی دیر سے لگی ہو تم ابھی تک چائے نہیں بنی۔" شہلا نے وہیں بیٹھے بیٹھے کلاس لی۔ کچھ دیر بعد ساجدہ ڈرتی ڈرتی ٹرالی کھینچتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی ٹرالی چیز سموسے، بریڈ رول، فرائیڈ فش اور پاستا سے سجی تھی۔ احسن پیلس میں شام میں چائے کا روز اسی طرح اہتمام ہوتا تھا نہ صرف شام کی چائے بلکہ رات کا کھانا، ناشتہ سب ہی نہایت اہتمام سے شاہانہ انداز میں۔

"تھوڑی دیر ہوگئی۔" ساجدہ نے سرو کرتے ہوئے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"ٹھیک ہے آئندہ خیال رکھنا۔" شہلا نے نقش کھاتے ہوئے کہا سب چیزیں بہت مزے کی تھیں، اسی لیے اس کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا تھا، اب وہ سب چیزوں کے ساتھ بھرپور انصاف کر رہی تھی۔

"احسن! مجھے نیو ایئر پر کیا گفٹ دے رہے ہو؟" سموسہ کھاتے ہوئے اسے اچانک یاد آیا تھا۔

"تم بتاؤ تمہیں کیا گفٹ چاہیے؟" احسن نے چائے سپ لیتے ہوئے کہا۔

''مجھے ڈائمنڈ رنگ چاہیے اور وہ تم مجھے پارٹی میں سب گیسٹس کے سامنے پہناؤ گے۔'' اس نے حکمیہ کہا۔

''او کے ایز یو وش۔'' احسن نے کندھے اچکا کر لاپروائی سے کہا پھر نیوز دیکھنے لگ گیا۔

☆......☆

''عاصم! یہ صوفہ اس طرف رکھو وہاں زیادہ اچھا لگے گا اور صوفہ سیٹ کر کے کرٹنز بھی ڈال دینا، آج ہی کرنے ہیں سارے کام۔'' شہلا نے ڈرائنگ روم کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے نوکر کو دیگر کاموں کی یاددہانی کرائی۔

''جی بی بی جی! ہو جائے گا سب کچھ، آپ فکر نہ کریں۔'' عاصم نے اسے اطمینان دلایا اور پھر اس کے حکم کی تعمیل میں لگ گیا۔

شہلا عاصم کے سر پر کھڑی ہو کر ڈرائنگ روم کی سیٹنگ کروا رہی تھی۔ نیا فرنیچر، کارپٹ اور کرٹنز احسن پیلس میں سال نو کی تیاریاں جاری تھیں۔ شہلا بہت دل جمعی سے گھر کی تزئین و آرائش میں مصروف تھی۔ شہلا چاہتی تھی پورے گھر میں نیا پینٹ ہو مگر وقت کی کمی کی باعث صرف ڈرائنگ روم اور لاؤنج میں وال پیپر لگوانے پر ہی اسے اکتفا کرنا پڑا تھا۔

☆......☆

''کیا کہا ڈاکٹر نے؟'' شہلا نے کمرے میں داخل ہوتے احسن سے پوچھا۔

''اماں کی شوگر اور بلڈ پریشر کنٹرول نہیں ہو رہا، ڈاکٹر کا کہنا ہے نیا ٹریٹمنٹ شروع کرنا ہوگا، اس سے پہلے کچھ ٹیسٹ کروانے ہیں۔'' احسن نے بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے اسے تفصیل بتائی۔

''اف نیا ٹریٹمنٹ اور ٹیسٹ......! اب ان چکروں میں پڑو۔'' شہلا نے ہاتھوں پر لوشن لگاتے ہوئے نخوت سے کہا۔

''صبح جاؤں گا میں لیب پتہ کرتا ہوں ٹیسٹوں کا۔'' احسن نے پرسوچ انداز میں کہا اور پھر بلینکٹ اوڑھ کے لیٹ گیا۔ شہلا ہاتھوں پیروں پر اچھی طرح لوشن لگا کر بیڈ پر آئی تو اس کا موڈ بری طرح آف ہو چکا تھا۔

اکثر انسان اپنی زندگی کو خود ہی مشکل بنا دیتا ہے۔ اپنے لیے خود ہی گڑھے کھودتا ہے، بے سکونی کا سامان کر کے سکون کی طلب کرتا ہے۔

☆......☆

''ہنی! گڈ آفٹر نون۔'' شہلا نے خوشگوار انداز میں احسن سے کہا۔

''اس وقت ہم کیسے یاد آ گئے آپ کو؟'' احسن نے شرارت سے پوچھا۔

''ہنی! ایسے ہی تم سے بات کرنے کے لیے رنگ کیا ہے میں نے۔'' شہلا نے ہلکی سی ناراضی سے کہا۔

''او کے اور پارٹی کی تیاریاں کہاں تک پہنچیں؟'' اس نے یاد آنے پر پوچھا۔

''پارٹی کی ارینجمنٹ چل رہی ہے، تم یہ بتاؤ لیب گئے؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''ہاں گیا تھا۔'' احسن نے مختصر جواب دیا۔

''کیا ہوا پھر؟'' شہلا کے لہجے میں فکرمندی نہیں بلکہ کچھ اور تھا۔

''پانچ ہزار کے ہوں گے ٹیسٹ۔'' ایک ہاتھ سے موبائل کان پر لگائے اور ایک ہاتھ لیپ ٹاپ کی کیز پر چلاتے وہ اسے تفصیل بتا رہا تھا۔

''پانچ ہزار......!'' شہلا کی چیخ نکلی تھی۔

''احسن سنو! ابھی ہم پارٹی کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں، ویسے ہی ابھی بہت کچھ رہتا ہے، ذرا سی بھی کمی رہ گئی تو ہماری ناک کٹ جائے گی اور میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی۔ اماں کونسا کہیں جا رہی ہیں، ان کی دوائیاں اور ٹیسٹ ہم بعد میں بھی کروا سکتے ہیں۔ ابھی ہمیں اپنی ساری توجہ پارٹی پر لگانی ہے۔ ٹیسٹ کے چکروں میں پیسے کم پڑ گئے تو ہماری ساری محنت پر پانی پھر جائے گا بلکہ میں تو کہتی ہوں کچھ دنوں کے لیے اماں کو گاؤں چھوڑ آؤ، گھر میں کل پارٹی ہے کھانس کھانس کر ڈسٹربنس کریں گی، تم آج انہیں چھوڑ آؤ

کچھ دنوں بعد واپس لے آنا۔'' وہ سفاکی سے کہہ کر اب احسن کے جواب کی منتظر تھی۔

''ابھی میں ایک میٹنگ میں جا رہا ہوں، تم سامان پیک کر دو ان کا میں آج شام چھوڑ آؤں گا او کے بائے۔'' احسن کے آخری جملے نے شہلا کو جی جان سے خوش کر دیا تھا۔

☆......☆

احسن سلیم صاحب اور شاہین بیگم کی اکلوتی اولاد تھا۔ سلیم صاحب گاؤں کے رہنے والے تھے، جب احسن تھوڑا بڑا ہوا تو انہوں نے گاؤں سے شہر کا رخ کیا۔ سلیم صاحب نے دن رات ایک کر کے احسن کو اچھی سے اچھی تعلیم دلوائی اور اس کے بہتر مستقبل کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی، جہاں سلیم صاحب نے احسن کے لیے دن رات ایک کر دیا، وہیں شاہین نے بھی بیٹے کو بہتر زندگی دینے کے لیے بہت محنت کی۔ احسن جب خود مختار ہوا تو جوانی کے زعم میں پسند کی شادی کر لی۔ ماں باپ کو دکھ تو ہوا مگر بیٹے کی خوشی کی خاطر برداشت کر لیا۔ احسن کی شادی کے بعد سلیم صاحب خالق حقیقی سے جا ملے، شاہین بیگم شوہر کی وفات کے صدمے سے نہیں نکلی تھیں کہ بیٹے اور بہو کے بدلتے رویے نے انہیں مزید توڑ دیا۔ خدا کی زمین ان پر تنگ کر دی گئی اور انہیں گھر کے سب سے کونے والے کمرے میں کسی بے کار پرزے کی مانند ڈال دیا گیا۔

☆......☆

گلابی اور سفید رنگ کے غبارے کارپیٹ پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بڑی نفاست سے رکھے تھے۔ اندھیرے میں رنگ برنگی ڈسکو لائٹس اور بیک گراؤنڈ میں چلتا ہلکا ہلکا میوزک ماحول کو خوبصورت بنا رہا تھا۔ سب لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ شہلا بلیک ساڑھی اور اس پر سلور جیولری، سب ہی خواتین میں منفرد لگ رہی تھی۔ وہ مہمانوں کو ویلکم کرنے کے ساتھ پارٹی بھی انجوائے کر رہی تھی، اس کی خوشی دیدنی تھی، سب ہی اس کی ارینجمنٹ کو سراہ رہے تھے۔ احسن نے اسے سب مہمانوں کے سامنے ڈائمنڈ رنگ پہنائی تھی۔ 12 بجے کیک کاٹا جانا تھا، سب کچھ اب تک پرفیکٹ چل رہا تھا کہ اچانک ساجدہ گھبرائی ہوئی آئی۔

''کیا ہوا ساجدہ؟'' احسن نے پوچھا۔

''وہ صاحب جی گاؤں سے فون آیا ہے، اماں کی طبیعت بگڑ گئی ہے آپ کو بلایا ہے۔'' ساجدہ نے ہانپتے ہوئے بتایا۔

''اوہ......!'' احسن نے ساجدہ کی بات سن کر شہلا کی طرف دیکھا، جو اپنے ہونٹوں کو دانتوں میں دبے احسن کو ہی دیکھ رہی تھی۔

''احسن صاحب! آپ فوراً جائیں۔'' یہ کہنے والے فیضان صاحب تھے۔

''ہاں احسن! آپ کو فوراً اپنی امی کو ہسپتال لے کر جانا چاہیے۔'' شارم نے آگے بڑھ کر کہا۔

''وہ پارٹی......!''

''پارٹی کا کیا ہے جانا ضروری ہے۔'' ثمرین، شہلا کو کاٹ کر بولی۔

سب کے اصرار پر احسن اور شہلا کو آخرکار پارٹی ختم کر کے جانا ہی پڑا۔ احسن خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ جب کے شہلا پارٹی کے خراب ہو جانے اور پیسوں کے ضائع ہو جانے پر تڑپ رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا زمین و آسمان غصے سے ایک کر دے۔ غصہ کرتے اور باتیں بناتے ہوئے ہی اچانک کچھ ہوا اور اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ کچھ دیر بعد اسے اپنا وجود تاریکی میں جاتا محسوس ہوا۔

☆......☆

بوڑھے کھردرے ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا تو اس نے آنکھیں کھولیں سامنے شاہین بیگم ایک ہاتھ میں تسبیح پڑھتی دوسرا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھی شفقت

سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ وہ اس وقت کس منظر میں ہے، اس نے خود کو آکسیجن ماسک اور ڈرپس میں جکڑا پا کر ادھر ادھر دیکھا تو کچھ دور احسن سنجیدگی سے کھڑا نظر آیا۔

''م...... میں کہاں؟'' وہ بامشکل یہی بول پائی۔

''شہلا! کیسی طبیعت ہے اب؟'' احسن نے اس کے قریب آ کر آہستگی سے پوچھا۔

''احسن! مج...... مجھے...... ک...... کیا ہوا؟'' اس نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔

''شہلا! اس رات ہائی وے پر ہمارا بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا تھا، ہمارا بچ جانا کسی معجزے سے کم نہیں ہے، مجھے ایکسیڈنٹ کی اگلی صبح ہوش آ گیا تھا مگر تمہیں آج 5 دن بعد ہوش آیا ہے۔ ڈاکٹرز تو ناامید ہو گئے تھے مگر اماں کی دعائیں رنگ لے آئیں اور تمہیں اللہ نے نئی زندگی بخش دی۔ اماں ایکسیڈنٹ والی رات سے تمہارے پاس ابھی تک یوں ہی بیٹھی ہیں۔'' احسن نے نم آنکھوں سے ماں کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

جس رات ان دونوں کا ایکسیڈنٹ ہوا، اسی رات شاہین گاؤں سے واپس آ گئی تھیں۔ انہوں نے سب کچھ بھلا کر اپنی بیماری کو نظر انداز کر کے دن رات شہلا کے سرہانے بیٹھے گزارے تھے۔ شاہین بیگم نے شہلا کی زندگی کے لیے اللہ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگی تھیں۔ انہوں نے اس کے علاج کے لیے اپنے کنگن بیچ دیے تھے، جو ان کے پاس سلیم صاحب کی آخری نشانی تھے۔ ان کنگنوں کو انہوں نے چھپا کر بہت احتیاط سے رکھا تھا۔ شادی کے بعد سے وہ اسے سنبھالتی آ رہی تھیں مگر جب بات اولاد کی آئے تو ماں اپنی ساری متاع اس کی خاطر قربان کر سکتی ہے۔

''بیٹا! تم یہاں شہلا کے پاس بیٹھو، میں شکرانے کے نفل پڑھ کر آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ کرسی سے اٹھ گئیں۔

''امی! مجھے معاف کر دیں۔'' شاہین بیگم کے قدم رکے تھے، انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا شہلا کی آنکھوں سے ندامت کے آنسوؤں کی بارش جاری تھی۔ وہ آج ان سے معافی کی طلب گار تھی ان کے آگے سوالی تھی اور جب اولاد ماں باپ سے محبت سے کچھ مانگتی ہے، تو وہ لمحہ لگائے بغیر سب کچھ بھلا کر اولاد کو فوراً اس کی طلب گار چیز دینے کے لیے تڑپ اٹھتے ہیں۔ ماں باپ تو اولاد پر اپنی جان تک وار دیتے ہیں، یہ تو پھر معافی تھی۔

شاہین آگے بڑھیں اور پیار سے شہلا کی پیشانی کو چوما۔

''بیٹا! اب بس سب کچھ بھول جاؤ اور جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ، تمہارا گھر تمہارے بچے احسن سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''

''اور اماں آپ؟'' شہلا نے تڑپ کر پوچھا۔

جب انسان صحیح راہ پر واپس لوٹتا ہے تو سوچ کے جذبات کے نئے ادوار اس پر کھلتے ہیں وہ ایک نئی سی کیفیت سے گزرتا ہے۔ شہلا کا بھی یہی حال تھا۔

''ہاں مجھے بھی تمہارا انتظار ہے بیٹا! اب تم آرام کرو میں نوافل پڑھ کر آتی ہوں۔'' اماں نے مسکرا کر کہا اور وضو کے لیے باتھ روم میں چلی گئیں۔

احسن کرسی پر ڈھیلے سے انداز میں بیٹھ گیا اور شہلا نے پرسکون ہو کر آنکھیں موند لیں، جب دلوں پر سے گرد ہٹ جائے تو انسان خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے۔ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں زندگی میں ہی اپنی غلطی سدھارنے کا موقع ملتا ہے۔

ماں باپ اللہ کی بڑی نعمت ہیں مگر افسوس آج کل لوگ خود اللہ کی نعمت سے منہ موڑے ہوئے ہیں، دینی احکامات اور تمام روایات کو بھولے مغربی طرزِ عمل پر چل پڑے ہیں۔ لوگوں کے لیے ماں بوجھ بن گئی ہے۔ آج کے مادی دور میں انسان نے سب سے پہلے کچھ کھویا ہے تو وہ احساس ہے ماں باپ جیسی عظیم ہستیوں کو دکھ دے کر انسان خوشیوں اور سکون کی تلاش میں ہے، بے شک انسان اپنے اوپر خود ظلم کر رہا ہے، اس نے اپنی زندگی خود تنگ بنا رکھی ہے۔

......☆......

قمروش شہک

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 15

تیرے پیار کی خوشبو

''اب اجازت دیجیے۔'' حنین آفریدی نے جھک کر جہاں آراء کو دیکھا تھا۔

''ہاں بیٹا! خیر سے جاؤ مگر تم سے ایک ریکوئسٹ اور بھی کرنی تھی۔



''جی کہیے۔''

''میری لاروش سے اگر نادانستگی میں کوئی غلطی ہو جائے تو نادانی سمجھ کے معاف کر دینا، اس نے بیس سال تکلیفوں میں گزارے ہیں۔ دنیا کی سمجھ نہیں ہے صرف گھر کی چار دیواری میں اس نے اپنی زندگی گزاری ہے تم بہت خیال رکھنا میری لاروش کا۔''

''جی بہتر۔ اللہ حافظ۔''

حنین آفریدی نے گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے آگے بڑھا لی تھی لاروش نے پیچھے مڑ کے دیکھا تھا جہاں آراء مولوی صاحب کو پیسے دے کر چوکیدار کے ساتھ رخصت کر رہی تھیں اور اب ان کی جاتی ہوئی گاڑی کو دیکھنے لگی تھیں۔ وہ لاروش اغولان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھیں۔ لاروش اغولان نے چادر منہ پر رکھے بنا آواز کے ایک بار پھر سسک سسک کر رونا شروع کر دیا تھا۔



☆......☆

''آسیہ بھابھی!'' نجمہ نے ہولے سے پکارا تھا۔

''نجمہ!'' آسیہ بلکتی نجمہ کے گلے سے لگی تھیں۔

''نجمہ! میرا بچہ میرا زرمیل اندر آئی سی یو میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا ہے۔ سارے ڈاکٹرز ناامید ہو چکے ہیں۔ نجمہ اگر زرمیل کو کچھ ہو گیا تو میں بھی مر جاؤں گی زندہ نہیں رہوں گی۔'' ان کا پورا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا۔ ان کا رواں رواں تڑپ رہا تھا۔ بلک رہا تھا۔

''اللہ نہ کرے آسیہ بھابی!'' نجمہ بھی تڑپ کے رہ گئی تھیں۔

''انشاء اللہ ہمارے زرمیل کو کچھ نہیں ہو گا۔ بہت سارے ہاتھ اللہ کی بارگاہ میں زرمیل کی زندگی مانگنے کے لیے اٹھے ہیں۔'' نجمہ تو خود بے اختیار رو رہی تھیں کہ ٹھیک سے تسلی بھی نہیں دی جا رہی تھی۔

اور زرمیل کو اس حال پر پہنچانے والا ارشد دیوار سے ٹیک لگائے سر کو شرمندگی سے جھکائے زمین میں ہی گڑا جا رہا تھا۔ زرمیل کی اس حالت کا ذمہ دار وہی تو تھا مگر اب تک کسی نے بھی اسے قصوروار نہیں ٹھہرایا تھا۔ ہجوم کے کٹہرے میں نہیں کھڑا کیا تھا جو اس کے لیے مزید شرمندگی کا باعث تھا۔ اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ اپنی نظریں اٹھا کے اس تڑپتی بلکتی روتی فریاد کرتی ماں کو دیکھ لیتا۔ ان سے اپنے کیے کی معافی ہی مانگ لیتا۔

''بس کریں آسیہ بھابھی ورنہ آپ کی اپنی طبیعت خراب ہو جائے گی۔''

رابعہ تو خود بے بسی کے مارے رو دی تھیں مگر آسیہ کی حالت خود ان سے بھی نہیں دیکھی جا رہی تھی تو انہوں نے آسیہ کو خود سے لگا لیا تھا۔

''نہیں رابعہ مجھ سے صبر نہیں ہو رہا میرا بچہ اندر تکلیف میں ہے۔ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔'' ان کا رونا بند ہی نہیں ہو رہا تھا۔ کسی پل سکون نہیں آ رہا تھا۔ دل عجیب وسوسوں کا شکار تھا۔ ڈر و خوف اندر کنڈلی مار رہے تھے کچھ انہونی نہ ہو جائے زرمیل کو کچھ ہو نہ جائے۔

''ممی پلیز! سنبھالیں خود کو، زرمیل بھائی کو کچھ نہیں ہو گا وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔'' حرا نے ڈری ڈری تسلی دی تھی۔ ورنہ اندر سے وہ بھی تو بہت خوفزدہ تھی۔ دل رو رہا تھا۔ اپنے بھائی کی زندگی کی دعا مانگ رہا تھا۔

بارہ گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد آپریشن تھیٹر سے ڈاکٹرز نکلے تھے۔ سلیم احمر، فہیم احمر اور عارفین تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

''کیسی طبیعت ہے ڈاکٹر زرمیل کی۔'' کس قدر بے صبری تھی ان کے لب و لہجے میں۔

''شکر ہے اس رب العزت کا جس نے آپ کے بیٹے کو نئی زندگی دی ہے۔'' ڈاکٹرز اپنے کامیاب آپریشن سے بہت خوش تھے۔

''شکر ہے پروردگار کا۔'' تینوں نے اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ادا کیا تھا۔ سلیم احمر اور فہیم احمر تو فوراً ہی مسجد چلے آئے تھے۔ نفل شکرانے کی نماز ادا کرنے صدقات و خیرات ادا کرنے، وہ اپنے رب کا جتنا شکر ادا کرتے کم تھا۔ غریبوں و مسکینوں کو خیرات تقسیم کی تھی۔ ایدھی میں کتنی ہی دیگیں پہنچائی تھیں گو کہ اپنی تجوریوں کے دل کھول کر منہ کھول دیئے تھے۔

سب نے اپنے اپنے طریقے سے اللہ کے حضور شکرانہ ادا کیا تھا۔ آسیہ تو سجدے میں گر کے ہچکیوں

سے رو دی تھیں۔ ان کا بیٹا زندگی کی جنگ جیت چکا تھا۔ رابعہ اور نجمہ نے بھی جائے نماز بچھائے شکرانے کے نفل ادا کیے تھے۔

اس سب کے دوران کسی کو بھی ژالے کا کوئی خیال نہیں آیا تھا۔ جب معاملہ کچھ بہتر ہوا تو حرا نے غور کیا ژالے یہاں موجود کیوں نہیں ہے۔ اس کا تو اس وقت یہاں موجود ہونا ضروری تھا۔ حرا چونکہ کالج گئی تھی اس لیے گھر میں ارشد اور زرمیل کے درمیان ہونے والی تکرار سے بے خبر تھی۔

''ممی! ژالے کہاں ہے وہ اسپتال آئی نہیں ہے کیا؟'' حرا کو ژالے کی غیر موجودگی پر بہت افسوس ہوا تھا۔ دکھ تو ثمرن پر بھی ہوا تھا۔ کیوں کہ زرمیل، ثمرن کو بہت چاہتا تھا۔ حرا اور ثمرن میں کوئی فرق نہیں رکھتا تھا پھر ان دونوں کی غیر موجودگی......!

اس کے دماغ میں کسی گڑبڑ کے ہونے کی گھنٹیاں سی بجنے لگی تھیں۔

''ہاں نجمہ بھابھی! ژالے کو کیوں لے کر نہیں آئیں۔ حالات چاہے جو بھی رہے ہوں زرمیل ژالے کا شوہر ہے۔ اس حقیقت کو ہم نہیں جھٹلا سکتے۔ ژالے کا یہاں ہونا بہت ضروری ہے۔'' رابعہ کو بھی ژالے کی کمی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔

نجمہ نے شرمندگی سے آسیہ کو دیکھا تھا پھر رابعہ کو۔

''ژالے کو جب زرمیل کے بارے میں پتہ چلا تو وہ اسی وقت بے ہوش ہو گئی تھی۔ ارشد نے فوراً ڈاکٹر سعدیہ کو بلوایا تو ژالے کو شاک کی کیفیت میں بتایا اس کے دل و دماغ کو زبردست دھچکا لگا ہے اور دوسری بات کہ......'' وہ خاموش ہو گئی تھی۔

''دوسری بات کیا نجمہ بھابھی؟'' رابعہ نے بغور ان کا چہرہ دیکھا تھا۔

''دوسری بات یہ کہ ژالے پھر سے امید سے ہے۔''

''کیا......! مگر نجمہ......!'' آسیہ اور رابعہ پر تو جیسے حیرانگی کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ وہ ٹھیک سے سمجھ نہیں پا رہی تھیں کہ یہ سب کیسے ہوا اور ان کی سوچ کو نجمہ نے پڑھ بھی لیا تھا۔

''اسلام آباد میں ژالے اور زرمیل ایک ساتھ ایک ہوٹل اور ایک ہی کمرے میں دو دن ساتھ رہے تھے۔'' پھر نجمہ سے آگے کچھ نہیں کہا گیا تھا۔ آسیہ نے نجمہ کو دیکھا ضرور تھا مگر سوچوں کے تانے بانے صرف اور صرف ایک ہی نقطے سے الجھے ہوئے تھے کہ اگر ایسی بات تھی کہ بات یہاں تک پہنچی تو پھر ژالے نے زرمیل کو چھوڑ کے ارشد کا ساتھ کیوں دیا؟

''پھر تو نجمہ بھابھی آپ اس وقت گھر جائیں ژالے کے پاس یہاں میں ہوں آسیہ بھابھی ہیں اور پھر اللہ کا بہت بہت کرم ہے کہ زرمیل بھی خطرے سے باہر ہیں۔'' رابعہ نے سنجیدگی سے نجمہ کو دیکھا تھا۔

''ہاں ژالے کے پاس معصوم ہے وہ خیال رکھے گی اب فجر کی اذان بھی ہونے والی ہے میں فجر کی نماز ادا کر کے پھر زرمیل کو دیکھ کر چلی جاؤں گی۔''

''چلیں ٹھیک ہے۔'' رابعہ اور نجمہ دونوں ایک ساتھ وضو کرنے اندر بڑھیں۔

☆......☆

وہ صبح فجر کی نماز کے بعد کراچی کی حدود میں داخل ہو گئے تھے۔ اس وقت حنین آفریدی کی اتنی بری

حالت تھی کہ اسے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی اس حال سے بھی گزرا ہو گا وہ۔

ایک تو نیند اوپر سے شدید بھوک نے اسے بالکل جیسے توڑ کے رکھ دیا تھا۔ وہ تو ویسے بھی بھوک کا بہت کچا تھا اور جو مزید وہ کوفت اور بے زاری کا شکار تھا اس کی سب سے بڑی وجہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی بڑی سی چادر میں لپٹی یہ لڑکی جسے وہ اب تک صرف روتے ہوئے ہی دیکھ اور سن رہا تھا، جسے چپ کرانے کی اس نے زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی۔

''پلیز خدا کے لیے آپ خاموش ہوں گی۔'' آخر کار وہ لاروش اغولان کے رونے سے بری طرح تھک چکا تھا۔ بیزار ہو چکا تھا۔ مگر لاروش اغولان نے تو جیسے نہ چپ ہونے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔ حنین آفریدی کی بھی برداشت اب ختم ہو گئی تھی اس کے صبر کا پیانہ لبریز ہو گیا تھا۔

''فار گاڈ سک! چپ ہو جائیے ورنہ یقین جانیے میں آپ کو ابھی اور اسی وقت اس گاڑی سے نیچے اتار دوں گا۔'' بے حسی اور سختی کی ساری حدیں توڑ دیں تھیں اس وقت حنین آفریدی نے، لاروش اغولان اس کے یوں دہاڑنے پر بری طرح سہم کر اس کی بلوریں آنکھوں میں تکنے لگی جہاں زمانے بھر کی بے زاری تھی۔

''آئی سوئیر اگر اب آپ کی مجھے اتنی سی بھی آواز آئی تو میں کوئی لحاظ نہ کروں گا اور نہ ہی کوئی رعایت۔'' حنین آفریدی نے غصے سے کہتے ہوئے لاروش اغولان کی سہمی سہمی خوف زدہ ہرنی آنکھوں میں بغور دیکھا تھا اور پھر نگاہوں کا رخ پھیر کر نظریں ونڈ اسکرین پر جما دی تھیں۔

اس کا ذہن بری طرح تھک چکا تھا بلکہ اس کا ایک ایک اعضاء دکھ رہا تھا اور پیٹ میں الگ بھوک سے آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ اس سے اتنی بڑی غلطی ہو گئی تھی کہ اپنے کھانے پینے سے بھرا بیگ گھر ہی بھول گیا تھا۔ جو اتنی جلد بازی کے نکاح کے چکر میں جہاں آراء کے بیڈ روم سے اٹھانا ہی بھول گیا تھا۔ وہ سوچ بھی رہا تھا کہ کسی ہوٹل میں رک کے اچھا سا حلوہ پوری کا ناشتہ کرلے مگر دل شدت سے یہی چاہ رہا تھا کہ جلدی سے گھر آ جائے اور وہ اپنے آرام دہ بڑے سے روم میں سکون سے بھرپور نیند کے مزے لے۔

لاروش اغولان، حنین آفریدی کے سختی سے ڈانٹنے پر چپ تو ہو گئی تھی مگر دل اندر سے پھر بھی خون کے آنسو رو رہا تھا۔ دل و دماغ صرف وہیں جہاں آراء کی طرف اٹکا ہوا تھا۔ گھر میں سب کو جب پتہ چلے گا تو جانے ماموں ممانی کا برتاؤ کیسا ہو گا لالا گل تو ان کو چھوڑے گی نہیں۔'' انہی دردناک سوچوں میں گھری رہی تھی وہ کہ پتہ بھی نہیں چلا گھر بھی آ گیا تھا۔ حنین آفریدی کی گاڑی گھر کے دروازے پر آ رکی تھی۔ آٹو میٹک دروازہ کھلا تھا۔ گاڑی اندر داخل ہو گئی تھی۔

لاروش اغولان نے نظر اٹھا کے دیکھا تھا۔ اس کی تو آنکھیں کھلی کی کھلی ہی رہ گئی تھیں وہ گھر نہیں کوئی شاندار سا محل تھا۔ اتنا بڑا ہرا بھرا سا لان جہاں ہر قسم کے پھولوں کے چھوٹے بڑے گملے قرینے سے رکھے گئے تھے۔ پتہ نہیں کتنے قسم کے تو درخت بھی کھڑے تھے جس میں بہت سے قسم کے پھل بھی لگے ہوئے تھے۔ صبح صادق کے وقت کا یہ ہرا بھرا سا منظر آنکھوں کو تراوٹ بخش رہا تھا۔ ایک سکون سا اندر تک اتر رہا تھا۔ رنگ برنگے ہر قسم کے پھولوں اور پھلوں کا یہ بڑا سا باغ اس قدر حسین اور دلکش لگ رہا تھا کہ وہ اس سرسبز و ہریالی میں کھو سی گئی تھی اور اس قدر بڑے سے سرسبز لان کے بیچ وہ کانچ، اینٹوں اور ماربل سے

بنا حسین ترین عالی شان محل اس سرسبز و شاداب ہریالی کی شان اس کی قدر بڑھا رہا تھا۔ اس محل کا پورچ ہی اتنا بڑا تھا کہ ہر ماڈل کی گاڑیاں وہاں لائن سے کھڑی تھیں۔ جہاں آراء نے بتایا تھا کہ یہ لوگ جدی پشتی رئیس ہیں۔ یوں سمجھو دولت شہرت عزت یہ لوگ اوپر سے ہی لکھوا کے لائے ہیں مگر اتنے امیر ہوں گے وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ خود اس کو اپنی ذات برابر میں بیٹھے حنین آفریدی کے سامنے بہت چھوٹی لگ رہی تھی۔ کوئی دو منٹ تو لگے ہی ہوں گے انہیں مین گیٹ سے پورچ تک آنے میں۔

''یہ سب بعد میں تسلی اور سکون سے دیکھ لیجیے گا۔ کیوں کہ آپ کو اب یہیں زندگی بھر رہنا ہے۔ یہ سب آپ کا بھی ہے مگر فی الحال پلیز ابھی اندر چلیں کیوں کہ میرا اسٹیمنا بالکل ختم ہو گیا ہے۔'' حنین آفریدی کی آواز پر اور اس کے لفظوں پر وہ جی بھر کے شرمندہ ہوئی تھی اور خود اپنے آپ کو ہی دل ہی دل میں برا بھلا بولنے لگی تھی۔

حنین آفریدی گاڑی سے نیچے اترا تو لاروش اغولان بھی اپنی بڑی سی چادر سنبھالتی نیچے اتری تھی۔ کاریڈور پار کرتے ہوئے وہ اس محل میں داخل ہوئے تھے۔ حنین آفریدی نے تو ایک سکون سے بھرا سانس لیا تھا کہ جانے کتنی کٹھن سے بھری مسافت طے کر کے آیا ہو۔ کچھ یاد آنے پر اس نے ایک نظر پلٹ کر اپنے سے کچھ فاصلے پر کھڑی کالی چادر میں لپٹے وجود پر ڈالی تھی۔

''ایک بات اور کہنی ہے ہمارا نکاح ہوا ہے فی الحال اس کا ذکر کسی سے بھی نہیں کریں گی آپ جب وقت آئے گا تو میں خود بات کرلوں گا۔''

اور پھر وہ رکا نہیں تھا۔ تیزی سے چلتا ہوا اوپر کی سمت بڑھا تھا۔ لاروش اغولان تو صرف دیکھتی کی دیکھتی ہی رہی گئی تھی۔ اتنے بڑے سے خوب صورت ترین لاؤنج کے سینٹر میں وہ اسے اکیلا چھوڑ کے اوپر جانے کون سے کمرے میں غائب ہو گیا تھا۔ حنین آفریدی کی اس قدر بے حسی و بے مروتی پر اس کا دل بری طرح پھوٹ پھوٹ کے رونے کو کر رہا تھا۔ اب وہ کہاں جائے یہاں اس گھر میں کون اس کو پہچانے گا اور نہ ہی تو وہ کسی کو جانتی تھی۔ عجیب شش و پنج کا شکار وہ بے وقوفوں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ وہ تو یہاں اندر آنے والا راستہ بھی نہیں جانتی تھی۔ جب کھڑے کھڑے پیر شل ہو گئے جسم کا ہر عضو تو پہلے ہی دکھ رہا تھا جب برداشت سے باہر ہو گیا تو وہ وہیں ایک صوفے پر ٹک گئی تھی۔

''نانو! آپ نے مجھے کس امتحان میں ڈال دیا ہے۔ کہیں میری زندگی میں ایک نئی آزمائش تو نہیں آ رہی ہے۔ اف میرے خدا میں کیا کروں تو ہی میری مدد فرما۔ مجھے یہاں لانے والا میری زندگی کا ساتھی شریک حیات میرا مجازی خدا تو بے خبر اپنی نیند کے مزے لوٹ رہا ہو گا۔ جسے یہ بھی احساس نہیں کہ میں یہاں نہ کسی کو جانتی ہوں نہ پہچانتی ہوں نہ ہی کوئی مجھے جانتا پہچانتا ہے۔ اگر مجھے کسی نے اس گھر سے نکال دیا تو؟'' اس سے آگے کی سوچ ہی نہایت تکلیف دہ اذیت ناک تھی۔ وہ تو بس اب رونے ہی والی تھی کہ کسی کی آہٹ پر اس نے سر اٹھا کے دیکھا تھا۔

آنے والی خاتون اس کی نانو کی عمر کی ہی خاتون تھیں۔ جو دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے نزدیک آ ٹھہری تھیں۔ لاروش اغولان ان کو دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کی دونوں ٹانگیں کپکپانے لگی تھیں اب وہ اس سے سخت لہجے میں پوچھیں گی۔

"کون ہو تم، یہاں کیا کر رہی ہو کس کی اجازت سے اندر آئیں۔ نکل جاؤ یہاں سے۔" بہت سے ایسے سوالات اس کے دل و دماغ میں گردش کر رہے تھے۔

"کون ہو بیٹی تم؟" اس قدر نرم و ملائم لب و لہجہ اتنا شیریں انداز کہ اسے اپنی فضول سوچوں پر شرمندگی سی محسوس ہوئی تھی۔

"ج..... جی....." زبان لڑکھڑا کے رہ گئی تھی۔

بی جان کی زیرک نگاہوں سے اس کی گھبراہٹ چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ اس کی غیر ہوتی حالت سے ایسا لگا جیسے وہ ابھی یہیں بے ہوش ہو جائے گی۔ بی جان ہولے سے مسکرا دیں۔

"ایسا کرو پہلے آرام سے سکون سے بیٹھ جاؤ۔ شاباش۔" بی جان صوفے پر بیٹھی تھیں تو لاروش اغولان بھی واپس اپنی جگہ پر ٹک گئی تھی نگاہیں بدستور جھکی ہوئی ہی تھیں۔

"اب یہ بتاؤ کون ہو تم اور کیا نام ہے تمہارا؟"

"لاروش..... لاروش اغولان۔" لاروش اغولان نے ہچکچاتے ہوئے بی جان کو دیکھا تھا۔

"لاروش اغولان.....؟" بی جان نے اس کا نام دہرایا تھا اور پھر بغور اس کا خوف زدہ چہرہ اس کی ڈری ڈری ہرنی آنکھیں دیکھیں۔

"تم جہاں آراء کی نواسی ہو؟" بی جان فوراً ہی پہچان گئی تھیں۔

"جی۔" لاروش اغولان نے دھیرے سے گردن اثبات میں ہلا دی تھی۔

"جہاں آراء کیسی ہے وہ نہیں آئی تمہارے ساتھ اور تم یہاں کیسے آئی ہو؟" ایک ساتھ اتنے سارے سوالات وہ تو صحیح معنوں میں گھبرا کے رہ گئی تھی۔

"جی وہ....." لاروش اغولان کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آیا کہ آیا حنین آفریدی کا نام لینا بھی چاہیے یا نہیں مگر اس کی یہ مشکل بھی بی جان نے آسان کر دی تھی۔

"حنین آفریدی تمہیں یہاں لایا ہے؟"

"جی۔" اس نے اس طرح کہا جیسے اپنے کسی گناہ کا اعتراف کر رہی ہو۔

"اور جہاں آراء وہ تم لوگوں کے ساتھ نہیں آئی؟"

"جی نہیں۔"

"کیوں جہاں آراء کیوں نہیں آئی؟ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" بی جان کے لہجے میں واضح فکرمندی محسوس کی جا سکتی تھی۔

"نہیں نانو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" ان کے ذکر پر لاروش اغولان کی ہرنی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے تھے۔

"پریشان مت ہو، اللہ بہتر کرے گا۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں اس سے فون پر بات کر لوں گی۔ تم بہت لمبے سفر سے آئی ہو۔ کچھ دیر آرام کر لو پھر مل کر ناشتہ کریں گے اور یہ کہ اب سے تم اسے ہی اپنا گھر سمجھنا۔ بہت آرام اور سکون سے رہنا تمہیں یہاں نہ تو کوئی تکلیف ہوگی اور نہ ہی تمہیں یہاں کوئی پریشان کرنے والا ہے۔ جہاں آراء تمہارے لیے بہت پریشان تھی فکرمند تھی اندر ہی اندر گھلتی رہتی تھی۔ میں ابھی

اسے فون کر کے کہہ دیتی ہوں کہ اب اسے تمہاری فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب سے تم میری ذمہ داری ہو تمہیں یہاں سب کچھ ملے گا۔ پیار، مان، محبت، چاہت، عزت سب کچھ اور تم بھی خود کو اکیلا اور تنہا مت سمجھنا جیسے جہاں آراء ہے ویسے ہی تمہارے لیے میں ہوں اب سے تم مجھے بی جان ہی پکارنا۔" انہوں نے لاروش اغولان کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا تھا۔ لاروش اغولان کا دل بھر آیا تھا اس کے دل کو جیسے سکون سا ملا تھا۔ جیسے تپتی کڑکتی ہوئی دھوپ سے وہ ٹھنڈی میٹھی چھاؤں میں آ بیٹھی ہو۔ ہرنی آنکھیں اس جانثار ہوتی محبت پر بھرنے لگی تھیں۔ تو بی جان نے اس کو بڑھ کر خود سے لگا لیا تھا۔

"بس اب رونا مت۔ اب تمہارے رونے کے دن ختم ہو گئے ہیں۔ آج سے میں تمہاری ان پیاری پیاری سی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں، ہمیشہ خوشی دیکھوں ہنستا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھوں ٹھیک ہے؟"

لاروش اغولان نے ہولے سے سر ہلا دیا تھا۔ بی جان نے اس کی چمکتی پیشانی پر بوسہ لیا تھا اور اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" وہ اسے ایک کمرے میں لے گئیں۔ جو بہت بڑا کشادہ اور خوبصورت تھا۔

"اب سے یہ کمرا تمہارا ہے تم یہاں سکون سے رہنا۔ کسی بھی شے کی ضرورت ہو بلا جھجک کہہ دینا۔ بالکل بھی نہ شرمانا نہ ہی گھبرانا۔"

"جی بی جان!"

"اب تم کچھ دیر سو جاؤ آرام کرو۔ باتیں پھر کریں گے۔ ابھی تم زوباریہ سے ملو گی تو اور خوش ہو جاؤ گی۔ اب جاؤ آرام کرو میں جب تک ناشتہ بنواتی ہوں پھر سب مل کر کریں گے۔" انہوں نے ایک بار پھر بزرگانہ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور چلی گئیں۔

جانے کتنا وقت گزر گیا تھا اسے نیند کی پرسکون وادی میں کھوئے ہوئے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سلکی ریشم جیسے نرم و ملائم بالوں میں کوئی دھیرے دھیرے انگلیاں پھیر رہا ہے اور ہولے ہولے سے شیریں آواز میں اسے پکار رہا ہے۔

"لاروش..... جان اٹھ جاؤ دیکھو دوپہر کے دو بج گئے ہیں اٹھو شاباش، کچھ کھا لو۔ بھوک بھی لگی ہوگی تمہیں لاروش بیٹا۔"

ممتا سے بھری پرنور آواز میں جیسے وہ کھو سی گئی تھی۔ اس نے کبھی اپنی سگی ماں کو دیکھا تو نہیں تھا مگر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ جنت میں ہے اور اس کی ماں بالکل اس کے قریب بیٹھی اسے پیار سے سہلا رہی ہے۔ اسے پکار رہی ہے وہی خوشبو وہی سکون وہی راحت جو کبھی دنیا میں اسے میسر نہیں تھی۔ وہ اس پل خود کو بہت پرسکون محفوظ سمجھ رہی تھی۔ زمانے کی تکلیفوں، اذیتوں سے آزاد سمجھ رہی تھی اس کے ہونٹوں پر اطمینان بھری خوشنما سی مسکراہٹ تھی اگر یہ خواب ہے تو یہ خواب کبھی نہ ٹوٹے وہ تمام عمر اس خوشبو بھرے حصار میں رہنا چاہتی تھی۔ اس ایک لمحے نے اس کے سارے دکھوں، ساری تکلیفوں کا مداوا کر دیا تھا۔ اس کی روح پر جسم پر لگے زخموں سے رستے لہو کو بھلا دیا تھا۔ زوباریہ آہستگی سے مسکرا دیں وہ سمجھ گئی تھیں ممتا سے محروم یہ پیاری سی معصوم بھولی بھالی لڑکی خوابوں و خیالوں کی وادیوں میں اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ کے کھلکھلا رہی ہے۔ خوش ہو رہی ہے وہ چاہتی نہیں تھیں کہ لاروش اغولان کا خواب توڑیں مگر وہ صبح سات

بجے سے بھوکی پیاسی سو رہی تھی۔ انہیں لاروش اغولان کی بھوک کی بھی فکر لاحق تھی۔ انہیں بے ساختہ اس کی معصومیت پر پیار آیا تھا۔

زوباریہ جھکیں اور دھیرے سے اس کی روشن پیشانی پر پیار بھرا شفقت سے بھرا بوسہ لیا تھا۔ ان کے پیار بھرے لمس پر لاروش اغولان کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس کی نیند ٹوٹی تھی۔ اس کا خواب ٹوٹا تھا خود پر جھکے اس چہرے سے وہ خوف زدہ ہوگئی تھی اور ایک جھٹکے سے اٹھ کے بیٹھی تھی۔ ان ہرنی آنکھوں میں خوف و ہراس واضح طور پر زوباریہ دیکھ رہی تھیں۔ ابھی بھی لاروش اغولان کا ہاتھ زوباریہ کے ہاتھوں میں دبا ہوا تھا۔ لاروش اغولان نے اپنا ہاتھ ان ہاتھوں میں مقید دیکھا تو ہرنی آنکھوں کا خوف مزید دو چند بڑھا تھا۔

''ڈرو نہیں بیٹا!'' زوباریہ نے نرم مسکراہٹ سے اس کو دیکھا تھا۔

''ا......آ......آپ......کون؟'' لاروش اغولان کی گھبراہٹ کسی طور بھی کم نہیں ہو رہی تھی۔

''میں حنین کی ماما ہوں اور اب سے تم بھی مجھے نا صرف اپنی ماما سمجھ سکتی ہو بلکہ کہہ بھی سکتی ہو۔ میرے صرف دو ہی بیٹے ہیں ایک پیاری سی چاند سی بیٹی کی کمی تھی وہ تم نے آکر پوری کر دی ہے میرے رب نے میرے آنگن میں بھی چاندنی بکھیر دی ہے۔'' زوباریہ نے اس کے پھولے پھولے سرخ و سفید گالوں پر ہاتھ پھیرا تھا۔ لاروش اغولان ان کو ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔

''کچھ بولو گی نہیں، کیا میں بہت بری ہوں؟'' زوباریہ نے اس کی ہرنی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''ن......نہیں......تو۔'' وہ زوباریہ کے اس قدر پیار پر شرمندگی سے سر جھکا گئی تھی۔ زوباریہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

''بی جان کہہ رہی تھیں کہ تم بہت معصوم سی بھولی بھالی ہو مگر میں کہتی ہوں تم بہت زیادہ پیاری اور خوب صورت ہو۔'' لاروش اغولان اپنی اس تعریف پر بری طرح جھینپ کر رہ گئی تھی۔ زوباریہ دھیرے سے مسکرا دیں۔

''اچھا یہ بتاؤ تمہیں بھوک نہیں لگ رہی ہے؟''

''جی۔'' اس نے حیران ہو کر زوباریہ کو دیکھا تھا۔

''جانتی ہو کیا ٹائم ہو رہا ہے، دوپہر کے ڈھائی بج رہے ہیں۔''

''ڈھائی بج گئے۔ میں اتنی دیر تک سوتی رہی۔'' وہ شرمندگی سے آہستہ آواز میں خود سے بولی تھی مگر اس کی آہستہ آواز زوباریہ نے سن لی تھی۔

''تم بہت عرصے بعد شاید سکون کی گہری نیند سوئی ہو۔ میں کوئی تین بار تمہیں دیکھنے آچکی ہوں مگر تم اتنی بے خبر اور پر سکون میٹھی نیند سو رہی تھیں کہ دل ہی نہیں چاہا تمہیں اٹھادوں۔ مگر مجھے تمہاری بھوک کی بھی فکر ہو رہی تھی۔ اس لیے تمہیں اٹھا دیا بی جان کو بھی تمہاری بہت فکر ہو رہی ہے۔'' زوباریہ نے نرمی سے دیکھتے ہوئے اس کے رخسار پر ہاتھ رکھا تھا۔

انہوں نے تو پیار و چاہت سے جیسے اس کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ ماں تو اس نے کبھی دیکھی نہیں تھی مگر شاید اگر آج اس کی اپنی سگی ماں زندہ ہوتی تو یقیناً وہ بھی ایسے ہی اس کی فکر کر رہی ہوتی۔

''کیا سوچنے لگی ہو بیٹی؟''

''جی......!'' وہ چونک کر زوباریہ کو دیکھنے لگی تھی۔

''چلو خیر سب باتوں کو چھوڑو ہم باتیں بعد میں ڈھیر ساری کریں گے۔ پہلے تم اٹھو جلدی سے فریش ہو جاؤ۔ پھر مل کر ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں ابھی تک میں نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے۔ کیوں کہ آج کا دوپہر کا کھانا میں اپنی پیاری سی بیٹی کے ساتھ کھاؤں گی۔'' لاروش اغولان کو مزید شرمندگیوں نے اپنے حصار میں لے لیا کہ وہ اس کی وجہ سے بھوکی بیٹھی ہیں۔

''اٹھو شاباش!'' زوباریہ نے لاروش اغولان کا ہاتھ پکڑ کے بیڈ سے نیچے اتارا تھا۔ لاروش اغولان آدھے گھنٹے بعد زوباریہ کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی تھی۔ ٹیبل پر تین چار ڈشز رکھی ہوئی تھیں۔ بریانی، شامی کباب، سالن میں اچار گوشت اور حلیم بھی تھا۔ میٹھے میں کھیر اور سویاں تھیں۔ اس کے علاوہ ہاٹ پاٹ میں تندور کی اور گھر کی بنی روٹیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ اب پتا نہیں یہ اس کے لیے اتنا اہتمام تھا یا روز کا معمول تھا۔

''چلو بیٹا! لاروش بسم اللہ کرو۔'' لاروش اغولان تو جیسے شرم و جھجک سے زمین میں ہی گڑی جا رہی تھی۔ وہ تو پہلے بھی اتنی کھانے کی شوقین نہیں تھی مگر زوباریہ کی زیرک نگاہوں نے اس کی شرم و حیا پڑھ لی تھی اس لیے انہوں نے خود اس کی پلیٹ میں مٹن بریانی اور کباب رکھ دیا تھا۔

''آنٹی! یہ بہت زیادہ ہے۔'' زوباریہ نے تقریباً اس کی پلیٹ بریانی سے بھر ہی دی تھی۔

''پہلی بات تو یہ کہ تم مجھے آنٹی نہیں کہو گی اور دوسرا کہ تم صبح کی بھوکی ہو اور میں جانتی ہوں تم شرما رہی ہو۔ اس لیے تم یوں سمجھ لو آج سے کہ بیٹی اپنی ماں کے پاس آگئی ہے اور اس کے ساتھ کھانا کھا رہی ہے۔ اس لیے ہر شرم و حیا ایک طرف رکھو اور بلا جھجک کھانا پیٹ بھر کے کھاؤ۔'' زوباریہ کی اتنی محبت بھری ممتا پر وہ جیسے نہال ہوگئی ہو اس کا دل بھر آیا تھا۔ ہرنی آنکھوں میں نمی سی آٹھہری تھی جس میں سے چند موتی ٹوٹ کر رخسار پر بکھرتے چلے گئے تھے۔

''بری بات ہے روتے نہیں ہیں۔ کسی بھی ماں کو اپنی بیٹی کی آنکھوں میں آنسو اچھے نہیں لگتے ہیں۔'' زوباریہ نے اس کے آنسو صاف کیے تو لاروش اغولان کا دل بھر آیا بے ساختہ ہی اس نے زوباریہ کا ہاتھ تھام لیا اور عقیدت سے ہونٹوں سے چوم لیا تھا۔

''میں اتنی محبت کے قابل نہیں ہوں۔''

''یہ تو تم میرے دل سے پوچھو کہ تم کس قابل ہو اور تمہاری میرے دل میں کتنی قدر ہے۔ میں تو اپنے رب کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے کہ بیٹی کے لیے ترسی ہوئی ماں کو ایک پلی پلائی بیٹی مل گئی ہے۔'' زوباریہ نے اس کا مان بڑھا دیا تھا۔ ممتا کے پیار کی خوشبو کو ترسی لاروش اغولان کو ایک ماں اس کی ممتا بھری خوشبو مل گئی تھی۔

''اب شاباش رونا بند کرو۔ یوں رو کر تم میرا بہت دل دکھا رہی ہو۔''

''سوری۔'' لاروش اغولان روتے روتے مسکرا دی تھی۔

زوباریہ نے اسے ٹیبل پر رکھی ہر ڈش کھلائی تھی۔ لاروش اغولان نے اب تک کی اپنی زندگی میں یوں پہلی بار کھل کر بلا خوف بلا جھجک پیٹ بھر کے کھانا کھایا ہوگا۔ ورنہ وہاں ممانی تو اس کے سر پر کسی تلوار

کی طرح لگی رہتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ نانو اور ممانی کی کبھی بھی نہیں بنتی تھی اور جیت ہمیشہ نانو کی ہی ہوتی تھی۔ مگر ممانی کے عتاب کا نشانہ لاروش اغولان ہی بنتی تھی۔ اتنا کچھ نانو سے سننے کے بعد بھی وہ لاروش اغولان کو ستانے سے باز نہیں آتی تھی۔ وہ ظلم ڈھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں گنواتی تھیں اور لاروش اغولان وہ بے چاری تو بس ان کی کڑوی کسیلی باتیں خاموشی سے ہی سنتی تھی۔ ان کی زہریلی نگاہیں حتیٰ کہ کبھی کبھی کی ان کی مار بھی برداشت کرتی تھی۔ مگر نانو تو کبھی کچھ نہیں بتاتی تھی کہ لڑائی جھگڑا مزید بڑھے گا۔ اس لیے چپ چاپ رات کو جہاں آراء کے برابر میں آکر لیٹ جاتی تھی۔ مگر جہاں آراء بھی ایک جہاندیدہ زیرک نظریں رکھنے والی خاتون تھیں۔ فوراً پہچان جاتی تھیں۔

لاروش اغولان کو یہاں آئے تین دن ہو گئے تھے اور تین دن میں جتنی محبت اسے زوباریہ اور بی جان سے ملی تھی اس کا اس نے تصور بھی نہیں تھا مگر ہاں اسے یہاں لانے والا حنین آفریدی جس کی شکل بھی اس نے ابھی تک نہیں دیکھی تھی اور ان کے مابین جو رشتہ زبردستی مجبوری کے تحت جوڑا گیا تھا وہ رشتہ بھی شاید حنین آفریدی بھول چکا تھا۔ اس لیے بی جان یا زوباریہ نے اب تک اس سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں پوچھا تھا۔ وہ ابھی سب سوچوں میں گھری صوفے پر اکیلی بیٹھی تھی۔ سامنے فل سائز کا ٹی وی ضرور چل رہا تھا مگر اس کی نگاہیں اسکرین پر نہیں تھیں۔ اس کے دھیان کے سارے الجھے دھاگے حنین آفریدی میں ہی الجھے ہوئے تھے جانے آگے کا مقدر اس کا کیسا تھا کیا نصیب میں لکھا تھا اس کی اس مجبوری کے رشتے کی زندگی کتنی تھی۔

''ماں...... ماما...... مما...... موم......'' ایسے بہت سے ناموں سے پکارتا ہوا حنین آفریدی اوپر ریلنگ سے پھسلتا ہوا نیچے آ رہا تھا۔ آواز اتنی اونچی اور بلند تھی کہ خود لاروش اغولان بھی اپنی سوچوں کو سوچتی بری طرح چونکی تھی اور اس سمت دیکھنے لگی۔

''ہنی۔'' پیچھے سے زوباریہ نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''یہ کیا حرکت ہے ہنی! اگر کہیں چوٹ لگ جائے پر بچپنا بالکل نہیں جائے گا تمہارا۔'' حنین آفریدی کی زوردار پکار سے ہی زوباریہ کچن سے باہر نکل کر آئی تھیں۔

''موم! مائی سویٹ اینڈ کیوٹ بے بی آپ کا بیٹا بہت اسٹرونگ اور ڈھیٹ ہے۔'' وہ فوراً ہی مسکراتا ہوا زوباریہ کے گلے کا ہار بنا تھا۔ ایسا ہی تھا وہ سب سے یونہی اپنے لاڈ اٹھواتا تھا۔

''فضول کی باتیں بنوالو تم سے صرف۔'' انہوں نے حنین آفریدی کو خود سے الگ کیا تھا۔

''یہ بتاؤ کیوں اتنی زور زور سے چیخ رہے تھے؟''

''پہلے آپ یہ بتایئے میرے روم میں کب آئی تھیں؟''

''میرا خیال ہے تین دن پہلے، کیوں؟''

''جبھی یہ حال ہے میرے روم کا۔'' زوباریہ اس کا اشارہ اچھی طرح سے سمجھ گئی تھیں۔

''اس گھر میں اتنے ملازم رکھے ہیں مگر کسی کو زحمت نہیں کہ میرے روم کی صفائی ستھرائی کر دے خوب سر پر چڑھایا ہوا ہے آپ نے ان لوگوں کو۔'' حنین آفریدی باقاعدہ ناراض ہو رہا تھا۔

''ملازموں کو چھوڑو سب سے زیادہ تو میں نے تمہیں سر پر چڑھایا ہوا ہے۔ تمہارے کمرے کی صفائی

کرنے کی ہمت نہ تو مجھ میں ہے اور نہ ہی گھر کے ملازموں میں بقول ان کے جتنی محنت اور جتنا ٹائم وہ اس گھر کی صفائی ستھرائی میں لگا دیتے ہیں اس سے زیادہ ڈبل وقت حنین صاحب کے کمرے کی صفائی میں لگتا ہے اب میں اتنی ظالم اور بے رحم نہیں ہوں کہ ان بے چاروں کو جان کر ستاؤں۔ اس لیے میں نے خود ہی ان لوگوں کو منع کر دیا ہے کہ آج سے وہ صرف یہاں کی صفائی ستھرائی کریں گے کوئی بھی حنین کے کمرے میں نہیں جائے گا۔''

''موم! از ناٹ فیئر۔''

''نو مائی سویٹ چائلڈ اٹ از فیئر۔ اب سزا یہ ہے تمہاری کہ خود ہی اپنا پھیلا بکھرا کمرہ سمیٹو اسے صاف کرو۔ جب خود کرو گے صفائی تو پتا چلے گا کہ کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔'' زوباریہ نے پچکارتے ہوئے اس کے سجے سنورے بال بگاڑ دیے تھے۔

''موم!'' وہ زچ ہوتے ہوئے چیخا تھا۔

اور یونہی اس کی نظر سامنے اٹھی تھی۔ جہاں لاروش اغولان بیٹھی انہی دونوں کی گفتگو سن رہی تھی اور دیکھ رہی تھی۔

حنین آفریدی نے چند لمحے بغور اسے دیکھا تھا اور پھر جیسے جھونکے سے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا تھا۔

''آل رائٹ موم! آپ نے تو مجھے ہری جھنڈی دکھا دی مگر میں بھی بہت چالاک ہوں۔'' اس نے زوباریہ کے گال پر انگلی بجائی تھی۔

''کیا مطلب؟'' زوباریہ نے ناسمجھی کی کیفیت میں حنین آفریدی کو تکا تھا جو ایک سرد سانس کھینچتا ہوا چلتا ہوا لاروش اغولان سے چند قدم کے فاصلے پر آ ٹھہرا تھا۔ لاروش اغولان جو حنین آفریدی کو بغور تک رہی تھی، بری طرح جھینپ کے رہ گئی اور اپنی ہرنی آنکھیں نیچے ماربل کے بنے فرش پر ٹکا دیں۔

''موم! ہمارے گھر میں چونکہ ملازموں کی کمی تو نہیں ہے۔ اس لیے یقیناً لاروش گھر کا کوئی کام نہیں کرتی ہو گی اور نہ ہی آپ اس سے کوئی کام کرواتی ہوں گی۔'' حنین آفریدی پرسوچ انداز میں اس کی جھکی نگاہوں کو تکنے لگا تھا۔

''بالکل درست کہا تم نے اور میں لاروش سے اس گھر کا کوئی کام کراؤں گی بھی نہیں۔'' زوباریہ، حنین آفریدی کی سوچ پڑھ چکی تھیں وہ تیزی سے چلتی ہوئی ان دونوں کے پاس آکر رکی تھیں۔

''تو ٹھیک ہے آج سے لاروش ہی میرے بیڈ روم کی ساری صفائی کرے گی۔'' بلاجھجک بنا شرم کے حنین آفریدی نے اس سے پوچھا نہیں تھا بلکہ اپنا حق سمجھ کر حکم صادر کیا تھا۔

''نہیں ہنی! یہ بہت غلط بات ہے لاروش اس گھر کا کوئی کام نہیں کرے گی۔ لاروش میری بیٹی ہے اور میں اپنی بیٹی سے کوئی کام نہیں کرواؤں گی۔'' زوباریہ نے سختی سے حنین آفریدی کو کہا تھا۔

''اور جو تمہارے کمرے کی حالت ہوتی ہے اس سے تو مجھے وحشت ہوتی ہے۔ لاروش ٹھہری دھان پان سی چھوٹی سی ننھی جان تمہارے کمرے کی صفائی کروا کے مجھے اپنی بیٹی کو بیمار نہیں کرنا ہے۔'' زوباریہ کو حنین آفریدی کی بات بالکل پسند نہیں آئی تھی۔ وہ بھرپور اس وقت لاروش اغولان کی ہی وکالت کر رہی تھیں۔

''موم! آپ کی یہ چھوٹی سی ننھی سی جان نے وہاں کوئٹہ میں اپنے بہت بڑے گھر کو خوب اچھی طرح چمکایا ہوا تھا۔ وہ بھی کچن سمیت مگر یہاں لاروش صرف میرے کمرے کی صفائی کرلے گی آج سے یہ اس کی ذمہ داری ہے۔''

''نہیں ہنی! میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ ٹھیک ہے میں ایک ملازمہ صرف تمہارے کمرے کے لیے رکھوادوں گی۔''

''نوموم! میں کسی پر بھی بھروسہ نہیں کروں گا۔ میرے کمرے کی صفائی اگر کرے گی تو صرف اور صرف لاروش ہی کرے گی۔ بس اب یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ اگر مسئلہ لاروش کی سیلری کا ہی ہے تو میں اسے اپنی پاکٹ منی سے دوں گا۔''

''ہنی۔'' زوباریہ کو حنین آفریدی کا یوں کہنا سخت ناگوار گزرا تھا۔

اور یہاں لاروش اغولان جو حنین آفریدی کے یہاں آنے پر اس سے بات کرنے پر خوش فہمیوں کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ آسمانوں پر اڑنے لگی تھی کہ حنین آفریدی نے اسے یاد رکھا ہوا ہے اس کا نام یاد ہے مگر حنین آفریدی کی آخری بات نے اسے عرش سے فرش پر لا پٹخا تھا اس کے منہ پر زوردار طمانچہ مارا ہو۔

''آپ مجھے سیلری مت دیجیے گا۔ میں آپ کے کمرے کی صفائی کردیا کروں گی۔'' لاروش اغولان نے نہایت افسردگی سے کہا تھا۔ زوباریہ نے لاروش اغولان کی افسردگی کو گہرائی سے نوٹ کیا تھا۔

''بس ڈن تو پھر ابھی جائیے اور میرے کمرے کی صفائی کردیں جو بہت زیادہ پھیلا اور بکھرا ہوا ہے۔''

''حنین......!'' زوباریہ نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

''موم پلیز! لاروش کو کوئی اعتراض نہیں ہے آپ بھی کچھ نہیں کہیں گی اور اب مجھے دیر ہو رہی ہے سمیعہ زیدی میرا ویٹ کر رہی ہو گی۔ ہم آج ساتھ لنچ کرنے والے ہیں۔''

اس کا کام ہو گیا تھا اب اس کا یہاں ٹھہرنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے یہ جا وہ جا مگر پیچھے سے زوباریہ آواز ہی دیتی رہ گئی تھیں۔

''موم! بعد میں بات کریں گے۔'' حنین آفریدی تیزی سے باہر نکلا تھا۔

''لاروش! حنین نے جو کچھ کہا ہے اس کی ایک نہیں سننا اور نہ ماننا تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے حنین کے کمرے کی صفائی کرنے کی۔'' زوباریہ نے لاروش اغولان کو تنبیہ کی تھی۔

''ماما! کوئی بات نہیں اور پھر میں سارا وقت فارغ ہی تو بیٹھی رہتی ہوں۔ اچھا ہے کچھ ٹائم ہی کٹ جائے گا۔'' لاروش اغولان نے نرمی سے زوباریہ کے ہاتھ تھامے تھے۔

''میری جان! اگر تم اس کا کمرہ دیکھو گی تو پریشان ہو جاؤ گی۔ حنین بہت پھیلاتا ہے اپنا کمرہ۔ وحشت ہوتی ہے دیکھنے سے ہی۔'' زوباریہ ہر طرح سے اسے منع کرنا چاہ رہی تھیں۔

''ماما! مجھے عادت ہے کام کرنے کی میں کرلوں گی آپ فکر مت کریں۔'' زبردستی کی مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجائی تھی ورنہ دل تو حنین آفریدی کی باتوں پر بہت دکھا تھا۔

''زوباریہ......!'' اسی اثناء میں وہاں اپنے کمرے سے بی جان نکل کر آئی تھیں۔

''جی بی جان! کہیے۔'' زوباریہ نے پلٹ کر دیکھا بی جان وہیں آرہی تھیں۔

''بیٹا! وہ بچہ ہے نا کیا نام ہے اس کا۔ جس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے جو اسپتال میں ایڈمٹ ہے۔''

''بی جان! میرا خیال ہے آپ زرمیل کی بات کر رہی ہیں۔''

''ہاں وہی بچہ صمد بتا رہے تھے اس بچے کو بہت چوٹیں آئی ہیں۔ میں سوچ رہی تھی تم اسپتال چلی جاؤ ابھی ڈرائیور کے ساتھ۔ پھر جب وہ گھر آجائے گا تو میں گھر چلی جاؤں گی اس بچے کو دیکھنے۔''

''جی بہتر بی جان جیسے آپ کا حکم۔''

''ہاں بیٹا! ہمارے نبی کا فرمان ہے کہ مریض کی عیادت کرنے ضرور جانا چاہیے۔''

''جی درست کہا آپ نے بی جان! میں یوں کرتی ہوں ابھی کچھ ہی دیر میں نکلتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے مگر ساتھ فروٹس اور جوس وغیرہ ضرور لیتی جانا۔ یوں خالی ہاتھ جانا کچھ مناسب نہیں لگے گا۔''

''بی جان! آپ نہ بھی کہتیں تو میں یہ سب لازمی لے کر جاتی۔''

''مجھے تم پر یقین ہے زوباریہ۔'' بی جان ہولے سے مسکرادیں۔

''اچھا ایک ضروری کام اور بھی کرتی جانا راستے میں ایدھی پڑتا ہے۔ وہاں دینے کے لیے میں نے کچھ کپڑے وغیرہ نکالے ہیں اور ایک دس ہزار کا چیک بھی ہے۔ یہ سب وہاں دیتی ہوئی چلی جانا یہ ہمارا فرض ہے اللہ رب العزت نے ہمیں اتنا نوازا ہے تو ہمیں غریبوں، بے سہارا، یتیموں کا خیال رکھنا چاہیے اللہ بھی خوش اس کا نبی بھی خوش۔''

''ٹھیک ہے بی جان! آپ دے دیجیے میں یہ کام کرتی ہوئی چلی جاؤں گی۔'' زوباریہ نے عقیدت سے بی جان کو دیکھا تھا۔

جب سے وہ شادی ہو کر آئی تھیں انہیں نہیں یاد پڑتا تھا تا کہ بی جان ہر ماہ ایک خطیر رقم اور بہت سے کپڑے وغیرہ دینا بھولی ہوں گی۔ وہ ہر ضرورت مند کی مدد کیا کرتی تھیں۔ ان سے جو ہو سکتا وہ کرتی تھیں۔ کسی غریب یتیم لڑکی کی شادی کا سن لیتی تھیں تو پوری شادی کا انتظام یہاں تک کہ اس کا جہیز بھی خود ہی دیا کرتی تھیں اور یہی عادت خود زوباریہ نے بھی اپنالی تھی۔ وہ بھی چپکے سے ایسے بہت سے نیک کام کرتی رہتی تھیں۔ جس سے انہیں خوشی ملتی۔ راحت و سکون ملتا تھا اور یہی نہیں اللہ رب العزت نے ان پر ان کے گھر پر ان کی اولاد پر بھی بہت کرم کیا تھا۔ بہت کچھ نوازا تھا انہیں اللہ نے جس کا وہ جتنا شکر ادا کرتیں کم تھا۔

زوباریہ بی جان کے کہنے پر ڈرائیور کے ہمراہ زرمیل کو دیکھنے اسپتال کے لیے نکل گئی تھیں۔

ادھر لاروش اغولان اٹھی تھی۔ حنین آفریدی کے حکم پر آج سے اس کے بیڈروم کی صفائی ستھرائی اس کی ذمہ داری تھی۔ جیسے وہ باخوشی قبول کرچکی تھی۔ لاروش اغولان، حنین آفریدی کے کمرے میں داخل ہوئی وہاں کے منظر نے ایک لمحے کے لیے اسے چکرا کے رکھ دیا تھا۔

اف میرے خدا اس قدر گندا کمرہ اس کا، اس قدر پھیلے ہوئے کمرے میں۔ یقیناً اس کا دم گھٹتا ہوگا جب ہی تو اس نے جلدی سے لاروش اغولان کو اپنے کمرے کی صفائی کا حکم دیا اور یہ جا وہ جا۔

(جاری ہے)

سحرش فاطمہ

افسانہ

میری کہانی



"تم دونوں کو اور کوئی کام نہیں جب دیکھو ناولوں ڈائجسٹوں میں سر دیئے بیٹھی رہتی ہو۔" اماں کو قطعی پسند نہ تھا لیکن ابا انہیں نہ روکتے اور جب جب ماہ نور نتاشہ کہتیں وہ لے آتے۔

"نہ گھر کا ہوش رہتا ہے، نہ دنیا کا بس گھسی رہتا تم دونوں ان کتابوں میں، ارے میں کہتی ہوں چولہے میں ڈالو ان ڈائجسٹوں کو کیا رکھا ہے ان میں گھرداری سیکھو۔"

"اماں! اس سے بھی کافی اچھی باتیں سیکھتے ہیں، ہم"۔ نتاشہ نے کہا۔

"ارے چپ کرو کون سی اچھی باتیں اماں کے آگے زبانی چلاتی ہے بس، یہ لو چائے جا کر ابا کو دے آؤ، اور آج رات تک تم دونوں کو میں نے اس ڈائجسٹ میں گھسا بیٹھا دیکھا تو میں نے تمہارے ابا سے فائنل بات کر لینی ہے اور بند کرا دینا ہے، تم ماہ نور جاؤ جا کر ہانڈی چڑھاؤ۔"

ماہ نور کچن میں چلی گئی اور نتاشہ ابا کے پاس۔

"آؤ، آؤ بچے اور سناؤ اس دفعہ کیا پڑھا؟" ابا نے اس سے چائے کی پیالی لی اور پوچھا نتاشہ سے۔

"ارے ابا! اس دفعہ تو اتنے مزے مزے کے افسانے اور ناول آئے مزا آ گیا پڑھ کر جیسے کوئی "ہنسی نمبر" ہو اور وہ جو دوسرا ڈائجسٹ تھا اس میں صرف آنسو رونا دھونا۔"

ابا ہنستے ہوئے "اچھا اچھا، تمہاری اماں بڑی شکایتیں لگا رہی ہیں تم دونوں کی۔"

"او ہو ابا! کیا آپ اماں حضور کو جانتے نہیں کام کر کے بھی کیڑے نکالتی ہیں، گویا ہماری ساس ہوں اور ہم ان کی بہوئیں۔"

دونوں باپ بیٹی ہنسی مذاق میں لگے رہے اور ماہ نور کچن میں تجربوں میں لگی رہی اور اماں کے طعنے سنتی گئی۔

—×—×—

"ارے نتاشہ! دیکھ اس لبو کو، اس کی ناک طوطے کی چونچ جیسی اور بالوں سے چپو لگ رہا ہے۔ ہائے ہمارے دولہے بھائی ہونے والے۔" وہ لڑکا اتنا بھی بُرا نہ تھا جیسا اس کے بارے میں ماہ نور نے بیان کیا۔

"ہاں، ہاں سب کیڑے میرے لئے نکالنا، کچھ اپنے ہونے والے کے لئے بھی بچا کے رکھو۔" نتاشہ نے بھی جواب دیا۔

"میرے لئے تو خاص بندہ آئے گا۔" ماہ نور نے اترا کر جواب دیا۔

"ہاں واقعی خاص ہوگا کالا سا موٹا سا پہلوان نما اور چشمے بھی موٹے موٹے۔" نتاشہ نے بھی بدلہ لے لیا۔

"لاحول ولاقوۃ۔" میرے ہونے والے کا اتنا خوف ناک نقشہ کھینچ ڈالا، دفع ہو جاؤ اور یہ لوازمات لے جاؤ، وہاں سوالات کی پٹاری کھلنے والی ہے۔"

نتاشہ بھی ڈھیر ساری شرم چہرے پر لے آئی آنکھوں کو پٹپٹایا اور ہاتھوں کو لڑکھڑاتے ہوئے ٹرالی باہر لے آئی۔

"لڑکا دکھنے میں اتنا برا تو نہیں یہ ماہی بھی نہ اُف ......"

"خیر خیریت سے نتاشہ کا تو رشتہ ہو گیا، اب ماہ نور کا کیا کرنا چاہیے۔" ماہ نور کی اماں جان بولیں۔

"ہاں بیگم! اس کا بھی ہو جائے گا فکر نہ کرو۔" اماں ابا ماہ نور کا سوچنے لگے۔

"کیسے نہ فکر کروں، گھر کے کاموں کو تو ہاتھ بھی نہیں لگاتیں پتا نہیں کیا بھرا رہتا ہے ان کے دماغ میں۔"

"او ہو بیگم صاحبہ! کیوں پریشان ہوتی ہیں آپ، ہو جائے گا ان شاء اللہ اس کا بھی۔" ابا نے تسلی دی۔

کچھ دن بعد ماہ نور کا بھی رشتہ آ گیا، وہ تو شکرانے کے نفل پڑھنے لگ گئی کہ جو نقشہ نتاشہ نے

کھینچا تھا ایسا نہ ہوا اور وہ تو چڑ ابھی رہی تھی اسے کہ میرا خوبصورت تمہارا چمپو۔"

—— x —— x ——

دونوں کی شادیاں ایک ساتھ ہوئیں۔ اچھے دن گزر رہے تھے لیکن ڈائجسٹ کے بناء ادھورے، سسرال بھی ایسا ملا جیسا کہ ناولز میں پڑھتی تھیں سخت کیڑے نکالنے والی، نتاشہ کی ساس ایسی تھیں پر ماہ نور کی اچھی تھیں سخت وہ بھی تھیں پر طعنے وغیرہ نہیں۔ ماہ نور کی کوئی نند نہ تھی، جبکہ ایک چھوٹا دیور تھا، نتاشہ بھرے سسرال والی تھی، احسن اور ماہ نور اپنی اپنی پسند تقریباً روز ایک دوسرے کو بتاتے تھے جس میں سے ماہ نور کا ڈائجسٹ کا بتانا اور احسن کا چڑنا۔

"کیا ہر وقت ڈائجسٹ ناولوں کی باتیں کرتی رہتی ہو؟ ان کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوتا ہے میڈم!"

اور ماہ نور چپ ہو جاتی۔ نتاشہ یاد آتی گھر یاد آتا، کہاں تو ہر وقت وہ ڈائجسٹ میں گھری رہتی تھی اور اِدھر تو احسن کو یہ موضوع پسند ہی نہ تھا۔

دوسری جانب نتاشہ اور اس کا شوہر حسنین کی ساتھ میں خوب مزے سے گزر رہی تھی۔ ہم مزاج جو تھے، خاص کر ناولوں کے شیدائی دونوں ہر وقت کہانی پر بات کرتے تھے۔

—— x —— x ——

"السلام وعلیکم ماہی! کیسی ہو؟ تم نے تو بھلا دیا ہے یا سسرال میں ستم ہوتے ہیں؟" نتاشہ نے فون کیا تھا ماہ نور کو۔

"مت پوچھ یار! حال عجیب ہے میرا تم اپنا سناؤ حسنین بھائی کیسے ہیں؟" ماہ نور نے بے زاری سے جواب دیا۔

"میں تو بڑے مزے میں ہوں حسنین اتنے اچھے ہیں، ارے پتا ہے وہ ہماری پسندیدہ رائٹر ہیں ناں نورین حسنین تو بھئی ان کے بڑے مداح نکلے، ان سے تو بس کسی بھی وقت ڈائجسٹ ناولوں کی بات کر لو وہ تیار ہیں۔"

"کیا بات ہے بھئی اور ادھر تو موصوف کو یہ سب پسند ہی نہیں۔" ماہ نور نے احسن کا بتایا۔

"کوئی نہیں کچھ ٹائم دو کیا پتا، بعد میں سب ٹھیک ہو جائے۔"

"ہاں یار! چلو میں فون رکھتی ہوں ورنہ ساس نے آ کر سنا دینی ہیں۔"

"چلو پھر اللہ حافظ۔" دونوں نے فون بند کر دیا۔

—— x —— x ——

"کیا لکھ رہے ہیں آپ؟" ماہ نور نے احسن سے پوچھا۔ احسن نے ایک دم رجسٹر بند کیا۔

"نہیں کچھ خاص نہیں کچھ آفس کا کام تھا۔"

"اچھا میں باہر جا رہا ہوں کام سے۔" یہ کہہ کر احسن نے رجسٹر بریف کیس میں رکھا اور کمرے سے نکل گیا۔

احسن اکثر یوں لکھتے ہوئے پایا جاتا، جب ماہ نور پوچھتی وہ کام کا بہانہ کر دیتا۔

اس دن اس نے رجسٹر سے صفحے نکالے لفافے میں ڈالنے کے لئے اور دراز میں لفافہ رکھ دیا، ماہ نور کمرے کی صفائی کر رہی تھی اور احسن کی سرگرمیاں بھی دیکھ رہی تھی، احسن حسبِ معمول باہر نکل گیا، ماہ نور بھی اس کے ڈیسک پر آئی اور صفائی کرنے لگی نجانے اس کے دماغ میں کیا آیا اس نے دراز کھولا اور لفافہ اٹھا کر صفحے نکالے، مارے حیرت کے اس کی آنکھیں پھیل گئیں، اسے تو یقین ہی نہیں آیا اس نے لفافے کے اندر واپس پیپرز رکھے پڑھ لینے کے بعد اور دراز میں رکھ دیئے۔

احسن رات دیر سے آئے جب آئے ماہ نور کو جاگا دیکھا۔

"ارے تم سوئی نہیں؟"

"آپ کا انتظار کر رہی تھی"

"اچھا جی خیر ہے ناں! آج کام نہیں کیا تھا

کیا؟ ورنہ تو جلدی سو جاتی ہو۔"

"ہاں کام تھا آپ سے" ماہ نور نے دوپٹے سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"کام تھا خیر اور ایسا کیا تھا؟" احسن نے بھی حیران ہوتے پوچھا۔

"خیریت ہی ہے بس اجازت لینی تھی۔" ماہ نور نے کہہ دیا۔

"اجازت ...... کل بھی لے سکتی تھیں اچھا بولو کیا چاہیے؟" احسن نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

"مجھے نہ آپ ڈائجسٹ لگوا دیں، یا لے ہی آئیں دیکھیں میری پسندیدہ رائٹر کی کہانی آنے والی ہے اور مجھے پڑھنا ہے اُسے۔" ماہ نور نے کہا تو احسن نے منہ بگاڑ دیا۔

"تمہیں منع کیا ہے ناں تم لڑکیوں کو ان کے علاوہ کام نہیں۔" احسن اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور آپ کو کوئی کام نہیں تھا جو ڈائجسٹ میں لڑکی بن کر لکھنے لگ گئے۔"

"ماہ نور ......" احسن نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"مجھے تو یقین نہیں آ رہا جس رائٹر کی میں اتنی بڑی فین تھی وہ کوئی اور نہیں آپ تھے۔"

"کہاں تو آپ روزِ اوّل سے سنا دیتے تھے، بلکہ ابھی بھی یہی کیا اور خود؟" احسن خاموش رہا۔

"اگر لکھنے کا شوق تھا ہی تو کم از کم اپنے نام سے لکھتے اور نہیں اور یہ کیا لڑکیوں والے ڈائجسٹ میں آ گئے موصوف وہ بھی لڑکی بن کے۔"

"اب کچھ بولیں گے یا نہیں؟"

احسن بیٹھ گیا بستر پر اور گردن جھکا لی۔ "ماہی! ہاں میں ہی لکھتا ہوں جھوٹ نہیں بولوں گا، لیکن اس کے پیچھے وجہ ہے، میں نے منع کیا تھا کہ گھر والے پسند نہیں کرتے اس کی اصل وجہ مہرین ہے۔"

"مہرین وہ آپ کی کزن؟ پر وہ تو ......اس کا تو ......" ماہ نور ہچکچائی۔

"ہاں وہ لکھتی تھی، گھر والوں کو یہ بات پسند نہ تھی تو اس نے چھوڑ دیا۔"

"پھر؟" ماہ نور نے پوچھا۔

"پھر کیا؟ میں اس کا دوست تھا چھوٹے بھائیوں جیسا اچھے سے جانتا تھا اس کی ہر کہانی کا پلاٹ میرے پاس موجود ہے۔"

"وہ کیسے؟" ماہ نور نے تجسس سے پوچھا

"اس کا سلسلہ وار ناول چل رہا تھا وہ مجھے ہر بات بتاتی تھی لکھنے سے پہلے پھر بعد میں پڑھتا۔ مجھے بھی شوق ہوتا تھا۔ گھر والوں کے منع کرنے کے بعد اس نے قلمی نام سے لکھنا شروع کیا یعنی "نورین" کے نام سے۔ آخری قسط آنے سے پہلے اس کا حادثے میں......"

"اسی لئے میں نے اس کا کام اسی کے نام سے جاری رکھا تم بتاؤ میں نے غلط کیا؟ اس کی ہر کہانی کا اینڈ میں جانتا تھا۔"

"نہیں آپ نے صحیح کیا پر میرے خیال سے اب آپ کو روک دینا چاہیے آپ نے غلط طریقہ اپنایا۔ وہ مر چکی ہے ادارے والوں کو نہیں پتا پر آپ تو جانتے ہیں اور میں بھی۔" ماہ نور نے ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا۔

"ٹھیک ہے یہ آخری ناول ہوگا اس کا یعنی میرا اب خوش؟" احسن نے کہا۔

"ہاں اور اب مجھے بھی لا دیں گے ناں!" ماہ نور نے بچوں کی طرح کہا۔

"چلو ٹھیک ہے! پر یہ بچ صرف میرے اور تمہارے بیچ رہنا چاہیے۔"

دونوں نے اس ناول پر گفتگو کی اور ماہ نور کو یقین نہ آیا کہ اس کا شوہر ڈائجسٹ میں لکھتا ہے۔

"تمہیں کیا پتا ماہی میں نے کیوں لکھنا شروع کیا صرف اور صرف ماہین کے لئے۔"

احسن نے دل میں سوچا اور ماہ نور سے مسکرا کر باتیں کرتا رہا۔ ☆☆☆

فرح ناز رفیق

افسانہ

محبت ابر کی صورت

"السلام وعلیکم نانو اینڈ دادا جان"۔ لاؤنج میں آکر اس نے سلام کیا تھا۔

"امی کہاں ہیں؟"۔

"وعلیکم السلام جیتے رہو مگر یہاں مت بیٹھو میں



جانتا ہوں، تم اپنے دادا کا ساتھ دو گے چیٹنگ میں، کچے بزنس مین جو ہو۔" ازک حسین' اُسے صوفے سے اُٹھاتے علیم صاحب (نانا) نے کہا تھا۔

"دِس اِز ناٹ فیئر،" میں آپ کا بھی ساتھ دیتا ہوں اور یہ صرف میرے دادا نہیں آپ کے بڑے بھائی بھی ہیں۔ شاید مصنوعی خفگی سے اُنہیں دیکھا تھا۔

"یار! اصل میں یہ مجھ سے ہارنے سے زیادہ تمہاری چیٹنگ سے ڈرتا ہے۔" عظیم حسین (دادا جان) نے اُسے تھپکی دی تھی۔ تینوں ہنس پڑے تھے۔

"جاثیہ اور جاثم کہاں ہیں؟" اس نے اپنے بھتیجے اور بھتیجی کو ڈھونڈا تھا۔

"بیٹا تمہاری امی کے پاس سو رہے ہیں، گھر میں بنا ہوا پیزا کھانا تھا، جو ملازمہ کو نہیں آتا ضد میں ایسے ہی سو گئے۔ تم نے بہت ضدی کر دیا ہے اُنہیں۔" عظیم حسین نے افسردگی سے کہا تھا اور وہ تڑپ کر رہ گیا تھا۔



”میری کمزوری ہیں وہ جانتے ہیں آپ، بھائی بھابھی نہیں ہیں، میں تو ہوں۔“ سنجیدگی سے کہتا اُن کے کمرے میں گیا تھا۔ پیچھے اُن دونوں نے اس کا دُکھ محسوس کیا تھا کہ یہ مشترکہ دکھ تھا۔

”جاثم، جاثیہ، اٹھو ورنہ چاچو ناراض ہو جائیں گے۔“ اس کی دھمکی پر دونوں اٹھ گئے تھے۔

”یار pizza میں کل خود بنا دوں گا، پر اس، ابھی ایک گلاس ملک وِدھنی لے لو میں بھی بھوکا ہوں پلیز۔“

”مگر آپ بھی پئیں گے“ جاثیہ نے ایک گلاس اُسے بھی دیا تھا۔

ازک حسین جو بچپن سے دودھ سے الرجک تھا کجا کہ شہد جیسا میٹھا دودھ آج مزے سے پی رہا تھا، انہیں سُلا کر وہ روم میں آیا تو شدید متلی ہو رہی تھی، بمشکل ٹھنڈے پانی سے کنٹرول کیا کہ اُس کے دوست حارث کی کال آگئی۔

☆......☆......☆

”بابا! میں جا رہی ہوں آپ زیادہ دیر بیٹھے نہیں رہیے گا، ریسٹ کیجئے گا دیر نہیں ہوگی ساتھ ڈنر کریں میں بنا چکی ہوں۔“ ابریشیم نے ان کے سامنے چائے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

”ابریشیم کوئی ٹف جاب مت کرنا ابھی اتنا ہے کہ تمہارا گزارا ہو جائے۔“ بہزاد خان نے وہیل چیئر اُس کے ساتھ چلائی تھی۔

”مگر کب تک ایک دن تو کرنی ہے نا بابا“۔

”مگر بیٹا تمہاری شادی“۔

”پلیز بابا! وہ نہیں ہوگی آپ جانتے ہیں پہلے تو شاید ہو بھی جاتی مگر اب جو حالات ہیں، پھر ایک رشتہ ٹوٹ جانا سب سے بڑھ کر میرا انتقص پلیز مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ سختی سے اُنہیں ٹوکتی وہ باہر نکل گئی تھی۔

بہزاد خان سوچنے پر مجبور تھے کہ ماں باپ کے مکافاتِ عمل میں اولاد بھی آجاتی ہے۔

☆......☆......☆

”ازک ایک خبر ہے محترمہ ابریشیم خان ولد بہزاد خان جاب کی تلاش میں اس وقت میرے آفس میں، کیا کرنا ہے؟“ حارث نے اسے فون پر مطلع کیا تھا۔

”کرنا کیا ہے پندرہ منٹ ویٹ کرواؤ شیر دل گاڑی لے کر آتا ہے پھر باہر نکلنے دینا آسانی سے میرے پاس ہوگی۔“

اس کی بات پر حارث پریشان ہوا تھا ”ازک دیکھ قصور تو اُس کے باپ کا ہے تو اُسے کیوں......“

”قصور تو ہم میں سے کسی کا بھی نہیں تھا نہ اُن کا جو مر گئے نہ اُن کا جو مر جانے والوں کی یاد میں زندہ ہیں پھر اُس کے باپ نے کیوں کیا سب“ دکھ غراتی آواز میں کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد شیر دل ایک لڑکی کو گن پوائنٹ پر کمرے میں لایا تھا اُسے باہر جانے کا اشارہ دے کر اُس لڑکی کو دیکھا تھا۔

”کون ہیں آپ اس طرح کیوں لایا گیا ہے مجھے؟“ خوف کے باوجود اس نے ہمت کر کے پوچھا تھا۔

”ازک حسین نام ہے میرا محترمہ! آج سے آپ میری اِمپلائی ہیں مگر کام آفس میں نہیں گھر میں کرنا ہے، آپ کا ورک ٹائم ابھی سے شروع ہوتا ہے، تنخواہ مل جائے گی آپ کی باپ کی اوقات سے بڑھ کر۔“ اس طرح بتا رہا تھا کہ جیسے اُس نے جاب کے لئے اپلائی کیا ہو۔

”آپ......آپ ہیں کون کیسی جاب میں جانتی نہیں ہوں آپ کو اور آپ......“ جھنجھلاہٹ میں وہ کچھ کہنے سے قاصر تھی۔

”محترمہ! بہزاد خان جانتے ہیں مجھے میں بھی انہیں جانتا ہوں، جو اس وقت اپنے کمرے میں بلیک سوٹ پہنے موجود ہیں آپ بھی جان جائیں گی، فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔“

ابریشیم اس کی ”معلومات“ پر ششدر تھی۔

”میں آفر نہیں دے رہا بتا رہا ہوں تمہیں ورنہ جو گن مین تمہیں یہاں لا سکتا ہے، وہ بہزاد خان تک بھی جا سکتا ہے۔“

اُس کے مزید قریب ہونے پر وہ پیچھے ہٹی تھی۔

”اگر آپ کی کوئی دشمنی بابا سے ہے تو مجھ پر اتنا بھروسہ کر کے اپنا گھر اور دو بچوں کو میرے حوالے کیوں کر رہے ہیں۔“ اپنے تئیں اُس نے اِس کو ڈرایا تھا اور وہ ہنس پڑا تھا۔

”اپنے باپ کی طرح عیار نہیں ہو تم کسی اور پر بھروسہ کرنے سے بہتر تم ہو کہ تم مر کر بھی کچھ غلط نہیں کر سکتیں۔ اپنے بابا کے لئے۔ بہت ہوگئی تفصیل تم چل رہی ہو میرے ساتھ۔“ اسے حکم دیا تھا مگر وہ جگہ سے ہلی بھی نہیں تھی۔

”میں ڈرتی نہیں ہوں آپ سے پولیس کو انفارم کروں گی۔“ وہ شدت سے چیخ پڑی تھی۔

”شیور میرا ایپل یوز کر لو سب کے نمبرز ہیں بڑے باپ کی بیٹی ہو، جانتی ہو یہاں کے قانون کو جو صرف امیر کا ہے، ہو گیا ڈرامہ اب چلو، اُسے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر ہاتھ پکڑ کر گاڑی تک لایا تھا، اس قدر تیزی سے آنے پر ابریشیم کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ مگر ازک نے دھیان نہیں دیا تھا گھر تک پہنچنے میں ایک بار بھی اُس کی بہتی آنکھوں کو خاطر میں نہیں لایا تھا۔ گھر میں اسے امپلائی کم گورنس کی حیثیت سے متعارف کروایا تھا۔ جاثم اور جاثیہ تو فدا ہو گئے تھے اپنی نازک سی آنٹی پر بمشکل دن گزار کر رات کو گھر جانے کو تھی کہ لان میں ازک مل گیا۔

”محترمہ کل صبح 6 بجے گاڑی آپ کو پک کرے گی، دھوکہ دینے کی کوشش شوق سے کرنا مگر پھر اُس کے بعد کسی دھوکے کے لئے کچھ بچے گا نہیں، تمہارے پاس آزما لینا۔“ اُسے وارن کرتا اندر بڑھ گیا تھا۔

اور وہ صرف اپنے ناکردہ گناہ اور کبھی نہ بنائے جانے والے دشمن کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

بابا کو اپنی جاب کی طوالت پر بمشکل راضی کیا تھا ان دنوں زندگی بہت کڑی تھی۔ بابا کی بیماری گھر کا کام سر پر مسلط وہ شخص، بچوں کے کام اپنے ہاتھ سے کرنے ہوتے تھے، اس سب میں وہ اپنی صحت بھول چکی تھی۔ صد شکر کہ ایجوکیشن کے ساتھ شوقیہ کوکنگ کورس کر لیے تھے جو آج کام آ رہے تھے۔ وہ بچوں کے ساتھ کچن میں مصروف تھی۔ ازک اور حارث کو اندر آتا دیکھ کر باہر نکل گئی تھی، وہ ویسے بھی اپنے کام اُس سے نہیں کرواتا تھا۔

”انکل پلیز!“ جاثیہ نے معصومیت سے نگٹس حارث کو آفر کیے تھے اس کی ادا پر حارث ہنس دیا تھا۔

”ازک بچوں کے لئے تو بہت کیئرنگ ہے یہ۔“ اس کی بات پر ازک ہنس پڑا تھا۔

”وہ جانتی ہے اگر اس کی جان اپنے بابا میں ہے، تو میری ان دونوں میں، اس لیے تم سمجھ سکتے ہو۔“ اُس کی ادھوری بات کا مفہوم حارث سمجھ چکا تھا۔

”بیٹا ابریشیم! طبیعت خراب ہے کچھ دنوں کی چھٹی لے لو“ بہزاد خان نے اس کے نیلے پڑتے ہونٹ دیکھ کر کہا تھا کہ اوائل سردی کے دن اُسے ہمیشہ بھاری پڑتے تھے۔

”نہیں کر سکتی بابا! کام کا لوڈ بہت ہے، ایک بات پوچھوں؟“ وہ جاتے جاتے رک گئی تھی۔

”آخر 2 سال میں اچانک یہ اتنا بڑا بزنس کیسے کریش کر گیا، سب کیسے اچانک......“

”کچھ نہیں نصیب بھی کہہ سکتی ہو مکافاتِ عمل بھی۔“ وہ افسردگی سے بولے تھے۔

”مکافاتِ عمل مگر ہم نے کسی کے ساتھ برا نہیں کیا پھر......“۔

”تمہیں دیر ہو رہی ہے جاؤ خدا حافظ۔“ اُسے سختی سے ٹوکتے وہیل چیئر اندر لے گئے تھے

کہ اگر وجہ بتاتے تو ان کی بیٹی اُن سے نفرت کرتی، جو وہ برداشت نہیں کر پاتے۔

آفس سے واپسی پر لان کا منظر دیکھ کر ازک مسکرا اُٹھا تھا، نانو اور دادا جان چیس کھیل رہے تھے امی جاثم کا سویٹر بُن رہی تھیں، جبکہ دونوں بچے طوطے کا پنجرا پکڑے ابریشیم سے ضد کر رہے تھے کہ اُسے پیڑ پر لٹکا دو۔

"ازک! چائے پی لو اور اُن کو منع کرو، بچی گر گرا نہ جائے۔" امی نے اس کو چائے دیتے ہوئے کہا تھا۔

"اتنے پیار سے نہ بلایا کریں ہر ماہ پے کرتا ہوں یہ اُن کا کام ہے۔" اُسے نظروں کے حصار میں لیے بول رہا تھا۔

"پے کرتے ہو تو خرید تو نہیں لیا ناں انسان ہے وہ بھی، کس انداز میں سوچ رہے ہو آج کل۔" دادا نے اچھی خاصی جھاڑ پلادی تھی اور وہ سب اتنی دور نہیں تھے کہ وہ سن نہ رہی ہو، پہلے ہی اسٹول پر چڑھنے سے ڈر رہی تھی۔ اب تو مکمل اس کی غصیلی نظروں کے حصار میں تھی، سونے پہ سہاگہ جاثم نے شدتِ جذبات میں آ کر اسٹول ہلا دیا تھا، زبردست چیخ کے ساتھ نیچے آ رہی تھی، مگر ازک اُسے تھام چکا تھا، ابریشیم کی جان سوکھے پتے کی طرح لرز گئی تھی، باقاعدہ اپنا ہاتھ دل پر رکھا تھا،، ازک نے اسے کھڑا کر کے ہاتھ چھوڑ دیا تھا، امی کی تو جان نکل گئی تھی اُسے کچھ ہو جاتا تو انہوں نے بچوں کو ڈانٹ دیا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے ایک جگہ رکھا تو تھا یہ طوطا، مگر سکون نہیں ہے تم دونوں کو۔"

"امی پلیز!" ازک نے روکا تھا۔

"سوری آنٹی۔" دونوں نے کہا تھا۔

"اِٹس او کے بیٹا! میں ابھی لٹکا دیتی ہوں۔" وہ پھر سے تیار تھی۔

"رہنے دیجیے محترمہ! میں خود کرلوں گا۔" اس کی سانسوں کی بے ترتیبی اسے رحم دلا گئی تھی۔

"اُف توبہ! کیا ہو گیا ہے لوگوں کو حرص و ہوس میں اندھے ہو گئے ہیں اتنا فریب کسی کا بھروسہ نہیں ہے۔" نانو نے ابریشیم سے اظہارِ خیال کیا تھا۔ باہر بارش کے باعث سب لاؤنج میں موجود تھے۔

"جی! ٹھیک کہا آپ نے ارے اتنا مختصر سا جواب۔" ازک نے اس کے جی کہنے پر طنزیہ کہا تھا۔

"حالانکہ آپ کو تو مفصل جواب دینا چاہیے، دھوکہ دینے والوں پر آخر تجربہ بھی کوئی چیز ہے، اور پھر جس کا باپ خود دھوکہ اور فریب......"

"خبردار......" ابریشیم کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

"خبردار اگر میرے بابا کو کچھ کہا، میں نے بہت سن لیا اب نہیں دھوکے...... باز میرے بابا نہیں آپ ہیں۔"

اونچی آواز میں بولنے کے باعث اُس کی سانس اکھڑ چکی تھی۔

"جسٹ شٹ اپ تمہاری ہمت کیسے ہوئی" ازک جارحانہ انداز میں آگے بڑھا تھا۔

مگر دادا جان نے اسے بیچ میں روک لیا تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے ازک! کسی عورت سے اس طرح بات کی جاتی ہے شرم آنی چاہیے تمہیں، اور وہ بچی جو دن رات ہماری خدمت کر رہی ہے، یہ تربیت تو نہیں کی میں نے۔"

دادا جان اور امی نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا اور وہ اُسے سننے سے پہلے ہی باہر لان میں نکل چکی تھی۔

"مجھے یاد ہے سب کچھ، وہ بھی جو آپ نے سکھایا وہ بھی جو اُس کے باپ نے کیا ہے۔" لہو ٹپکاتی نظروں سے اُس نے دروازے کو گھورا تھا، جیسے وہ ابھی بھی وہاں موجود ہو۔

"کیا کیا ہے اُس کے باپ نے، کیا کہہ رہے ہو تم؟" نانو نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"یہ بہزاد خان کی بیٹی ہے جانتے ہیں نا آپ کیسے بھول سکتے ہیں ہم سب اُسے۔"

"تم جانتے ہو پھر بھی اُس لڑکی کو جاثم اور جاثیہ کی ذمہ داری دی، کیا سوچ کے؟" دادا جان نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتی بہت کچھ دھندلا ہے، اس کے سامنے، نہ میں نے کچھ بتایا ہے اور اس کا باپ تو مر کر بھی نہیں بتا سکتا۔" اُس کے جواب پر امی تڑپ اٹھی تھیں۔

"ازک! پھر ابریشیم کا کیا قصور ہے، وہ معصوم سزا کیوں بھگت رہی ہے؟"

"امی! قصور تو کسی کا بھی نہیں ہے، مگر پھر بھی گھر سے تین جنازے میں نے اٹھائے ہیں، پلیز یہ سب میرا ہیڈک ہے۔" ان سب کو خاموش کرواتا وہ باہر نکل گیا، ارادہ باہر جانے کا تھا، مگر لان میں آ کر ٹھٹھک گیا تھا۔ شدید بارش میں ابریشیم گیلی گھاس پر بے سدھ پڑی تھی، وہ نا چاہتے ہوئے بھی اُس تک آیا تھا، قریب آ کر اُس کے ٹھنڈے وجود اور نیلے ہونٹوں نے اسے ڈرایا تھا۔ فوراً اُٹھا کر اندر لایا تھا اور اپنے فیملی ڈاکٹر کو کال کیا تھا۔

"اسے کچھ ہوا تو تم ذمہ دار ہو گے۔" امی نے وارن کیا تھا۔

"اوہ پلیز کچھ نہیں ہو گا بے وقوف لڑکی سردی کی بارش میں بھیگ رہی تھی۔" اس کی حالت دیکھ کر پریشانی میں اچھا خاصا جھنجھلا گیا تھا۔ اُسے اٹھا کر لانے میں اس کے اپنے کپڑے بھی بھیگ چکے تھے۔

"مسٹر ازک! اتنی لاپرواہی انہیں شدید اٹیک ہو سکتا تھا، ان کی ہارٹ بیٹ بند ہو سکتی تھی، ان کے لیے تو گرمی کی بارش نقصان دہ ہے کجا ہے یہ سردی تو اُن کی جان لے سکتی تھی۔" ڈاکٹر کی بات پر وہ سب حیران ہوئے تھے۔

"کیا بیماری ہے اِسے؟" ازک نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"یہ آپ کے گھر میں ہیں اور آپ کو نہیں پتا، یہ ہارٹ پیشنٹ ہیں، ان کے دِل کا والو بند ہے۔" اِن کی بات پر ازک کے قدموں سے زمین نکل گئی تھی۔

"آپ کیسے جانتے ہیں ڈاکٹر صاحب؟"

"میں بہزاد خان کا فیملی ڈاکٹر بھی ہوں، کافی عرصے سے اُن کا کنسلٹنٹ ہوں، وہ تو ابریشیم کو زیادہ چلنے بھی نہیں دیتے، بہرحال آپ لوگ احتیاط کریں، میں میڈیسن لکھ دیتا ہوں شام تک مجھے انفارم کر دیجیے گا۔"

امی باقاعدہ رو رہی تھیں۔

"ازک! کیوں کیا تم نے ایک معصوم کے ساتھ آخر یہ سب کیا ہے میرا ذہن ماؤف ہو گیا ہے۔" اسی اثناء میں ابریشیم نے سسکاری بھری تھی۔

"بابا......"

"ابریشیم بیٹا! آنکھیں کھولو، اب کیسی ہو تم؟" امی نے اس کا ماتھا چوما تھا۔

ابریشیم کی نظر ازک پر پڑی تھی، فوراً ہی اٹھ کر چادر ہٹا کر دوپٹہ درست کیا اور باہر جانے کو کھڑی ہو گئی تھی۔

"بیٹا! کچھ دیر آرام کر لو، میں خود تمہیں چھوڑ آؤں گا۔" دادا جان نے اُسے روکا تھا۔

"نہیں بابا! میرا ویٹ کر رہے ہوں گے۔ آپ کی اجازت ہو تو میں جا سکتی ہوں۔" اُس کے روبرو چبھتا ہوا سوال کیا تھا، جو اُسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا، جس کی سانسیں ابھی تک ناہموار تھیں، خوبصورت ہونٹ سخت نیلے تھے، اُن پر موجود تل بھی آج افسردہ تھا۔

"چلو ہم سب ساتھ چلتے ہیں، تا کہ تمہارے بابا کی تکلیف اور ہمارے دکھ تمہاری الجھن ختم ہو سکے۔" نانو نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا جلدی میں امی نے

اُسے ازک کی شال ہی دے دی تھی، جسے وہ پہچان گیا تھا۔ مگر بولا کچھ نہیں کہ ابھی کچھ بعید نہ تھی وہ سخت سردی میں اُتار دے۔

ابریشیئم کو عجیب لگا تھا جانے کیوں مسکرا رہے ہیں سب کچھ کر کے بھی؟ دادا جان ڈانٹ کر ازک کو اندر لے آئے تھے۔ مجبوراً وہ آیا تھا بہزاد خان ڈر گئے تھے، ابریشیئم کی حالت دیکھ کر۔

"عظیم صاحب آپ یہاں کیسے؟"

حیرت کا مقام تو تھا۔ دادا جان اور نانو نے مختصراً انہیں ابریشیئم کی جاب اور ازک کے رویے کا بتا دیا تھا۔

"بابا اب آپ بتایئے اپنا وہ گناہ جس کی لپیٹ میں میں بھی آ گئی۔"

"بیٹا! ازک کے بڑے بھائی احزان میرے بزنس پارٹنر تھے، میں نے انہیں دھوکا دیا اور وہ اتنے مخلص اور سادہ تھے کہ مجھے محنت نہ کرنی پڑی، اُن کا بزنس تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ اسی ڈپریشن میں ایک ایکسیڈنٹ میں وہ انتقال کر گئے، بخدا میں ایسا نہیں چاہتا تھا مجھے بعد میں افسوس ہوا مگر......"

"مگر آپ کے افسوس سے ہمارا نقصان پورا نہیں ہوتا بہزاد خان! کیونکہ اس گاڑی میں میری بھابھی بھی موجود تھیں، اس صدمے سے بابا ہمیں چھوڑ گئے، ہم تو پھر بھی جی لیں گے مگر ان دو معصوم بچوں کا کیا کریں، جو بے تحاشہ محبتوں کے باوجود دن یا رات کے کسی بھی پہر اپنے ماں باپ کو ڈھونڈتے ہیں، اس سب کے ذمہ دار آپ ہیں، میں آپ کو قطعاً معاف نہیں کروں گا۔"

سرخ چہرے کے ساتھ بہزاد خان کے ساتھ وہ ابریشیئم کو بھی وارن کر رہا تھا۔

"جواب میں تم بھی بہت کچھ کر چکے ہو ازک!"

"میں نے کیا کیا ہے امی؟" معصومیت کی انتہا کی۔

"ہاں آپ نے ابھی کیا کیا ہے، بس اپنے بھائی کے بزنس کو سنبھالا اور میرے بابا کو برباد کر دیا، میرے باپ کے دیوالیہ ہونے کی خبر میری شادی سے تین دن پہلے آپ نے میرے سسرال پہنچائی، میری شادی ختم میں مایوں کے زرد سوٹ میں بابا کے ساتھ ہاسپٹل میں تھی، بابا پیرالائزڈ ہو گئے اور پھر میرے ساتھ جو کچھ کیا آپ نے پھر بھی آپ......"

مسلسل بولنے سے وہ تھک گئی تھی۔ وہ صوفے پر ڈھ گئی تھی۔

"ازک! انتقام میں اندھا نہیں ہونا چاہیے۔"

نانو نے اسے تھام کر کہا تھا۔

"ازک میں تم سے اور آپ سب سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں۔"

"ہم کون ہوتے ہیں سزا دینے والے یہ اللہ کا کام ہے ہم نے معاف کیا اللہ بھی کرے گا۔" دادا جان نے ان کے ہاتھ تھام لیے تھے کچھ ہی دیر میں بہزاد خان اور دادا جان کا اعلان اُن دونوں کو ہلا گیا تھا۔

"پلیز یہ نہ کریں میرے ساتھ دادا جان پلیز۔" ازک سے پہلے ہی ابریشیئم بول اُٹھی تھی۔

"ابر! کیا ہماری اتنی بھی عزت نہیں ہے کہ جو فیصلہ تم سے پوچھے بغیر لیا اس کا مان رکھ لو۔"

بہزاد خان کی جگہ دادا جان نے اُسے منایا تھا کہ خدشہ تھا باپ بیٹی کے آنسو برداشت نہیں کر پائے گا۔

نانو نے ازک کو کندھوں سے تھاما تھا۔

"نانو پلیز!" اس کا لہجہ بہت بے بس تھا۔

"ازک کیا ثابت کرنا چاہتے ہو خود مختار ہو، ہمارا کوئی حق نہیں تم پر تو ٹھیک ہے ہم دست بردار ہوتے ہیں۔"

وہ دادا جان اور امی کی بلیک میلنگ میں آ گیا تھا۔

☆......☆......☆

ایک ہفتے بعد وہ ازک کے بیڈ روم میں موجود تھی، نروس تو کیا ہونا تھا عجیب بے بسی کی حالت تھی۔ اس کا انتظار کیے بغیر چینج کر چکی تھی، امی نے لان میں اپنے

ہینڈسم ڈیشنگ بیٹے کو دیکھا تھا، جو خفا خفا بہت پیارا لگ رہا تھا۔

"میری جان! احزان کے بعد میرا کُل سرمایہ تم ہو، جو کچھ ہوا بھول جاؤ، ابر بہت معصوم بے قصور ہے۔" اس کا چہرا ہاتھوں میں بھرا تھا۔

"وہ بہزاد خان کی بیٹی ہے۔"

"تم میرے بیٹے ہو میں یہ جانتی ہوں، تم ویسے بھی اس کا بہت نقصان کر چکے ہو، وہ خطرناک بیماری میں "سفر" کر رہی ہے۔ اس کا خیال کرنا، میرا بیٹا نفرت نہیں محبتوں سے بنا ہے اسے محبت دو، وہ غصے میں ہے حق پر بھی ہے، نادان مگر میچور ہے کبھی دیکھا ہے بھولی سی صورت ہے۔"

"اچھا امی! بس کچھ نہیں کر رہا آپ کی بھولی معصوم بچی کو آپ آرام کریں، اب میں جیلس ہو رہا ہوں۔" وہ ہلکے سے ہنس دیا تھا۔

"ابریشیئم" وہ جو موبائل سرچ کر رہی تھی، پہلے ہی اس کے سامنے بیٹھنے سے نروس تھی اب محترمہ یا طنز کے بغیر نام سن کے عجیب سی ہو گئی تھی۔

"ہم سب کچھ بھلا کر ایک نیا سفر شروع کر سکتے ہیں کیا خیال ہے؟" نرمی سے اسے اختیار دیا تھا۔

"کچھ شروع نہیں ہوا بابا کی وجہ سے سب کیا ہے میں نے، پہلے آپ سے اپنا بزنس واپس لوں گی، جس کے لیے بینک سے لون بھی آپ اپروو کروائیں گے، میں آپ کا قرضہ واپس کر دوں گی، تب ہی کچھ ہو سکتا ہے۔"

وہ حیرت سے اُسے سن رہا تھا، دنیا کا آٹھواں عجوبہ شادی کی پہلی رات بزنس ڈیل کر رہی تھی۔

"اگر میں ایسا کچھ نہ کروں تو۔" ازک کی تیوری چڑھ گئی تھی۔

"تو ایک کمرے میں رہتے ہوئے بھی آپ مجھے حاصل نہیں کر سکیں گے۔" اسے جتاتی اسٹڈی روم میں چلی گئی تھی، کچھ دیر تک تو وہ کھولتا رہا مگر پھر ہنس پڑا۔

"امی ٹھیک کہتی ہیں معصوم تو ہو اور عقل سے پیدل بھی۔"

کچھ ماہ گزرے کہ امی نے ٹوک دیا "ازک آج ابر کو باہر لے جاؤ کہیں نہیں جاتے تم لوگ۔"

"میں تو کہتا ہوں آپ کی بہو نہیں جاتی۔" مزے سے اُسے تپایا تھا۔

"ابر فوراً اُٹھو تیار ہو جا کر" امی اچھی طرح سب سمجھ رہی تھیں۔

"جاثم اور جاثیہ کو بھی تیار کر لوں؟" اس نے معصومیت سے کہا تھا۔

"زیادہ چالاک مت بنو ابر" امی نے سختی سے ڈانٹ دیا تھا۔

سب کے سامنے اس کی سرزنش ازک کا ڈھیروں خون بڑھا گئی تھی۔ سلیقے سے سر پر دوپٹہ اوڑھے ڈریسنگ سے اٹھی تھی کہ ازک پیچھے آ کھڑا ہوا تھا، اس کا اس قدر قریب ہونا ابریشیئم کو ڈرا گیا تھا، ایک ہاتھ سے اس کا راستہ بند کر کے دوسرے سے پرفیوم اٹھایا تھا، وہ مکمل اُس کے حصار میں بمشکل اپنا آپ سنبھال رہی تھی، اس کی حالت کو انجوائے کرتا اپنے ساتھ اُس پر بھی اسپرے کیا تھا اور اُسے بغور دیکھا تھا، جس کی پلکیں لرز رہی تھیں، ہلکے سے ہنس کر ہاتھ کے اشارے سے باہر جانے کی اجازت دی تھی۔ ابریشیئم میں جیسے جان آ گئی تھی سرپٹ باہر نکلی تھی۔ مگر ازک کی حرکت اسے بھاری پڑی تھی اور وہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے باہر نہ گئی تھی اور وہ صرف لان میں بیٹھ کر ہنستا رہا تھا۔

جاتی سردی اپنا اثر دکھا رہی تھی اُس کے لیے سب پریشان تھے۔

"چچی! آئی پرامس میں آپ کو تنگ نہیں کروں گا، جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔" اُن دونوں کی تو جان تھی اپنی چچی میں۔

"ٹھیک ہوں میری جان! آپ پریشان نہ ہوں۔" اس نے تسلی دی تھی۔

"ڈاکٹر شاہ سے میری تفصیلاً بات ہو چکی ہے جلد از جلد آپریشن ہونا ہے۔" ازک نے امی کو بتایا تھا۔

"نہیں میں نے پہلے بھی کہا تھا میں خود ......"

(شٹ اپ) ازک نے خاموش کروا دیا تھا، جسے ضد تھی کہ ازک کا احسان نہیں لینا۔

"اپنا علاج خود کروانا ہے بہت سن لی ہے تمہاری بکواس، امی! آپ اسے سمجھا دیں کل تک، ورنہ آپ مجھے جانتی ہیں۔" غصے سے دروازہ بند کر کے نکل گیا تھا۔

رات گئے کمرے میں آیا تھا اور اس کی فرمائش بے یقینی سے سن رہا تھا۔

"کیا کہا تم نے؟"۔

"میں نے کہا آپ مجھے چھوڑ دیں، میں نے بابا کا بزنس کافی حد تک اسٹیبلش کر لیا ہے، اب کوئی وجہ نہیں ہے آپ کے ساتھ رہنے کی ایک انتقام آپ نے لیا، یہ میرا انتقام ہے میں بابا کے پاس جا رہی ہوں۔"

چند قدم آگے بڑھی تھی کہ ازک نے کھینچ کر بیڈ پر بٹھایا تھا، بیڈ کراؤن پر ہاتھ رکھ کر اسے مجبور کر دیا تھا۔ بہت مشکل تھا اس کی لہو چھلکاتی آنکھوں میں دیکھنا۔

"کیا ہو تم تین مہینے میں بزنس مل گیا تو تمہارا کمال ہے، میں خود اپنے کنٹریکٹ دیے ہیں تمہیں ورنہ پوچھنا اپنے باپ سے کتنا مشکل ہے، ابھی میں نے کچھ کیا ہی کہاں تھا وہ تو شروعات تھی جہاں میں رک گیا اور تم کس خوش فہمی میں ہو، بڑا زعم ہے اپنی ذہانت پر چاہتا تو کیا نہیں کر سکتا تھا تمہارے ساتھ، ایک جھٹکے میں کل سیدھی کر سکتا ہوں میری دسترس میں ہو، میری ملکیت ہو تم، اگر جانا ہے تو جاؤ ارے تمہاری سرشت میں دھوکا ہے، کہ محبت کرنا جانتی ہی نہیں ہو ڈیم اٹ۔"

اپنا غصہ سائیڈ ٹیبل پر اتارا تھا وہ جو پہلے ہی حقیقت حیثیت اپنی ناکام کوششیں جان کر سکتے میں تھی چھناکے کی آواز پر دہل گئی تھی۔

"نہیں ہوں میں دھوکہ باز نفرت ہے مجھے اس لفظ سے، آپ خود کو سب سے بہتر سمجھتے ہیں، لگتا ہے محبت صرف آپ کر سکتے ہیں میں نہیں آخر کیوں میں نے بھی کی ہے محبت ازک" بے اختیار آنسوؤں کے ساتھ چہرا ہاتھوں میں چھپائے اس کے کندھے سے لگ گئی تھی۔

ازک کے لیے اس کا اظہار ہی آب حیات تھا، کجا کہ اس کے آنسو جھٹکے سے اُسے سامنے کیا تھا۔

"کس سے کی ہے مجھے بھی بتاؤ" انتہائی سنجیدگی سے پوچھا تھا، نگاہوں کی شوخی ابریشیم کو پزل کر گئی تھی۔

"تنگ مت کریں مجھے۔"

"کیوں نہ کروں حق رکھتا ہوں اور ابھی کچھ کیا ہی نہیں ہے۔" آنکھوں میں جھانکتا بہت مٹف ٹائم دے رہا تھا۔

"میں چلی ہی جاتی ہوں بابا کے پاس۔" وہ گھبرا گئی تھی۔

"خبردار، خبردار تم میری ذمہ داری ہو، ذرا ٹھیک ہو جاؤ بہت سے بدلے لینے ہیں۔"

ایک ماہ کے طویل انتظار کے بعد کامیاب آپریشن کروا کے گھر آ گئی تھی وہ۔

"محترمہ! بہت آرام کر لیا اب اٹھ جائیں۔"

ازک نے اس کے بیڈ ریسٹ پر چوٹ کی تھی۔

"امی! دیکھیں۔"

"کیا دیکھیں میری امی ہیں محترمہ۔"

"مت تنگ کرو ازک! میں سوپ بھیج رہی ہوں اس کے لیے ابھی۔" اُسے ڈانٹتی وہ باہر نکل گئی تھیں۔

"میں تو پہلے کچھ کرتا بھی نہیں تھا صرف کہتا تھا، تو تم بھاگ جاتی تھیں اب کیا ہو گا تمہارا میرے قبضے میں ہو۔" اس کے قریب بیٹھ کر اُس کو ڈرایا تھا، اُس کی ہوائیاں اُڑ گئی تھیں کمبل سر سے پاؤں تک تان لیا تھا، اُس کی حرکت پر ازک قہقہہ نہ روک سکا تھا۔

......☆......

مریم ماہ منیر

افسانہ

پوشیدہ مصلحت

وہ گہری نیند میں تھی کہ موبائل پر بیل سے اس کے سوتے وجود میں جنبش ہوئی۔ اس نے کروٹ بدلی اور سرہانے کی دوسری جانب پڑے موبائل پر اندازے سے بند آنکھوں سے ہاتھ مارا۔ اگلے ہی لمحے موبائل



اس کے ہاتھ میں تھا۔

بمشکل نیند سے بوجھل پلکیں کھولیں۔ ادھ کھلی آنکھوں سے اس نے موبائل اسکرین پر نظر ڈالی۔ روشن اسکرین پر فراز Calling لکھا آرہا تھا۔ Yes کا بٹن دباتے ہی اس نے موبائل کان سے لگایا۔

''ہوں۔''

''سو رہی ہو۔''

''نہیں......سو رہی تھی۔'' ابھی الجھی سی آواز میں وہ بولی۔

اس کی بات کے جواب میں اسے ہلکے سے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔

''کیسے ہیں آپ؟'' نیند سے بوجھل آواز میں اس نے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔''

''خیریت ہے......فون کیا آپ نے؟''

''ہوں، کیا تو خیریت سے ہی تھا۔ بلکہ as a reminder تمہیں کال کی ہے۔''

''reminder؟'' ابھی اس کے حواس گہری نیند سے پوری طرح نہیں جاگے تھے اس کے باوجود وہ چونکی۔

''فائزہ بھول گئی نا؟''

''کیا؟'' اس نے حواسوں پر زور دیا۔

''مجھے معلوم تھا کہ تم بھول جاؤ گی۔''

''او......ہاں وہ بس بھولی نہیں تھی لیکن آنکھ لگ گئی تھی۔'' ذہن پر زور دیتے اسے یاد آ ہی گیا۔

''جلدی سے تیار ہو جاؤ میں ایک گھنٹے میں آ رہا ہوں۔''

''پلیز فراز! آپ ہی چلے جائیں نا۔''

''یار! میرے دوست کی شادی ہے اور تمہیں اس نے Specially انوائیٹ کیا ہے۔''

''اور دوستوں کی بھی شادیاں ہوئی ہیں لیکن آپ نے کبھی ایسے ضد نہیں باندھی۔'' فراز کے ساتھ بحث نے اس کی پلکوں سے نیند بھگا دی تھی۔

''اچھا ہے تمہارا موڈ بھی اچھا ہو جائے گا۔''

''میرا موڈ ابھی بھی اچھا ہے۔''

''اور زیادہ اچھا ہو جائے گا۔''

''اب میں تنگ ہو رہی ہوں۔'' فراز کو بحث کے موڈ میں دیکھ کر وہ جھنجھلائی۔

''میں خود ہی تنگ کر رہا ہوں۔'' دوبدو جواب آیا تھا اور ساتھ میں فراز کی خوشگوار سی ہنسی اس کے کان کے پردے سے ٹکرائی تھی۔ جواب میں وہ خاموش رہی۔

''اچھا جلدی سے اٹھو، تیار ہو بس میں پہنچ ہی رہا ہوں۔''

''ہوں۔''

''اب اٹھ بھی جاؤ۔''

''اٹھ تو گئی ہوں اور کیسے اٹھوں؟''

''ابھی کہاں ہیں آپ؟''

''دوپہر کے ساڑھے تین ہو رہے ہیں ظاہر ہے اس وقت آفس میں ہوں گا۔''

''ابھی ساڑھے تین ہی ہوئے ہیں۔'' یہ کہنے کے ساتھ ہی اس کی بیڈ کے ساتھ ٹیبل پر پڑی کلاک پر نظر گئی۔ ساڑھے بارہ کے قریب وہ کچن سے نکلی تھی۔ کام والی ماسی سے اس نے کچن کے Cabnet کی صفائی کروائی تھی اس لیے وہ خاصی تھک گئی تھی، ماسی کو بھیج کر وہ کمرے میں آ کر تھکن اتارنے کی غرض سے بیڈ پر لیٹی تو اس کی آنکھ لگ گئی جو اب فراز کی فون کال سے کھلی تھی۔

''اچھا میں اب فون رکھتا ہوں۔ آفس کا کام بھی ختم کرنا ہے، پھر گھر آ کر بات کرتا ہوں؟''

''جی او کے۔'' یہ کہنے کے ساتھ ہی کال کٹ گئی۔ وہ بیڈ پر پیر لٹکا کر بیٹھ گئی۔

فراز کے قریبی دوست ثاقب کی شادی تھی۔

ثاقب کا گھر آنا جانا تھا۔ اس لحاظ سے اس کی فائزہ سے بھی اچھی خاصی سلام دعا تھی۔ تبھی جب ثاقب کی شادی کا ذکر آیا تو بطور خاص اس نے فائزہ کو بھی اپنی شادی کی تیاریوں میں شامل کیا۔

فراز کو اچھی طرح سے فائزہ کی فطرت کا علم تھا کہ وہ زیادہ gathering میں جانا avaid کرتی ہے اس لیے اس نے کبھی بھی اسے فنکشن پر جانے پر اصرار نہیں کیا تھا لیکن اس مرتبہ فائزہ کے بقول وہ ضد پر اتر آیا تھا کہ ثاقب کی شادی کے تمام فنکشنز اٹینڈ کرنے ہیں۔

خود فائزہ کی فراز سے شادی ایک اتفاق تھی۔ وہ مقامی کالج میں اردو کی لیکچرار تھی کہ اسے سال بعد ہی اس جاب سے ریزائن کرنا پڑا۔

ان دنوں اسے جاب کی ضرورت تھی تو وقتی طور پر اسے ایک آفس میں اسسٹنٹ سیکریٹری کی جاب کی آفر آئی تو اس نے قبول کرلی۔ وہیں پر اس کی ملاقات فراز سے ہوئی جو کمپنی کے مالک کا بیٹا اور سیکریٹری کے طور پر کام کر رہا تھا۔ کچھ ہی ماہ بعد اعجاز صاحب جو فراز کے والد تھے انہوں نے اس کے سامنے فراز کا پروپوزل رکھا۔ فائزہ نے سب کچھ اپنے والدین پر چھوڑ دیا اور مزید چند ماہ بعد وہ فراز کی بیوی کی حیثیت سے اعجاز صاحب کے گھر ان کی بہو بن کر چلی آئی۔

☆......☆

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑے اپنے بالوں کو برش کر رہی تھی کہ اسے مین گیٹ کھلنے اور گاڑی گیراج میں داخل ہونے کی آواز سنائی دی۔ کچھ ہی دیر میں اس نے ہارن کی آواز سنی گویا فراز اسے اپنے آنے کی اطلاع دے رہا تھا۔ فائزہ نے برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا۔ آئینے میں ایک نظر اپنے سراپے پر ڈالی اور دائیں کندھے پر جھولتے کامدانی دوپٹے کو دونوں ہاتھوں سے ٹھیک سے کندھے پر شرٹ سے پن اپ کیا۔ ابھی وہ مڑنے ہی لگی تھی کہ بیڈ روم کا دروازہ کھول کر فراز کمرے میں داخل ہوا۔ شیشے میں فراز کا سراپا دیکھ کر وہ مسکرائی تھی اور پلٹ کر بولی۔

''کیسے ہیں؟ میں آپ ہی کا ویٹ کر رہی تھی۔''

جواب میں فراز خاموش نظروں سے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے اسے دیکھتا رہا۔

اس کی نظروں میں اپنے لیے ستائش پا کر وہ پلکیں جھکا گئی اور تیزی سے اپنی جگہ سے مڑی۔

اس کا گریز سمجھ کر فراز کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی اور وہ شرارتی انداز میں اس پر نگاہ ڈال کر واش روم میں گھستے ہوئے بولا۔

''ابھی جانے کی جلدی نہ ہوتی تو کچھ تفصیل سے باتیں ہوتیں۔'' انداز میں والہانہ پن تھا۔

''اچھی بات ہے۔ میں ہال میں آپ کا ویٹ کر رہی ہوں جلدی آجایئے گا۔'' دوبدو شرارتی انداز میں فائزہ نے جواب دیا۔

''جلدی کیوں بھئی میں تو آرام سے آؤں گا۔ ویسے بھی ابھی کہاں ٹائم ہوا ہے۔''

''جلدی جائیں گے تو واپس بھی جلدی آئیں گے نا۔''

''خدا کا نام ہے فائزہ! ابھی گئے بھی نہیں اور تمہیں واپس آنے کی جلدی ہے۔''

''آپ کو پتہ تو ہے میرا۔''

''ہوں جانتا ہوں تمہیں، کتنی آدم بیزار ہو۔''

''آدم بیزار......!'' وہ شگفتگی سے زیرلب مسکرائی تھی اور دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ دھرے ہلکے سے دبا کر دروازہ کھولا۔

''آجایئے گا جلدی۔''

''ہوں اچھا۔''

اس کا جواب سنتے ہی وہ دروازہ بند کیے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اگلے ایک گھنٹے میں ہی وہ دونوں

ثاقب کے گھر موجود تھے۔ گھر کے مین پلاٹ میں سیٹنگ ارینج منٹ کیا گیا تھا جہاں سب مہمانوں کے اکٹھے ہونے کا انتظار تھا کہ بارات چل پڑتی۔ فراز، ثاقب کے ساتھ موجود تھا۔ وہ آہستہ قدم اٹھاتی پلاٹ میں دھری کرسیوں کی جانب چلی آئی جہاں مہمان خواتین کے بیٹھنے کے لیے انتظام کیا گیا تھا۔

اگلے آدھ گھنٹے میں ہی بارات چلنے کو تیار تھی۔ وہ بھی فراز کی جانب چلی آئی۔ فراز نے اسے اپنی جانب آتے دیکھا اور پھر اس کے قریب آنے پر بولا۔

''چلیں ہم بھی۔''

''جی۔'' اس نے کہتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور وہ دونوں ساتھ قدم اٹھاتے پارکنگ لاٹ میں کھڑی گاڑی کی جانب چلے آئے۔

''سب ٹھیک رہا؟''

ہوں...... جی۔'' فرنٹ اسکرین سے باہر کے منظر پر نگاہ جماتے فائزہ نے جواب دیا۔

''اور مہمانوں سے ملیں؟'' فراز نے گاڑی دوسرے گیئر میں ڈالی۔

''کوئی خاص نہیں۔'' فائزہ کا لہجہ سرسری سا تھا۔

جواب میں وہ بھی خاموش ہو گیا۔

ثاقب کا رشتہ اپنی ماموں زاد کے ساتھ ہو رہا تھا۔ لڑکی والوں کا گھر گاڑی سے تقریباً پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر تھا۔

رسم و رواج کے مطابق لڑکی والوں نے بارات کا بہت ہی خوش اسلوبی سے استقبال کیا۔ نکاح کے بعد کھانے کا انتظام بھی گھر کے لان میں ہی کیا گیا تھا۔ اس کا زیادہ کھانے کو من نہیں تھا۔ دوپہر میں بھی خاصا پیٹ بھر کے کھایا تھا ابھی تک وہی ٹھیک طرح سے ہضم نہیں ہو پایا، ہلکا سا سلاد لینے کے بعد وہ کولڈ ڈرنک لیے واپس اپنی جگہ پر آ گئی اور کولڈ ڈرنک کے ہلکے سپ لینے کے ساتھ ساتھ وہ اردگرد آئے مہمانوں کو دیکھنے لگی۔

''فائزہ!'' اسے کسی کی پکار اپنے کان میں سنائی دی۔

اپنی دائیں جانب مڑ کر دیکھا اور اگلے ہی لمحے دائیں جانب کھڑے وجود پر اس کی نگاہیں اٹک گئیں۔

''فائزہ......! کیسی ہو؟''

جواب میں وہ ساکت تھی۔ یقین اور بے یقینی کے درمیان سفر کرتی سوچیں اور تصور لیے وہ اس وجود پر نگاہیں ٹکائے ہوئے تھی۔ زندگی میں وہ پانچ سال پہلے اپنے سامنے کھڑے وجود سے ملی تھی۔ پانچ سال کا سفر دونوں نے ہی طے کیا تھا لیکن اس کے سامنے کھڑے وجود کے چہرے پر اداسی اور غم کی پرچھائیاں تھیں تو اس کے چہرے پر خوش حالی کا ڈیرا۔ جھریوں نے دونوں کے چہروں پر اثرات چھوڑے تھے لیکن سامنے کھڑے وجود کے چہرے پر اداسی کی جھریاں تھیں تو اس کے چہرے پر ہنستے ہوئے لکیروں نے ڈیرا جمایا تھا۔

''میں حنا ہوں...... پہچانا؟''

شاید اس کی اسی کشمکش کا اندازہ لگاتے ہوئے سامنے کھڑے وجود نے کہا تھا۔

''حنا انوار تمہارے ساتھ سینئر لیکچرار۔''

''ہوں...... یاد ہے سب کچھ بھی تو نہیں بھولی۔'' زیرلب کہتے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیسی گزر رہی ہے؟'' کرسی اٹھا کر اس نے اس کی کرسی کے سامنے کچھ فاصلے پر دھری۔

''شکر ہے مالک کا۔''

''پوچھو گی نہیں میرے بارے میں؟'' کرسی پر بیٹھے ہوئے قدرے ہونٹوں پر مسکراہٹ جمائے حنا انوار بولی۔

''کیا پوچھوں؟''

''کچھ بھی۔''

حنا انوار نے اپنے طور پر اسے کھلی اجازت دی۔

''تم خود ہی بتا دو۔'' سرسری سے انداز میں فائزہ بولی۔

''میں نے تمہیں بہت ڈھونڈا۔ موبائل نمبر تو تم نے شاید بدل دیا تھا۔ کالج سے ریزائن کرنے کے بعد۔''

''ریزائن میں نے نہیں کیا۔ مجھ سے لیا گیا تھا۔'' اس مرتبہ فائزہ کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

''ہاں مجھ سے غلطی ہوئی۔ ہم نے غلط کیا تھا۔''

''اب کیا فائدہ؟''

''میں نے تمہارے گھر بھی کال کی تھی لیکن پی ٹی سی ایل تو بند جا رہا تھا۔''

''ہوں آج کل سب کے پاس موبائل ہوتے ہیں۔''

''مجھے تم سے معافی مانگنا تھی۔''

''کس لیے؟'' بے ساختہ ہی اس کے لبوں سے پھسلا، لہجے میں ہلکے سے طنز کی آمیزش تھی۔ جسے اس کے سامنے بیٹھے وجود نے محسوس کیا تھا۔

''میں جانتی ہوں تم دل سے خفا ہو۔''

''میں نے کب کہا ایسا۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں تم نے کس اذیت سے وہ وقت کاٹا، آسان نہیں ہوتا یہ سب تم نہیں سمجھ سکتیں وہ اذیت وہ کرب۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں فائزہ تم سے ریزائن لینے کے بعد ایک ماہ کے اندر اندر میری جاب بھی Terminate کر دی گئی۔''

جواب میں بے ساختہ ہی اس نے نظر اٹھا کر اس کے چہرے پر ڈالی۔

''میں نے تم سے تمہاری جاب چھینی تھی، خدا نے مجھے میرے غرور پر جاب ختم کروا دی۔ کافی عرصے بعد میں نے سنا تھا کہ تم نے کسی انٹرنیشنل کمپنی کو کمپیوٹر گرافکس کے طور پر سنبھال لیا ہے اور پھر کچھ ہی عرصے بعد تمہاری شادی کی خبر سنی تھی۔''

''تمہاری جاب؟'' وہ کچھ حیرانگی سے بولی۔

''ہاں میں نے غرور کیا تھا تو سزا تو ملنی تھی۔''

''اچھا ہوا کہ تم پہلے چلی گئیں۔ میرے ساتھ رہتیں تو جاب ٹرمینیٹ ہوتی بہت عرصے تک مجھے پھر جاب نہیں ملی، اسی ٹرمینیشن لیٹر کی وجہ سے پھر ایک پرائیویٹ کالج نے جاب دیا۔ جونیئر ٹیچر۔''

فائزہ نے اس سے نہیں پوچھا تھا لیکن وہ خود ہی بول رہی تھی۔

''میں تم سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔ تمہاری اہلیت سے جل گئی تھی۔ سمجھی تھی کہ تم میرے ساتھ کام کرو گی تو کہیں میری برابری پر جاب نہ چھین لو۔ تمہیں راستے سے ہٹانا چاہا لیکن خدا نے تمہارے لیے کامیابی کا راستہ الگ رکھا تھا۔ اس نے تمہیں میرے وسیلے سے راستے پر ڈال دیا اور میں وہیں شکست کھا گئی۔'' فائزہ نے بے ساختہ ہی نظر اٹھا کر اس کے پژمردہ چہرے پر ڈالی۔

''ہوں میں نہیں چاہتی تھی کہ تم اسٹوڈنٹس میں زیادہ پاپولر ہو، اسٹوڈنٹس تم سے پڑھنے پر خوش رہتے تھے جو مجھے برداشت نہیں تھا۔''

فائزہ ہنوز اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر نظریں جمائے تھی جہاں پچھتاوا تھا۔ زندگی میں ایک مقام ایسا بھی آیا تھا کہ وہ سوچتی تھی کہ اگر کبھی حنا انوار اس کی نظروں کے سامنے آئی تو وہ اسے کھری کھری سنائے گی۔ نفرت سے اس کے منہ پر تھوکے گی لیکن زندگی میں قسمت نے جب اس کے حصے میں یہ پل ڈالے تو وہ کچھ بھی اسے ملامت نہ کر سکی۔ اپنے ساتھ کی زیادتی اسے یاد نہ دلا سکی جیت کے نشے میں دھت خود قسمت کے ہاتھوں شکست حنا انوار کے حصے میں آئی تھی تو وہ اسے کس ہار کا احساس دلاتی کہ اسے خود ہی اپنی ہار کا اعتراف تھا۔ جو الفاظ

ملامت وہ اس سے کہنا چاہتی تھی وہ اپنی زبان سے خود ہی بول رہی تھی۔

وہ خاموش تھی کہ اس کے موبائل پر Miss Call آئی۔ اس نے اسکرین کا رخ اپنی جانب موڑا۔ فراز نے مس بیل کی تھی وہ یقیناً اسے واپسی کے لیے بلا رہا تھا۔ موبائل اسکرین پر اس کا نام جگمگاتا دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''جا رہی ہو؟'' حنا انوار اس سے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں، میرے husband مجھے بلا رہے ہیں۔''

''میں نے سنا ہے تم اپنے شوہر کے ساتھ ان کا بزنس بھی ہینڈل کرتی ہو۔'' بے ساختہ ہی فائزہ نے اس کی جانب دیکھا۔

''میں تمہیں بہت عرصے سے تلاش کر رہی تھی۔ میں ثاقب کی خالہ کی بیٹی ہوں۔ مجھے تمہارے بارے میں علم ہوا تو میں تمہارے husband کے پاس گئی تھی۔ تم سے ملنا چاہتی تھی ڈر تھا کہ تم مجھے پہچاننے سے انکار نہ کر دو لیکن تمہارے شوہر کا کہنا تھا کہ تم بہت بڑے ظرف والی ہو۔ ایسا کبھی نہیں کرو گی۔''

فائزہ کے ذہن میں آتا سوال پڑھ کر حنا انوار بولی تھی۔

''میں نے ہی ثاقب سے بولا تھا کہ تمہیں ضرور بلوا لیں۔ مجھے تم سے ملنا تھا۔''

''خدا حافظ۔''

''تم نے مجھے معاف کر دیا؟'' حنا بولی۔

''میں تم سے خفا نہیں تھی تو پھر معافی کیسی؟'' وہ پلٹ کر اس کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے مسکرائی انداز میں تسلی تھی۔ دلاسہ تھا۔

''سچ کہہ رہی ہو؟''

''ہوں بس تھوڑا سا شکوہ تھا تم سے نہیں خدا سے کہ اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ جب میں نے کوئی خطا نہیں کی نہ ہی کسی کا حق مارا تھا لیکن آج تمہاری باتیں سن کر وہ شکوہ بھی ختم ہو گیا۔''

''اور کچھ نہیں کہو گی۔''

''میں تمہارے حق میں دعا کروں گی۔'' یہ کہنے کے ساتھ ہی وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی فراز کی جانب چلی آئی۔ جو مین گیٹ کے قریب مہمانوں میں گھرے ثاقب سے الوداعی سلام لے رہا تھا۔

پارکنگ لاٹ میں کھڑی گاڑی تک دونوں خاموشی سے ہمقدم آئے تھے۔ گاڑی کے فرنٹ ڈور کا لاک کھولتے ہوئے فراز نے پوچھا۔

''سب ٹھیک ہے نا؟'' وہ چونکی تھی اور پھر اس کی جانب دیکھے بنا فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''سب ٹھیک رہا فراز۔ وہ سب کچھ بھی جو آپ پوچھنا چاہ رہے ہیں۔''

فراز نے گاڑی کا گیئر چینج کرتے ہوئے اس کی آواز سنی تھی اور پھر ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر در آئی تھی۔

فائزہ کو معلوم تھا کہ وہ اب کچھ پوچھنا چاہتا ہے لیکن خاموش رہے گا اس لیے اس نے فراز کو زیادہ انتظار نہیں کروایا تھا اور خود ہی بول پڑی تھی۔

''مجھے یقین آ گیا فراز کہ خدا کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ آپ ٹھیک کہتے تھے لیکن کبھی کبھی زندگی میں خدا کے کچھ فیصلوں کے ٹھیک ہونے کا اعتبار وقت کے ساتھ ہی آتا ہے۔ کیوں کہ انسان کی فطرت میں ناشکرا اور بے صبرا پن ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی کہ فراز کی آواز گاڑی میں گونجی۔ ''اور کچھ جو کہنا ہو۔''

''ہوں، آئندہ کوشش کروں گی خدا کی رضا میں راضی رہنے کی۔'' یہ کہہ کر اس نے گاڑی کی سیٹ کی پشت سے طمانیت سے سر ٹکا دیا۔

......☆......

تبسم فیاض

افسانہ

آشیانہ

''احسن بیٹا! سارہ کی ماں آئی تھیں، وہ سارہ کو ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ واپس لے گئی ہیں۔'' فاخرہ بیگم نے احسن کے آفس سے آتے ہی دھماکا کیا۔ شوز اتارتے ہوئے احسن کے ہاتھ رک گئے۔

''لیکن کیوں امی! کیا بات ہوئی تھی؟''۔ احسن نے پریشان سا چہرہ لیے دبی آواز میں سوال کیا۔

''ارے مت پوچھو، میں نے صرف اتنا کہا کہ



تمہیں کڑاہی ڈھنگ سے بنانی نہیں آتی، صرف پیسہ برباد کرتی ہو کوئی اور چیز بنالو، اپنی ماں کے لیے تو بس یہ بات اُن کی ماں نے سن لی اور کھڑی ہو گئیں کہ بس سارہ بہت ہوگئی، اب میں مزید تمہاری یہ ذلت برداشت نہیں کروں گی، اب بیگ ریڈی کرو اور میرے ساتھ چلو، بس بھئی بس بی بی کا یہ سننا تھا اور وہ بیگ ریڈی کرنے پہنچ گئیں اور یہ جا اور وہ جا۔"

"تمہیں بھی بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور چل پڑی اپنا گھر تباہ کرنے۔"

یہ سب سُن کر احسن کو بھی غصہ آیا کہ اگر کوئی بات امی کی بُری لگی تھی، تو کم از کم مجھے ایک کال کر کے جانے کا تو بتا دیتی۔

احسن غصہ کی کیفیت میں وہیں صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، فاخرہ بیگم نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ کی۔

"ارے غضب کی لڑکیاں ہیں آج کل کی، ذرا بھی سسرال، ساس اور شوہر کا لحاظ نہیں ایسے ناک پہ پیاز کاٹتے ہیں بھلا ذرا ذرا سی بات پر میکے جا کر بیٹھ جاتے ہیں، انہیں یہ خوف نہیں کہ اگر ان کے شوہر منانے نہیں آئے تو ساری زندگی میکے میں بیٹھی رہ جائیں گی، میں تو کہتی ہوں پہلی دفعہ میں ہی سبق دے دو، ورنہ ساری زندگی روٹھنا منانا رہے گا۔"

"ہمارے زمانے میں تو ساس کے حکم کے بغیر اپنے کمرے میں نہیں جا سکتے تھے، ان کی آواز پر کھانا چھوڑ کر ان کا کام کرنے دوڑ جاتے تھے۔" بس فاخرہ بیگم اپنے زمانے میں پہنچ گئیں۔

فاخرہ بیگم ایک روایتی ساس تھیں، لیکن ان کا سب سے بڑا مسئلہ سارہ کا وجود ہی تھا، چونکہ احسن ان کا اکلوتا بیٹا تھا اس لئے فاخرہ بیگم اس کی شادی اپنی بھانجی نمرہ سے کرنا چاہتی تھیں لیکن احسن کو سارہ پسند تھی، احسن کی دونوں چھوٹی بہنیں بھی نمرہ کو بھابھی بنانا چاہتی تھیں۔

احسن جس راستے سے آفس جاتا اسی راستے سے سارہ اپنے کالج جاتی تھی، یوں احسن کو سارہ کی سادگی نے اٹریکٹ کیا اور اس نے ایک دن آفس سے جلدی گھر آ کر سارہ کا پیچھا کیا اور اس کے گھر کا پتہ لگا لیا۔

دوسرے دن فاخرہ بیگم کے پیچھے لگا ہوا تھا کہ وہ سارہ کے گھر جا کر رشتہ مانگیں، لیکن فاخرہ بیگم کا ذہن شروع سے نمرہ کے لیے تھا، اس لئے وہ راضی نہیں ہوئیں۔

احسن نے بہت جتن کیے لیکن وہ نہ مانیں آخر کار احسن نے گھر چھوڑنے کی دھمکی دے دی، جس سے فاخرہ بیگم کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ان کی اکلوتی کائنات انہیں چھوڑ دے یہ سوچ سوچ کر ان کی جان نکل رہی تھی۔

آخر کار احسن کی ضد کی وجہ سے انہوں نے سارہ کے ہاں جانے کی حامی بھر لی اور دوسرے دن اپنی دونوں بیٹیوں کو لے کر سارہ کے ہاں پہنچ گئیں سارہ کو دیکھ کر حنا اور صبا (احسن کی بہنیں) کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، وہ نمرہ سے کئی گنا پیاری تھی، فاخرہ بیگم بھی اُسے دیکھ کر سمجھ گئیں کہ ان کا بیٹا کیوں اتنا فدا ہوا کہ گھر چھوڑنے کی دھمکی دے ڈالی، خیر وہ بھی اس کی خوبصورتی کی دل میں تعریف کیے بنا نہ رہ سکیں، لیکن وہ اپنی بھانجی کی محبت میں سارہ کی خوبصورتی کو بھی خاطر میں نہ لائیں اور منفی سوچ کے زیر اثر اس سے بیر رکھ لیا، ان کی سوچ یہ تھی کہ اس لڑکی کی وجہ سے احسن نے ماں اور گھر سے بغاوت کی لہٰذا وہ ان کی سوچ اور معیار کے مطابق ان کا دل نہیں جیت سکی

۔

خیر جھوٹے منہ اور دکھاوے کی محبت دِکھا کر انہوں نے رشتہ دے ڈالا، احسن پڑھا لکھا تھا خوش شکل تھا اور سب سے بڑھ کر PIA میں اچھی جاب کرتا تھا، اس لئے سارہ کے گھر والوں کو کوئی اعتراض نہ ہوا، انہوں نے حامی دے دی اور تاریخ طے ہو گئی، سارہ رخصت ہو کے احسن کے گھر آ گئی،

جس دن سے سارہ رخصت ہو کر آئی اُسی دن سے فاخرہ بیگم نے اس کی ہر بات اور ہر کام میں کیڑے نکالنا شروع کر دیئے۔

شروع میں سارہ ان کے مزاج سے بہت گھبرائی، لیکن احسن کے سمجھانے پر آہستہ آہستہ انہیں سمجھنے لگی۔

لیکن جب سارہ کے گھر والے اور خاص کر اس کی والدہ گھر پر آتیں تو وہ ان کی خامیوں کی لمبی لسٹ لے کر بیٹھ جاتیں اور بات بے بات ان کی تربیت کو نشانہ بناتیں۔

انہیں اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ سارہ اس گھٹن زدہ ماحول میں کس طرح رہ رہی ہے، کبھی کبھی وہ سارہ کے اس گھر میں رشتہ ہونے پر پچھتاتیں اور کبھی اُسے سمجھاتیں۔

آج جب انہوں نے سارہ کو ان کے سامنے گڑگڑاتے سمجھاتے دیکھا، تو ان سے بیٹی کی یہ بے چارگی دیکھی نہیں گئی اور وہ طیش میں آ گئیں، وہ سارہ کو اپنے ساتھ صرف اس لئے لائیں تھیں کہ اب وہ اس معاملے میں احسن سے بات کرنا چاہتی تھیں۔

ادھر فاخرہ بیگم نے اصل داستان چھپا کر اور بات کو گول مول پیش کر کے احسن کا دل سارہ کی طرف سے بُرا کر دیا، بلکہ بُرا ہی نہیں اتنا پکا کر دیا کہ احسن سارہ کو لینے اور نہ ہی اصل حقیقت جاننے گیا۔

وہ اپنی ماں کے آگے اس لئے خاموش تھا کہ وہ سمجھتا تھا کہ وہ اس کی خاطر سارہ کو خوشی خوشی بیاہ کر لے آئیں اور اپنی پسند کی قربانی دی ہے۔

☆ ☆ ☆

دن آہستہ آہستہ گزرتے جا رہے تھے احسن کبھی تنہا ہوتا، تو گھبرا کر سارہ کو لانے کا سوچتا، لیکن پھر ماں کے الفاظ اس کے کان میں گونجنے لگتے۔

ادھر سارہ کا رو رو کر برا حال ہو گیا، اُسے اپنی جلد بازی پر افسوس ہوا کہ میں اس دن اگر امی کا کہنا نہیں مانتی تو آج میں اپنے گھر میں ہوتی۔

سارہ کی والدہ نے کئی بار احسن سے بات کرنے کے لیے رابطہ کیا، لیکن احسن نے غصے سے کال اٹینڈ نہیں کی۔

دن گزرتے جا رہے تھے، معاملہ اُتنا ہی بڑھتا جا رہا تھا اب آہستہ آہستہ سارہ کے گھر والے احسن کے روّیہ سے نالاں ہو رہے تھے، ان کا خیال تھا کم از کم احسن کو اصل حقیقت کا پتہ لگانے کے لیے سارہ سے بات کرنے آنا چاہیے تھا، جو کہ احسن نے نہیں کیا۔

فاخرہ بیگم اپنے غرور اور مزاج کے مطابق بیٹے کو ایک بڑی پریشانی دے کر خوش تھیں۔

"صبا! بھائی سے کہو نا کہ بھابی کو لے آئیں، میں تو گھر کا کام کر کر کے تھک گئی ہوں، یہ بھابی کی ہمت تھی کہ جو گھر کے کام کے ساتھ امی کی کڑوی کسیلی باتیں برداشت کرتی تھیں۔"

حنا نے صبا سے کہا۔

صبا نے حنا کی بات کی تائید کی، حالانکہ صبا جانتی تھی کہ اس کی امی غلط ہیں، وہ سارہ بھابی کے ساتھ زیادتی کرتی ہیں، لیکن یہ بات امی کے منہ پر کہے کون؟

"حنا! اب بھابی کا معاملہ سیریس ہوتا جا رہا ہے، اب ہمیں ہی کچھ کرنا چاہیے۔"

"ہاں یہ بات تو ہے مجھے بھی تو فکر کھا رہی ہے کہ اتوار کو سب میری فرینڈز آ رہی ہیں شام کی چائے پر بھابی نہیں ہوں گی تو کتنا امپریشن خراب پڑے گا۔" میں چاہتی ہوں سب بھابی سے ملیں تو سب کتنا امپریس ہوں ان سے مل کر۔"

صبا نے فکرمندی سے حنا سے کہا اور کچھ سوچ کر اٹھی کہ آج میں بھائی سے بات کر کے رہوں گی۔

احسن آفس سے گھر آیا تو صبا نے امی سے نظر بچا کر احسن کا دروازہ نوک کیا۔

سامنے صبا کو پا کر احسن نے حیرت سے کہا۔

فریدہ فرید

افسانہ

اے دلنشیں مسافر

مسافت طویل تھی تو مسافر دلنشین، مابین تعلق مضبوط ترین تھا، تو جذبات تلاطم انگیز تھے مگر فضا مبہم کیوں تھی؟ لبوں کا سکون جان لیوا کیوں تھا؟

کار میں موجود دونوں نفوس گر انداز نشست میں اتنے قریب تھے، تو پھر دلوں میں فصیل کیوں تعمیر ہو رہی تھی؟ کوئی جواب نہ تھا ان سوالوں کا خود ان



کے پاس بھی جو قفل زدہ لبوں اور ہیجان اٹھاتی خواہشات کے ساتھ بظاہر ایک دوسرے سے بے نیاز نظر آتے تھے۔

لاہور سے اسلام آباد بذریعہ موٹروے سفر میں آخر وہ کس اقتاد کے تحت مانند اجنبی ہمسفر ہوئے تھے۔

بابر امین اور اس کی اہلیہ یسریٰ امین کتنا مکمل جوڑ تھا۔ پہلی نگاہ پڑتے ہی چاند سورج کی تشبیہ دماغ میں آتی تھی اور انہیں قریب سے جاننے والے بھی اس رائے سے انکار نہیں کرتے تھے، کیونکہ بابر امین روشن، کبھی گرم کبھی حاکم تو کبھی مدھم



پڑتے سورج کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں تو دوسری طرف یسریٰ امین چاند کی مانند سرخ وسفید، ٹھنڈک پہنچاتی روشنی کی مانند تھی اس لیے یہ تشبیہ ظاہراً باطناً ہر طرح سے فٹ آتی تھی۔

''اہلیہ'' کا لفظ کتنے مفاہیم اپنے اندر رکھتا ہے۔ ایسی ہستی جو آپ کے جان و مال کی مالک اور شراکت دار ٹھہر جائے مگر کیا اسے اہلیہ کہنا مناسب تھا، جو اس لفظ کے مفہوم سے ہی نہیں مابین رشتے کی جزئیات تک۔ سے نا آشنا تھی۔

سوچتے سوچتے کب بابر امین نے گردن موڑتے ہوئے اسے تیکھی نگاہ سے دیکھا تھا کہ

جواباً وہ بھی شعلہ برساتی نگاہوں سے اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ آدھے گھنٹے کے سفر میں یہ پہلی بار تھا جب ان کی نگاہیں آپس میں ٹکرائی تھیں ورنہ اب تک تو 'تو کون اور میں کون کے مصداق اپنی نشستوں پر براجمان تھے۔

''دیور جی شادی کے بعد پہلی بارش اور پہلا سفر یادگار ہوتے نہیں بنائے جاتے ہیں۔'' بانو بھابھی کی کہی بات کا دماغ میں آنا تھا جذبات میں مد و جزر اٹھنے لگے۔ جذبات سے گندھی دل میں کتنی خواہشات تھیں جواب حسرت بننے لگی تھیں۔ اس کا ہمسفر اس کے حال دل سے انجان کیوں تھا' اس کی نگاہوں کی مچلتی خواہشات اس کو دکھائی کیوں نہیں دیتی تھیں۔

بابر امین سوچ سوچ کے کُڑھ رہا تھا۔ اس کی اندرونی خلفشار کا اندازہ اسٹیئرنگ پر اس کے بہکتے ہاتھوں اور کار کی کبھی غیر ضروری تیز رفتاری تو کبھی حد سے زیادہ سست رفتاری سے بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

''من موجی بندہ ہے کبھی بارش بن کر برستا ہے تو کبھی آسمانی بجلی بن کر گرتا بھی ہے۔''

یسرئ امین جو اپنے ہمسفر کی حرکات کن انکھیوں سے دیکھتی پہلے ہی خائف تھی بانو اپیا کے بابر کی بابت کہے گئے انکشاف کو یاد کرتے ہی دہل سی گئی۔ پیار کی بارش میں بھیگنے سے قبل ہی بجلی گرنے کے خوف نے اسے ایک خول میں بند کر دیا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اس خول سے ٹکراتی اس کی ہیجانی چاہت کو اپنے دل و وجود میں سمانے نہیں دینا چاہتی تھی۔

اتفاق تھا کہ دونوں کی ایک ساتھ سیل فون پر بپ ہوئی تھی۔ فون اٹینڈ کیے دونوں ایک دوسرے سے تغافل کا حسین مظاہرہ کر رہے تھے مگر انا کے مارے دونوں سے کوئی بھی اپنی آواز مدھم کرنے کو تیار نہ تھا۔ بلند آواز ایک دوسرے کی گفتگو میں مخل ہو رہی تھی اور بات سمجھنا اور سمجھانا دشوار سے دشوار تر ہوتا چلا جا رہا تھا مگر پہل کون کرے، یہ دونوں میں سے کسی کو گوارہ نہ تھا۔

''نہیں یار ابھی تک تو حیدر آباد کراس کیا ہے۔''

''لاہور اور اسلام آباد کے بیچ میں یہ کب سے آنے لگا؟''

احمد کے استفسار پر کہ کہاں تک سفر گزرا ہے وہ بھیرہ کہنے کہ بجائے حیدر آباد کہہ اٹھا' کیونکہ یسرئ اپنی کزن سے حیدر آبادی گھسے سے متعلق کچھ ڈسکس کر رہی تھی۔ آواز سے آواز ٹکرائی تو بات بھی کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ احمد کے ریکارڈ لگانے پر اس نے فون بند کر دیا اور سرعت سے یسرئ کی طرف متوجہ ہوا۔

''اگر آپ کار میں سفر کر رہے ہوں تو بات کرنے کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔''

وہ اپنی جھینپ کو طنز میں لپیٹ کر پہلی مرتبہ اس سے مخاطب ہوا' جو شریک سفر ہی نہیں شریک زندگی بھی تھی اور یہ بھی نہیں کہ زبردستی اس کی زندگی میں شامل کی گئی ہو یہ رشتہ سراسر اس کی ایما اور ضد پر ہوا تھا۔

''اچھا اگر یہ اصول آپ نے سیکھے ہوں تو مجھے بھی سکھا دیجیے۔''

کیا پھول جھڑے تھے۔ تین ماہ کی دلہن کے منہ سے جو آج تک اس کے سامنے غیر ضروری تو کیا ضروری ترین بات بھی نہیں کر پائی تھی' پھر آج کیا توپ ماردی وہ حیرت کے سوا نیزے پر تھا۔

''محترمہ بات بند جگہ پر ہو یا کھلی فضا میں اس کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔''

اس کی زہریلی بات پر جواب حسب نتیجہ تھا۔ اس جیسی سبک خرام ہستی اگر چڑھ سکتی تھی تو مقابل تو تھا ہی ہوا کا جھونکا۔

''جی میں نے وہی عرض کیا کہ پہلے سیکھ لیجیے پھر سکھا دیجیے۔''

وہ اب بھی اپنے لہجے اور انداز سے ہٹنے کو تیار نہیں تھی دوبدو بولتی گئی وہ کھول تو رہا تھا مگر ایک بات اس پر ضرور عیاں ہو گئی تھی کہ یسرئ امین کے بارے میں بتائی گئی ایک بات تو غلط ثابت ہوئی تھی کہ وہ کنجوسی کی حد تک کم گو تھی۔

''آپ ہمارے سیکھنے پر اتنی ہی بضد ہیں تو اپنی شاگردی میں لے لیجیے۔''

بابر امین نے اب خلاف توقع بمباری کے بجائے میٹھی چھری کا سا انداز اپنایا' جواباً وہ بھنویں اچکاتی خود کو بے نیاز ترین ظاہر کرنے کے لیے سر سے اسکارف اتارے بال سمیٹنے لگی۔

''ہماری صحبت میں رہیں گے تو سب سیکھ لیں گے۔''

بنا ہڈی کی زبان کب پھسل جائے کوئی نہیں جانتا۔ اپنی دانست میں ایک معقول جواب دیتی وہ کیا پیشکش کر گئی تھی اس نے اسے سرتاپا غرق آب کر دیا تھا۔ خود بابر امین کے لیے گھٹن زدہ سفر کون سا روزن کھلا تھا کہ مسام جاں کھل اٹھے تھے بند کار کے تناؤ میں نہ تو اے سی کی کولنگ نے وہ کام دکھایا تھا نہ تازہ ہوا کے لیے کھولی گئی کھڑکیوں نے مگر جو تازگی اس کے غیر ارادی لفظوں نے اور روشن چہرے پر بکھری سنہری لٹوں سے اسے میسر آئی تھی وہ کہاں ان کے لائق تھی ایک اور خاموشی کا آغاز ہوا تھا مگر اب کہ کہیں شرارت تو کہیں حیا لبوں پر آ کر ٹھہر گئی تھی۔

☆......☆

نور بانو نے والد کے انتقال کے بعد ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر لی تھی تا کہ ماں اور یسرئ پر مشتمل اپنی چھوٹی سی فیملی کو فنانشلی سپورٹ کر سکے۔ کمپنی آنر اکبر علی سے کب علیک سلیک بڑھ کر اٹوٹ بندھن میں تبدیل ہو گئی وہ ایک روایتی کہانی ہے، ہاں اکبر کے بھائی بابر امین سے ان کی ذہنی مطابقت کمال کی تھی۔ وہ رشتوں کا احترام کرنے والا انسان اسے بھابھی سے ماں بنا کر مقدس چاہتیں اس پر لٹانے لگا وہ بھی شوہر، اس کے والدین' ایک بھائی بابر اور ایک ہی بہن تانیہ کے لیے چھتنار ثابت ہوئیں۔ ان کی چاہتوں کے گرویدہ ان کے سسرال نے بابر امین کی یسرئ کے لیے پیش کی گئی چاہت کا دل سے خیر مقدم کیا۔

اور وہ یسرئ امین بن کر اس کی زندگی میں شامل ہوئی مگر ان کے ملن کی راہ میں جانے کون سے پتھر حائل ہوئے؟ کیا سبب ہوا؟ کیا غضب ہوا کہ وہ ایک دوسرے سے بے نیاز اور متنفر ہونے لگے کیا بیان کریں کہ بیان کرنے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں۔

''ہم تو بے تاب ہیں آپ ہی دیوار اٹھائے بیٹھی ہیں۔''

اس کی بے دھیانی میں کہی بات نے بابر امین کو کس رنگ میں نہلا دیا تھا کہ اب بات کرنے کا ڈھنگ ہی جدا تھا۔ وہ سرخ چہرے اور جھکی نگاہوں کے ساتھ جواب دینے سے قاصر تھی۔ کم گوئی کی صفت اب سامنے آئی تھی۔

''اس دیوار کے پار رنگوں کا جہاں آباد ہے ہمیں اس طرف صحرا میں کیوں چھوڑ دیا؟!'' بابر کون سی حکایت بیان کر رہا تھا وہ متعجب تھی۔ شادی سے قبل اس سے جب بھی سامنا ہوا وہ ایک پُرلطف تعارف سے آگے نہ بڑھا اور شادی کے بعد پہلی ملاقات اس کی پہل کے انتظار میں گزر گئی' جو بات اس بند کار میں اس نے کہی تھی وہ آج تک بند کمرے میں ادا کیوں نہ ہوئی۔

''کسی سڑک چھاپ شاعر کا کلام لگتا ہے آپ

کا کلام۔"

یسریٰ امین کے خوبصورت لبوں نے کیا گل افشانی کی اگر وہ ڈرائیو نہ کر رہا ہوتا تو چند منٹ ضرور اچھلتا۔

"ایکسکیوز می میم! مجھے سڑک چھاپ تو کیا شعراء آفاق شعراء سے بھی قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے اور پلیز میرے احساسات پر کمنٹس پاس مت کرو۔"

بابر امین کی پیشرفت رائیگاں گئی تھی۔ یہ بات اس کے لیے تازیانے سے کم نہ تھی۔ یہی ردِّعمل وہ خوف تھا جس نے پہلی ملاقات سے آج تک پہل کرنے سے منع کر رکھا تھا' کیونکہ اسے حد درجہ یقین تھا کہ یہ کھڑی ناک والی نازک لڑکی سیدھے سبھاؤ بات کرنے کی عادی نہیں ہے۔

یسریٰ امین اپنے تکلم پر خود بھی حیران تھی۔ وہ کبھی بھی طنزیہ گفتگو کی مرتکب نہیں ہوئی تھی' اور پھر اپنے شریک حیات کے ساتھ ایسے برتاؤ کے متعلق تو اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ تچی ورتا ٹائپ لڑکی کی زندگی میں وہ کونسا جبر آداخل ہوا تھا یسریٰ کی رضامندی سے ہی یہ رشتہ استوار کیا گیا تھا۔

"معذرت کے ساتھ میں تو بس مبالغہ آرائی کے حوالے سے کہہ رہی تھی۔ شاعری کا لازمی جزو ہے یہ۔" وہ اپنی بات کا اثر زائل کرنے کے لیے ذرا تفصیل سے گویا ہوئی شاعری سے خصوصی شغف بھی اس کا ایک سبب تھا اور بابر کی شاعری سے الرجی سے بھی وہ اچھی طرح واقف تھی۔

"زندگی میں رنگ بھرنے کے لیے ذرا سی مبالغہ آرائی کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔" وہ بھی بات کو طول دینے کے بجائے سیز فائر کرتے ہوئے بولا۔ یہ اس کے مزاج کی متوازن ادا تھی جو یسریٰ کے دل میں اُتر کر مسکراہٹ بن کر لبوں پر آ گئی۔

بابر امین نے کتنی بے اختیار نگاہ اٹھائی تھی اس کی جانب توجہ کا ہٹنا تھا کہ کار غیر متوازن ہوئی تھی اور وہ بھی غیر محسوس طریقے سے اس کا بازو تھام گئی تھی۔

پہلے سفر کی پہلی حسین واردات بابر امین نے رائیگاں نہ جانے دی اور اپنے بازو کو پکڑے اس کے نازک ہاتھ کو دبا کر خاموش سبق پڑھا دیا۔

"یسریٰ تجھے ڈیبیٹ کی عادت ہے جبکہ بابر بحث و مباحثہ سے الرجک ہے اس عادت سے پرہیز تیری زندگی سنوار سکتا ہے۔"

بانو اپیا نے سرخ شرارے میں روایتی ہتھیاروں سے لیس چاند چہرہ دلہن کو متوازن زندگی میں پاس ہونے کے لیے پہلا سبق رٹایا تھا' جس کا خاطر خواہ اثر لیتے ہوئے وہ بحث و مباحثے کی عادت ترک کرنے کی بجائے بولنا ہی فراموش کر گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بابر امین کے پہلے پُرجوش سلام پر کوئی ردِّعمل تو کیا ہی دکھاتی بے نیازی کا عظیم مظاہرہ کرنے لگی۔ مقابل کے دماغ میں بھی بانو اپیا کے الفاظ من وعن جھکڑ چلائے ہوئے تھے۔

"بابر یسریٰ کی خاموشی بے معنی نہیں ہوتی' دل صاف ہو تو خوب بولتی ہے دل میں الجھن ہو تو خاموشی کی چادر اوڑھ لیتی ہے۔"

تو کیا یہ خاموشی بھی کسی الجھن کا پیش خیمہ ہے' وسوسوں کے بے موقع انٹری مارتے ناگ نے اسے آگے کی بات کہنے ہی نہ دی وہ چاہتے ہوئے بھی اسے بتا نہ سکا کہ وہ سرخ گلاب بنی اس کی زندگی کو مہکا رہی تھی' وہ اس کی مہکتی ہستی کو اپنے سینے میں اُتارنا چاہتا تھا' مگر جانے کیوں قدم پیچھے ہٹ گئے' وہ خاموشی سے چینج کرتا کروٹ بدل کر لیٹ گیا تھا۔ دلہن بنی یسریٰ امین اس خوف کی وجہ تغافل دریافت بھی نہ کر سکی کہ کہیں بحث و مباحثہ کرنے کی عادتِ بد بقیہ زندگی کے لیے عیب نہ بن

جائے یوں بے معنی سوچ کا قلعہ تعمیر کیے دونوں اس میں محصور ہو گئے۔

☆......☆

"اسلام آباد آنے میں کتنا وقت باقی ہے؟"

یہ پہلی مرتبہ تھا جب اس نے گفتگو کا آغاز کرنے کے لیے سوال داغا تھا۔ بابر امین کہنا چاہتا تھا کہ آدھ گھنٹہ اور ہے مگر کہنے کی بجائے اس نے یسریٰ کا بڑی آنکھوں سے مزین چہرہ ہاتھ کے کٹورے میں لیا تھا۔ یسریٰ کے لیے شریک سفر کا لمس نیا نہیں تھا مگر حدت کچھ الگ سی تھی' کار چلاتے بابر کے دل میں کیا خواہشیں چل رہی تھیں اور آیا ان جذبات کا پڑاؤ کب تک آنے والا تھا یسریٰ کا پسینے سے شرابور مجسم سمجھنے سے قاصر تھا۔

"تمہیں نہیں لگتا یہ سفر ختم نہیں ہونا چاہیے' فاصلے طویل ہو جائیں، راستے پُرپیچ ہو جائیں' بس منزل نہ آئے۔" بابر امین کے اندر یکایک طوفان سر اٹھانے لگے تھے۔ یسریٰ کی حیران آنکھوں کے ساتھ وہ خود بھی متعجب تھا' کتنا عجیب تھا شادی کے تین ماہ تک جو باتیں دل میں دفن رہیں آج کیا غضب ہوا کہ خواہشیں انگڑائیاں لے کر بیدار ہو گئیں۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ پہلی بار ایک دوسرے کے ساتھ تنہا تھے بناء کسی کی نصیحتوں کو سر پر سوار کیے' محض اپنی اپنی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے مشاہدہ مختلف ہوا تو نتیجہ بھی حسب منشاء ہی ہونا تھا۔

"اس سفر کی ابتداء میں آپ کے خیالات کافی مختلف تھے۔"

یسریٰ امین ایک بار پھر پٹری سے اُتر چکی تھیں۔ آخر وہ کیسے فراموش کر دیتی کہ یہ سفر سراسر بانو اپیا کے اصرار پر طے ہوا تھا۔ اسلام آباد میں کسی عزیز کی شادی کی تقریبات کے سلسلے میں تمام فیملی پہلے ہی روانہ ہو چکی تھی۔ ایک بزنس میٹنگ کے سلسلے میں بابر امین کو عین وقت پر پہنچنا تھا۔ بانو بھابھی کی ایما پر وہ بھی بابر کے ساتھ رُک گئی تھی اس بلاوجہ کی ذمہ داری پر بابر نے کافی ناک بھوں چڑھائے تھے اور باتوں کے دوران دو مرتبہ مصیبت کا لفظ بھی استعمال ہوا تھا۔

"سفر سے خوش تو آپ جناب بھی نہیں تھیں' اسی لیے آدھا گھنٹہ ہارن دیا تھا تب آپ کی سواری بادِ بہاری کار تک تشریف لائی تھی۔" اب کے وہ بھی خوش گفتاری کا چولا اُتار چکا تھا۔ بات آگے بڑھتی کیسے جب بدگمانی کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔

"ہاں تو کیسے فوراً آ جاتی آپ نے میرے اس قدر تیار ہونے پر ایک نگاہ ڈالنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ اُلٹا سفر پر ایزی ڈریسز کے پہننے کے فوائد گنوانے لگے تھے۔ چینج کرنے میں دیر تو ہونا ہی تھی۔" کتنا بے سروپا الزام تھا' جو وہ دھر رہی تھی وہ کمال حیرت سے کار کو بریک لگا گیا تھا۔ نتیجتاً وہ جو اپنے دھیان میں تھی ڈیش بورڈ سے جا ٹکرائی۔ بابر نے سرعت سے اسے اپنی طرف کھینچ کر اس کے سر کو سہلایا تھا۔ یسریٰ کے لیے اس کی قربت خود فراموش کر دینے والی تھی۔ تین ماہ کی رفاقت میں ایک ہی روم اور بستر نشین ہونے کے باوجود اجنبیت کے کون سے وظیفے تھے جن کا وہ چلہ کاٹ رہے تھے۔ یسریٰ نے اپنے ماتھے پر رکھے بھاری ہاتھ مہربان کو اپنے نازک ہاتھ میں تھام لیا۔ انتہائی قریب سے دیکھنے پر اسے یوں لگ رہا تھا کہ اب تک وہ جس ہمسفر کے بارے میں قیاس آرائیاں کرتے رہے تھے وہ کوئی اور ہی تھا۔

"تمہیں کیوں لگا کہ میں نے تمہیں نگاہ بھر کر نہیں دیکھا' میں نے تو تمہارے ذرے ذرے کو نگاہ کے راستے دل میں اُتار لیا تھا' بلکہ مجھے تو تم سے شکوہ تھا کہ تم نے میری پسندیدگی کو جانتے ہی

روشانے عبدالقیوم بونیری

مشرق کی شہزادی

وہ مسکرادی اور چپکے سے ایک کنکر بیچ تالاب میں پھینک دیا۔

غڑاپ کی آواز کے ساتھ ہی تالاب میں بھنور بن گیا تھا۔ وہ بچوں کی طرح لطف لیتی دیر تک مسکراتی



رہی۔

وہ کنکر وقفے وقفے سے پھینکتی رہی۔ وہاں کی تنہائی میں کنکر کی آواز دور تک پھیلتی تو اسے بہت اچھا لگتا۔

افراہیم درخت کی اوٹ سے اسے دیکھتا رہا۔ بچوں کی سی والہانہ و معصوم مسکراہٹ وہ بہت انمول لڑکی تھی۔

''پریوں کی ملکہ۔'' دھیما لہجہ و بھاری مردانہ آواز۔ اس تنہائی میں اس کی سماعتوں تک پہنچا تو وہ چونک گئی۔ اس نے اپنے بائیں طرف ایک دراز قد وائٹ شرٹ و بلیک پینٹ میں ملبوس وجیہہ سے شخص کو کھڑے دیکھا۔ جس کے گلے میں کیمرہ لٹک رہا تھا۔

''بالکل مناسب کتنا اچھا نام دیا ہے میرے ذہن نے آپ کو دیکھ کر۔'' وہ سامنے جھیل پر نظریں جمائے بے خودی میں بولا تھا۔

زمرد حیران تھی۔ ایک اجنبی شخص اس سے یوں مخاطب تھا گویا ان کے درمیان برسوں کی آشنائی ہو۔



''بعض اوقات ہمیں من چاہا مل جاتا ہے۔ مکمل بغیر کسی کمی بیشی کے مگر صد افسوس کے دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ اس دن باغیچے میں آپ کو دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ میں تو بہر حال محبتوں کا اسیر شخص ہوں، کوئی بھی محبت سے منکر شخص آپ کو دیکھ لے تو پہلی نظر میں محبت کر بیٹھے گا۔ میری کوئین آف ہارٹ مجھے ملی بھی تو بدر نامی خوش قسمت شخص کی ہو چکی۔ بہت سی لڑکیوں سے میری دوستی ہے۔ کچھ بہ یک وقت کئی سو کے گرل فرینڈ ہیں میں بھی ان سے فلرٹ کر لیتا ہوں مگر مجھے ایک ایسی لڑکی کی تلاش تھی جسے دیکھ کر میرا دل کہے ہاں یہ مکمل ہے۔ حسن...... پاکیز گی...... معصومیت......نزاکت جس میں یہ تمام گر پائے جاتے ہوں، وہی میرے دل کی ملکہ (کوئین آف ہارٹ) ہو گی۔ قسمت کو شاید آپ سے ملوانا تھا۔ اسی لیے میرا یہاں کام بڑھتا چلا گیا۔ جس دن سے آپ کو دیکھا ہے کئی بار حویلی کے آس پاس چکر لگا چکا ہوں کہ شاید آپ کی ایک جھلک نظر آ جائے اور آج آپ سے ملاقات ہو گئی۔ لگن سچی ہو تو راستے خود ہی ہموار ہو جاتے ہیں۔'' کافی باتونی شخص تھا اس کے پاس ہی زمین پر بیٹھ گیا۔

آپ بھی کیا سوچ رہی ہوں گی کیسا سر پھرا شخص ہے۔ پہلی ملاقات میں ہی دل کی باتیں کہہ گیا۔ مجھے افراہیم کہتے ہیں اور آپ؟'' اس نے مسکرا کر اپنا تعارف کرایا اور چہرہ اٹھا کر خود سے ذرا فاصلے پر اونچے پتھر پر بیٹھی حسین سی نازک لڑکی کو دیکھا۔

زمرد عجب کشمکش میں مبتلا تھی اس کی طبیعت اس قسم کی تھی کہ وہ اجنبیوں سے عموماً جلد بے تکلف نہیں ہوتی تھی۔

''گھبرایئے نہیں، آپ کو بدر صاحب سے چھیننے نہیں آیا، بے ضرر سا شخص ہوں، سوائے باتوں کے کچھ نہیں کر سکتا۔ میری طبیعت بہت سادہ ہے آپ سے دوستی کر کے مجھے اچھا لگے گا۔'' اس کا سادہ لہجہ اس کی سچائی کا غماز تھا۔

''زمرد...... زمرد خلیل احمد۔'' اس نے اپنا تعارف کروایا اور اپنی جگہ سے اٹھی۔

''ارے، آپ تو جانے لگیں، ابھی تو میں نے جی بھر کے باتیں کرنی تھیں آپ سے۔'' افراہیم حیرت سے کہتا کھڑا ہو گیا۔

''سوری مجھے جانا ہو گا۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔'' وہ جانے کے لیے مڑی۔

''اتنا تو بتاتی جائیں! اگلی ملاقات کب ہو گی۔ میں منتظر رہوں گا؟'' افراہیم نے خود سے دور ہوتی زمرد کی پشت کو تکتے اونچی آواز سے ہانک لگائی۔ زمرد کے قدموں کی رفتار میں کمی نہیں آئی تھی۔

اس کی طرف سے جواب نہ پا کر افراہیم نے سر پہ ہاتھ مارا تھا۔

☆......☆

لکڑیاں ساری کٹ چکی تھیں۔

''اب ان کا کیا کریں گی یہ عورتیں؟'' زمرد نے زہرہ سے پوچھا جو ان سب کو پانی پلا رہی تھی۔

''ان کو باندھ کر گٹھڑیوں کی صورت کمر پر لاد کر سرخ محل لے کر جائیں گی۔'' زہرہ اس کو جواب دے کر اپنے کام پر لگ گئی۔

کچھ ہی دیر میں ساری عورتیں اپنا کام مکمل کر کے چلی گئیں۔ زہرہ اور زمرد نے بھی قدم آگے بڑھائے۔

''بی بی جی!'' زہرہ چلتے چلتے رک گئی۔

''لگتا ہے صاحب آ گئے۔'' زہرہ کی بات پر اس نے سامنے دیکھا۔ درختوں کی اوٹ سے نظر آتی کچی سڑک پر سیاہ پراڈو رکی تھی۔

سوٹڈ بوٹڈ شاندار سا بدر آنکھوں پر سیاہ گاگلز چڑھائے گاڑی سے اتر کر تیز قدموں سے ان کی طرف آ رہا تھا۔

''بدر......!'' زمرد زیر لب بڑبڑائی۔ دل کی دھڑکنیں رکتی محسوس ہوئی تھیں۔

''سلام صاحب جی۔'' زہرہ ہاتھ باندھے باادب کھڑی تھی۔ وہ کچھ فاصلے پر تھا کہ اس نے سلام جھاڑا۔

''میرے دل کے چین میرے دل کے مالک میرے دل کے دھڑکنے کے سبب خوش آمدید۔ تمہاری راہ تکتے تکتے میری آنکھوں کی روشنی ختم ہونے لگی تھی۔ تمہیں دیکھ کر پھر سے جی اٹھی ہوں۔ اے میرے چین وسکون، میرے دل کے شہزادے خوش آمدید۔'' زمرد کی پیاسی نگاہیں اسے تکتی دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھیں۔ اس کا سنجیدہ چہرہ، پتھریلے تاثرات اور چال کی تیزی نے زہرہ کو ٹھٹکا دیا۔

''یا اللہ خیر!'' اس نے خشک حلق کو تھوک نگل کر تر کیا۔ جب کہ زمرد ہر بات ہر احساس سے عاری، بے نیازی اس شاندار سے شخص کو اپنی طرف آتا دیکھتی رہی۔

زمرد نے کچھ کہنے کو لب وا کیے ہی تھے کہ بدر کے مضبوط ہاتھ کا تھپڑ اس کا چہرہ جھلسا گیا۔ وہ لڑکھڑا کر اچانک اس افتاد پر اپنے پیچھے ایستادہ مضبوط درخت کے تنے سے ٹکرائی تھی۔

زہرہ نے خوف زدہ انداز میں بدر کی سمت دیکھا۔

''یہ کچھ سننا، دیکھنا نہیں چاہتی، اپنی آنکھ اور کان بند کر رکھے ہیں مگر تم تو کھلے رکھ سکتی ہو، چوبیس گھنٹے اس کے ساتھ چپکی رہتی ہو مگر اس کو یہاں کے طور طریقے نہیں سمجھا سکتی تم سب کے سب نمک حرام ہو، کسی کام کے نہیں۔'' اس کا لہجہ اہانت آمیز اور زبان انگارے برسا رہی تھی۔

زہرہ کی ساری شوخی وطراری غائب ہو چکی تھی وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ سر اٹھا کر بدر کی سمت دیکھنے کی طاقت تک نہ تھی اس میں۔

''تم......'' اب کے وہ درخت کے تنے سے لپٹی ہچکیوں سے روتی زمرد کی سمت مڑا، وہ بے چاری اپنا قصور تک نہیں جانتی تھی۔

''چلو میرے ساتھ، بے حیا لڑکی۔'' اس کی پیشانی کے زخم سے بے نیاز وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے گاڑی تک لایا تھا۔

زہرہ کی آنسوؤں سے بھری لبالب آنکھیں، اس اذیت سہتی نرم ونازک سی لڑکی پر جمی تھیں۔

☆......☆

ماں جی...... ماں جی......'' وہ اسے اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے حویلی کے کشادہ صحن تک لایا تھا اور دھاڑتے ہوئے ساجدہ جہاں کو پکار رہا تھا۔

''الٰہی خیر!'' ساجدہ جہاں افتاں وخیزاں سیڑھیاں اتر کر نیچے آئیں تھیں۔ حویلی کی ساری ملازمائیں، کھونوں کھدروں سے جھانکتی تھر تھر کانپتی، بدر غفار کا خونخوار انداز اور نئی نویلی نازک سی دلہن کی ابتر حالت

دیکھ رہی تھیں۔

''سنبھالیے اس بے حیا لڑکی کو، اسے آوارہ گردی کی لت ہوگی مگر یہ شہر نہیں گاؤں ہے۔ ہم ابھی اتنے بے غیرت نہیں ہوئے نا ہی چوڑیاں پہن رکھی ہیں کہ جو اس کا دل چاہے یہ کرتی پھرے اور ہم خاموش تماشائی بنے رہیں۔'' اس نے زمرد کو ساجدہ جہاں کے قدموں میں پٹخا تھا۔

وہ زمین پر گری ہچکیوں کے ساتھ زارو قطار رو رہی تھی۔ اس میں سر اٹھا کر اپنا تماشا دیکھنے کی بھی ہمت نہ تھی۔

ساجدہ جہاں کا دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا مگر بیٹے کی موجودگی سے سنجیدہ و پریشان سی صورت لیے کھڑی رہیں۔

زہرہ پھولے ہوئے سانسوں کے ساتھ حیرت زدہ سی سرخ محل پہنچی تھی۔ اس نے جو یہ منظر دیکھا تو ساکت رہ گئی۔

حویلی کی خواتین کا آج تک کسی نے ایک بال تک نہیں دیکھا۔ یہ آج اس حلیے میں بغیر چادر کے گھر سے نکلی ہے اور اسے کوئی یہ بتانے والا نہیں تھا کہ یہاں ایسی باتوں پر قتل ہو جاتے ہیں۔ خاندان کے خاندان آپس میں لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ آج کتنے لوگوں کی بے باک نظریں اس کی سمت اٹھی ہوں گی۔ ملک غفار کے خاندان کی عورتوں کے لیے باعثِ شرم بات ہے بلکہ مر جانے کا مقام، ماں جی یہ آپ کے حکم پر گھر سے نکلی تھی۔ کم از کم ایک چادر ہی اسے آپ مہیا کر دیتیں۔ آج کے بعد اگر یہ اس حلیے میں گھر سے نکلی تو جتنی بھی گولیاں میرے ریوالور میں ہیں، وہ تمام اس کے سینے میں اتار دوں گا۔'' اس کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔ آگ برسا کر دھپ دھپ کرتا مضبوط قدموں سے سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔

''ساری عمر اس کی ماں نے میری زندگی عذاب کیے رکھی، اب یہ میرے بیٹے کی زندگی جہنم بنانے آ گئی ہے۔'' ساجدہ جہاں نے حقارت سے کہہ کر ایک سلگتی نگاہ اس پر ڈالی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

''بی بی جی!'' زہرہ بھاگ کر اس کے پاس آئی اور اس کے سامنے دوزانو بیٹھی تھی۔

''زہرہ! اتنی تذلیل! میں مر کیوں نہیں گئی۔ بدر نے مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا۔'' اس کا درد کی زیادتی سے پھٹتا لہجہ زہرہ کا دل چیر گیا۔

''ہمت سے کام لیں بی بی جی!'' اس نے آگے بڑھ کر روتی ہوئی زمرد کو سینے سے بھینچ لیا تھا۔

کتنی اکیلی اور خوف زدہ لگ رہی تھی۔'' اسے بی بی جی پر بہت رحم آیا تھا۔

''جاؤ اپنا کام کرو تم لوگ۔ یہاں کوئی تماشہ نہیں لگا جس کا تم لوگ نظارہ کر رہی ہو۔'' زہرہ کی ڈانٹ پر وہ سب اپنی اپنی جگہ روانہ ہو گئی تھیں۔

''روئیں نہیں۔ میں آپ کا زخم صاف کرتی ہوں۔ کافی خون جم گیا ہے۔ دودھ میں ہلدی ملا کر پلاؤں گی تو سارا درد دور ہو جائے گا انھیں۔'' زہرہ نے اسے تسلی دے کر سہارا دیا اور اٹھنے میں مدد دی۔

''کون کون سے درد دور کرو گی میرے۔'' اس نے اذیت سے سوچا تھا۔

زہرہ کو اپنی جس بی بی جی پر رشک آتا تھا۔ اس لمحے بے پناہ ترس آ رہا تھا۔

☆......☆

چاکلیٹی کلر کا شب خوابی کا لباس زیب تن کیے وہ سینے پر ہاتھ باندھے کھڑکی میں کھڑی کسی ساکت مجسمے

کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔

پیشانی پر زخم کا نشان، لبوں پر چپ کا قفل لگائے، متورم کانچ سی نیلی روئی روئی آنکھیں، اس کی حالت قابلِ رحم تھی۔ غسل سے فارغ ہو کر سر رگڑتے بدر کی نگاہ اس پر پڑی تو ایک پل کو ٹھٹک گیا تھا۔

''چھوٹی سے چھوٹی بات پر میری ماں کو روئی کی طرح دھنک کر رکھنے والا میرا شاندار اور پڑھا لکھا باپ، نمک کم یا تیز ہو جانے جیسی ادنیٰ سی بات پر میری ماں پر گرفت کرتا مگر ماں جی نے کبھی اف تک نہ کیا۔ ان کے ماتھے پر کبھی بابا کے لیے ایک شکن تک نہ ابھری، ایک یہ محترمہ ہے ہونہہ! اتنی بڑی غلطی پر صرف تھپڑ کیا لگا دیا۔ اب ایک سال تک سوگ مناتی رہے گی۔ ان عورتوں کے یہ نام نہاد فریب (مکر)۔'' وہ بالوں کو اتنی سختی سے رگڑنے لگا گویا وہاں زمرد ہی ہو۔

''بدر! میں ان سب چیزوں کی عادی نہیں۔'' اس کی آواز اگرچہ بہت دھیمی سہی مگر بدر نے بخوبی سن لی تھی۔

''یہ تمہیں پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ میں نے نہ گن پوائنٹ پر تم سے نکاح پڑھوایا تھا اور نا ہی تمہاری منت کی تھی کہ پلیز مجھے اپنا لو تمہارے بغیر مر جاؤں گا میں ہونہہ۔'' اس نے بالوں میں برش پھیر کر سنگار میز پر پٹخا اور ترش روی سے گویا ہوا۔

''پلیز بدر! میری اتنی انسلٹ مت کرو۔ بہت محبت کرتی ہوں تم سے۔'' حسین غمگین سی اس نے اپنی کانچ سی نیلی آنکھیں کھڑکی سے باہر نظر آتے کھیتوں، پگڈنڈیوں کے وسیع سلسلے پر سے ہٹا کر اپنے دل میں بسے شہزادے کی حقیقی شبیہہ پر جمائی، لہجہ بھرایا ہوا اور شکست خوردہ سا تھا۔

''مگر مجھے تم سے رتی برابر محبت نہیں، جانتی ہو کیوں؟ کیوں کہ میں تمہارے حسن اور معصومیت کے پیچھے چھپے مکروہ چہرے کو پہچانتا ہوں، مجھے خالی خولی حسن اٹریکٹ نہیں کرتا۔'' اس کے تصور کے پردے پر زمرد اور آکاش کی اکٹھی شبیہہ لہرائی اور وہ خاک ہو گیا۔

''تم اس گھر میں صرف میری ماں کی خواہش پر ہو۔ ان کا ظرف بہت وسیع ہے۔ جس عورت نے انہیں ہمیشہ آنسو دیے، وہ انہی کی بیٹی کو اپنی بہو بنا لائیں۔'' وہ تیزی سے اس کی طرف آیا اور اس کی کلائی دبوچ کر کئی جھٹکے دیتے ہوئے بولا۔

''مجھ سے تمہیں کبھی کوئی سکھ نہیں مل سکے گا۔ اب یہ آنسو اور پچھتاوے ہی تمہارا مقدر ہیں۔ میری ایک نگاہِ التفات کو ترس جاؤ گی مگر میں تم پر نفرت بھری نگاہ ڈالنا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں۔'' ایک جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑ کر بدر نے انگارے چبائے تھے۔

اور بستر پر جا کر لیٹ گیا۔

زمرد اسی طرح ساکت و جامد کھڑی تھی۔ کانچ کے کٹورے لبالب آنسوؤں سے بھرے تھے۔ ٹپ ٹپ بہنے لگے۔

وہ کمبل اوڑھے، لائٹ آف کیے جانے سو رہا تھا یا سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ زمرد کی ٹانگوں میں مزید کھڑے رہنے کی طاقت نہ رہی تو وہ دیوار سے لگ کر زمین پر بیٹھ گئی اور سر گھٹنوں میں دے کر ہچکیوں سے رونے لگی۔

''خاموش۔'' وہ دھاڑا زمرد اپنی جگہ سے اچھلی تھی۔

"کس کا سوگ منا رہی ہو۔ خاموش نہیں ہو سکتی تو یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ اب اگر میری نیند خراب کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" زمرد نے اپنی خود ساختہ چیخوں کا گلا گھونٹا تھا۔ منہ پر سختی سے ہاتھ جمائے وہ سسک رہی تھی۔

☆......☆

"ہماری خوش بختی کہ میڈم آسرہ نے صبح صبح ہمیں یاد کیا، زہے نصیب، کیسی ہیں؟" وہ جو وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکال رہی تھی۔ بدر کی خوش باش سی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔
سرمئی شلوار سوٹ میں نکھرا ستھرا خوشبوئیں بکھیرتا وہ شاندار سا شخص اس کی ایک مسکراہٹ مقابل کو چاروں شانے چت کر دیتی، وہ ساحر تھا، جس کی ایک جادو بھری نگاہ کسی کو بھی اپنے دام میں گرفتار کر لیتی تھی۔

"یہ میرا ہو کر بھی مجھ سے کتنا بدگمان ہے۔" زمرد نے باتوں میں مگن اس کی ذات کو یکسر فراموش کیے فون پر محو گفتگو بدر کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔
"آج دوپہر تک مجھے اسلام آباد کے لیے نکلنا ہے، ماں جی سے ملنے آیا تھا۔" وہ مقابل کی بات سننے کو رکا۔

"ہوں شارق زیدی سے ہمارا کنٹریکٹ ڈیل ہوا ہے۔ اسی سلسلے میں اہم میٹنگز ہوں گی۔ کوشش کروں گا آپ کی برتھ ڈے پارٹی میں آنے کی وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔"
مقابل نے جانے کیا کہا تھا کہ وہ مسکرایا، وہی مخصوص پرکشش مسکراہٹ۔
"یہ تو خالصتاً خواتین کا شعبہ ہے۔ خیر آپ اتنا ہی اصرار کر رہی ہیں تو کچھ دیر کو ٹائم نکال کر آجاؤں گا۔"
زمرد سے مزید سننے کی طاقت نہ رہی تو وہ باتھ روم میں گھس گئی تھی۔

☆......☆

"آٹا گوندھ کر دوپہر کے لیے سالن بنا لینا، پروین تمہاری مدد کر دے گی، تم اس گھر کی بڑی اور اکلوتی بہو ہو، بچپنا چھوڑو اور گرہستی سنبھالو۔" وہ ہدایات دے کر چلی گئیں۔
زہرہ کے منع کرنے کے باوجود اس نے آٹا خود ہی گوندھا۔ ساتھ ساتھ ملازم عورتوں سے بھی ہدایات لے رہی تھی۔

زہرہ نے سالن کے لیے جلدی جلدی سبزی کاٹی اور آگ جلا کر دیگچہ چولہے پر رکھا۔ زہرہ اسے بتاتی جاتی اور وہ کھانا پکاتی رہی۔ سالن بہت مزے کا بنا تھا۔ زمرد بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی کہ ساجدہ جہاں خوش ہوں گی، اس کو شاباشی دیں گی مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ انہوں نے کھانا کھایا، بغیر اچھے یا برے تاثر کے انہوں نے نماز پڑھی اور کچھ دیر کو سو گئیں۔
وہ برتن اکٹھے کر کے دھونے کا ارادہ کر رہی تھی مگر کسی نے اسے مزید کام نہیں کرنے دیا۔ وہاں سب کو ہی اس سے محبت اور ہمدردی ہو گئی تھی۔ وہ کمرے میں آئی تو بدر تیار کھڑا تھا۔ گاگلز پہن کر ریسٹ واچ پہنی، بال بنائے، موبائل، والٹ اور گاڑی کی چابی اٹھا کر بریف کیس اٹھایا۔
"آپ کتنے دنوں کے لیے جا رہے ہیں؟" زمرد کی آواز پر اس کے دروازے کی طرف بڑھتے قدم رک گئے تھے۔

"میں نے تمہیں یہ حق نہیں دیا کہ میرے معمولات میں دخل دو، ماں جی کی وجہ سے تم سرخ محل کا حصہ ہو، جب تک ان کا حکم مانو گی۔ یہاں تمہارے لیے جگہ ہو گی۔ جس دن ان کی حکم عدولی کی وہ تمہارا آخری دن ہوگا۔ دھکے دے کر یہاں سے نکالی جاؤ گی یاد رکھنا اور اپنی اوقات پہچاننا۔" وہ پلٹا اور شعلے برسائے۔
"میں تو اس لیے پوچھ رہی تھی۔ آکاش نے کہا تھا ملنے کے لیے آنے کو، سب مجھے بہت یاد کرتے ہیں، دادی، ممی، پاپا اور میں بھی انہیں بہت یاد کرتی ہوں۔" اس کی آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھر گئی تھی۔
"اوہ...... تو یہ مسٹر آکاش کے دل کی خواہش تھی جو تمہارے لبوں پر آگئی اور تم نے سب کو اس میں گھسیٹ لیا۔ ویری اسٹرینج۔" وہ استہزائیہ ہنسا۔
"تمہاری تان آکاش سے شروع ہو کر آکاش پر ہی ختم ہوتی ہے۔ ایک بات تو بتاؤ تم دونوں کو ایک دوسرے سے اتنی ہی محبت تھی، تو شادی کیوں نہیں کی۔ مجھے کیوں ڈھال بنایا۔ بظاہر اس میں کوئی رکاوٹ بھی نظر نہیں آتی۔" بدر کی چبھتی ہوئی نظریں، زمرد کے جھکے چہرے پر جمی تھیں۔
"پلیز بدر!" اس نے درد کی شدت سے بلبلا کر جھٹکے سے سر اٹھایا تھا۔ آنسو بھری کانچ سی آنکھوں میں التجا تھی۔

"کیوں تکلیف محسوس ہوئی ناں؟ ایسی ہی تکلیف مجھے بھی ہوتی ہے۔ جب تمہیں اور آکاش کو ایک ساتھ سوچتا ہوں میرے دماغ کی شریان پھٹنے لگتی ہے۔ تم لوگوں نے میری انا کو کچلا ہے۔ میری مردانگی کی تذلیل کی ہے۔ میرا مذاق اڑایا ہے۔ سسک سسک کر ماروں گا تمہیں۔ تمہارا عاشق، وہ جب جب تمہیں تڑپتا دیکھے گا۔ موت کی آرزو کرے گا مگر موت بھی اسے نہیں بخشے گی۔" غصے کی زیادتی سے اس کا چہرہ سرخ اور نسیں ابھر آئیں تھی۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں بدر! میں......" بدر نے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی۔
"بس۔" اس کی دھاڑ پر وہ سہم کر دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔
"بس کوئی وضاحت نہیں، نہ اندھا ہوں اور نہ ہی بہرہ، سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہے۔ مزید ایک لفظ بھی اپنی صفائی میں پیش نہیں کرنا۔ آج تم نے اتنی ہمت دکھائی اور میرا راستہ روکا، آئندہ میرا راستہ روکنے کی کوشش کی تو وہ حشر کروں گا کہ اپنے سائے سے بھی پناہ مانگوں گی گھٹیا عورت۔" وہ نفرت سے زمین پر تھوکتا دھاڑ سے دروازہ اپنے پیچھے بند کرتا کمرے سے نکلا تھا۔
وہ زمین پر گر کر دو زانو بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔
"تمہارا عاشق...... گھٹیا عورت......" ان ہی الفاظ کی نفرت بھری بازگشت بار بار اس کی سماعتوں کو چھیر رہی تھی۔

اسے یوں محسوس ہو رہا تھا گویا پگھلا ہوا سیسہ کوئی اس کی سماعتوں میں انڈیل رہا ہو۔ وہ سوائے درد کی شدت سے چیخنے چلانے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی ہر سو اذیت تھی۔
"آکاش! تم ٹھیک تھے۔ صحیح کہتے تھے۔ میں ہی غلط تھی۔ میں نے چمکتی شے کو سونا سمجھ لیا تھا۔ میری جیسی متکبر لڑکی کے ساتھ یہی ہونا چاہیے یہی میری سزا ہے۔" زہرہ جو دروازہ بجانے کو ہاتھ اٹھا رہی تھی زمرد کی آہ و زاری سن کر تیزی سے دروازہ کھولتی اندر آئی تھی۔
وہ بے چاری حیران و پریشان سی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتی پکارنے لگی۔ دوسرے ہاتھ میں

کارڈلیس پکڑا تھا۔

''آپ ٹھیک ہیں بی بی جی!'' وہ صحیح معنوں میں پریشان ہوگئی تھی۔

زمرد اسی طرح آکاش کو مخاطب کرتی روتی رہی۔

''صاحب ان کی طبیعت ٹھیک نہیں، آپ بعد میں فون کرلینا۔'' اس نے کارڈلیس کان سے لگا کر آکاش کو مخاطب کیا۔

وہ سارا کچھ سن رہا تھا۔ زمرد کا رونا اسے بہت تکلیف دے رہا تھا۔

''بدر کہاں ہے؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''صاحب تو ابھی ابھی اسلام آباد کے لیے نکلے ہیں۔'' زہرہ کی بات پر وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں معاملے کی تہہ تک پہنچا تھا۔

اس نے فون بند کردیا۔

''بدر غفار! چھوڑوں گا نہیں تمہیں، تم نہیں جانتے کس کو تکلیف دی ہے تم نے۔ نام نہاد غیرت کے مارے اپنے غرور میں مست انسان تف ہے تم پر۔'' وہ نفرت اور غصے کی زیادتی سے انگلیاں مروڑتا کمرے میں ادھر سے اُدھر ٹہل کر اس کے پہنچنے کا انتظار کررہا تھا۔

☆......☆

''اتنے شاندار وامیر کبیر شخص کی بیوی ہیں آپ، اوپر سے بے تحاشا حسن کی مالک اور ہیرے جواہرات پہنے ہوتی ہیں۔ حیرت ہے کبھی آپ کو کسی قسم کے پروٹوکول میں نہیں دیکھا۔ سوائے اس پاگل زہرہ کے، جو ہر وقت آپ سے چمٹی ہوتی ہے۔'' افراہیم نے مہندی کلر کے سادہ سوٹ اور سیاہ، رنگین کڑھائی کی چادر میں ملبوس سوگوار وحسین سی زمرد کو دیکھا۔ زہرہ کچھ فاصلے پر درخت سے مالٹے توڑ کر کھا رہی تھی۔

امی سے میں نے آپ کا ذکر کیا تھا۔ وہ بہت خوش ہوئیں کہ مجھے میری ''کوئین آف ہارٹ۔'' (دل کی ملکہ) مل گئی۔ وہ مجھے لڑکیاں دکھاتیں اور میں کسی خامی کسی کمی کے سبب انکار کردیتا۔ وہ میری اس عادت سے بہت بےزار تھیں۔ آپ کے بارے میں جان کر ان کو حقیقتاً بہت خوشی ہوئی۔ ملنے کے لیے بے تاب ہوئیں۔ تو میں نے آپ کی شادی کا بتایا تو بہت افسردہ ہوئیں۔ کافی رنج ہوا تھا ان کو، میں نے تسلی دی کہ کوئی بات نہیں۔ میری نہیں ہوسکتی تو کیا ہوا مجھے مل تو گئی ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیا۔ میری ساری زندگی کی تلاش ختم ہوگئی۔ دیکھا، بات کی، پھر مل لیا۔ میرے لیے یہی کافی ہے۔'' وہ واقعی صاف گو اور ہنس مکھ انسان تھا۔

زمرد اسے خاموشی سے سنتی رہی۔ زہرہ اسے باہر لائی تھی کہ شاید اس کی طبیعت کا بوجھل پن کچھ کم ہو جائے اتفاقاً افراہیم سے ملاقات ہوگئی۔

''مجھے آج گھر جانا ہے کچھ دنوں تک واپسی ہوگی۔ اگر آپ سے معلومات بھی لینی ہیں تب تک آپ یہاں سے کافی حد تک واقف ہوجائیں گی۔ میں دعا کررہا تھا کہ آپ سے ملاقات ہوجائے اور دیکھیں قبول ہوگئی۔'' وہ جانے کے خیال سے اداسی سے مسکرایا تھا۔

باقی سارا وقت وہ بولتا رہا زمرد خاموشی سے سنتی رہی۔

☆......☆

بدر آفس پہنچ کر فائلز دیکھ رہا تھا کہ اس کی سیکریٹری نے انٹرکام پر آکاش کے آنے کی اطلاع دی اس نے آنے کی اجازت دے دی۔

وہ دروازے پر دستک دے کر اس کے شاندار سے آفس میں داخل ہوا تھا۔

''آسکتا ہوں؟'' اس نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''تشریف رکھیے۔'' بدر نے بھی اسی کے انداز میں سنجیدگی سے کہا۔ سلام دعا کا تکلف دونوں میں سے کسی نے نہیں برتا۔

''میں نے سرخ محل فون کیا تھا۔ زمرد نے مجھ سے بات نہیں کی۔ آخر ایسا کیا ہوا تھا جو وہ یوں شدت سے رو رہی تھی؟'' بیٹھنے کے بعد آکاش نے سنجیدگی سے ریوالونگ چیئر پر بیٹھے شخص کو دیکھتے پوچھا تھا۔

''چوٹ اسے پہنچی اور تکلیف تمہیں ہوئی تھی، واہ...... قدیم محبت ہے۔ ویسے وہ کون سا کبوتر ہے؟ جو اتنی تیزی سے ہر خبر پہنچا دیتا ہے۔'' وہ استہزائیہ بولا تھا۔

آکاش نے کرسی کے دونوں ہتھے مضبوطی سے تھام کر خود پر ضبط کیا تھا۔

''اس کا قصور کیا ہے آخر۔ کیوں اسے ٹارچر کررہے ہو؟'' وہ بہت تحمل سے گویا ہوا۔

''اس کا سب سے بڑا قصور تمہاری یہاں موجودگی ہے۔ کس تعلق سے تم اس کی حمایت کرنے میرے سامنے موجود ہو؟'' بدر اس سے بھی زیادہ تیزی سے بولا تھا۔

''اپنی بات پر غور کرو، غصے میں تم کسی بے گناہ پر بہت سنگین الزام لگا رہے ہو۔'' زمرد کا معصوم چہرہ اس کے سامنے لہرایا تو اس کا لہجہ خود بخود شکست خوردہ ہوگیا۔

''محبت تھی تو مجھے درمیان میں لائے بغیر دونوں ایک ہوجاتے، بے خبری میں میرے جذبات کو کیوں ٹھیس پہنچائی؟ میں ایک سچا اور کھرا شخص ہوں۔ تم جیسے بزدل اور دوغلے مرد وعورت سے مجھے نفرت ہے۔ ایک مرد کے سامنے اس کی بیوی کی حمایت کرنے والے اور اس کے درد پر بلبلانے والے کو تمہاری ڈکشنری میں کیا کہتے ہیں؟ کس حیثیت سے تم میرے سامنے ہو؟ میں اسے خوش رکھوں یا ناخوش تم کون ہوتے ہو مجھ سے اس کا حساب مانگنے والے؟ اس کے طلب گار تم دونوں میرے جذبات سے کھیلتے رہے، میرے گناہ گار ہو۔ میرا جی چاہتا ہے تم جیسے گھٹیا اور بزدل لوگوں کو عبرت کا نشان بنادوں۔ تاکہ آئندہ کوئی کسی کی عزت اور غیرت سے نہ کھیلے۔'' اونچی آواز سے کہتے اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دونوں ہاتھ شیشے کی ٹیبل پر زور سے مارے تھے۔

''افسوس ہے تمہاری سوچ پر۔'' آکاش اپنی جگہ سے اٹھا۔

''اگر مرد ہو تو اقرار کرو، میں نے جو کچھ کہا وہ جھوٹ ہے، میرے ذہن کا فتور؟'' وہ پیچ وتاب کھاتے ہوئے بولا۔

''وہ سراسر بےقصور ہے۔'' آکاش اتنا ہی کہہ سکا۔

''تو گویا تم قصوروار ہو؟'' وہ تیزی سے بولا۔

''ہاں یہ سچ ہے کہ میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں مگر وہ معصوم ہے۔ کورے کاغذ کی طرح خالص، اس سارے میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ وہ صرف تم سے محبت کرتی ہے۔ حقیقت اور کچھ نہیں۔'' وہ شکست خوردگی سے بولا تھا۔

بدر اپنی جگہ سے اُٹھ کر آکاش کی سمت آیا تھا اور اسے گریبان سے پکڑ لیا۔

''اس اعتراف کو سننے کے بعد میں وعدہ کرتا ہوں۔ زمرد کی زندگی جہنم بنادوں گا۔ ایک ایک دن سسک سسک کر گزارے گی۔ میرے خدشات درست ثابت ہوئے۔ اس کی حمایت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، تم دونوں کی ایک دوسرے کے لیے دیوانگی، اندھوں سے بھی پوشیدہ نہیں، میں تو پھر بصارت رکھنے والا ایک غیرت مند انسان ہوں، رشتوں کے احترام کو سمجھنے والا باضمیر انسان۔'' اس نے آکاش کے گریبان کو کئی جھٹکے دے کر چھوڑ دیا تھا۔

''میں بھی تم پر ہاتھ اٹھا سکتا ہوں مگر تم زمرد کے شوہر ہو، یہی لحاظ مجھے متحمل رکھنے پر مجبور کر رہا ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنے شرٹ کے بٹن بند کرتا تحمل سے گویا ہوا۔

''دفع ہو جاؤ، ایک منٹ کے اندر اندر میری نظروں کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ وگرنہ دھکے دے کر نکلوانے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔'' وہ اس کی طرف سے رخ موڑ کر غرایا، نفرت سے اس کا چہرہ جھلس رہا تھا۔

''ایک دن تمہیں اپنی کہی ہوئی ان باتوں پر افسوس ہوگا۔'' آکاش نے اس خوب صورت شخص کی مضبوط پشت کو دکھ سے دیکھا۔ بدر نے مٹھیاں بھینچ کر خود پر قابو پایا۔ آکاش جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔

اس کے جاتے ہی بدر نے ٹیبل پر موجود ہر شے کو ہاتھوں سے گرا کر تہس نہس کر دیا تھا۔

☆......☆

''مگر اس کا گناہ کیا ہے اور تم اتنے غصے میں کیوں ہو؟'' ساجدہ جہاں کو بدر نے فون کیا تھا۔

''اس کا گناہ بہت بڑا ہے۔ ایک شخص کی بیوی ہو کر کسی اور کو دل میں بسائے رکھنا، راہ و رسم بڑھانا، ناقابلِ معافی جرم ہے اور وہ اس کی مرتکب ہو رہی ہے۔ میں ایسی منافق اور دوغلی عورت کو عبرت ناک انجام تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ وعدہ کریں ماں جی! جب تک وہ زندہ ہے میری موجودگی میں یا میری غیر موجودگی میں اس کا ایک ایک لمحہ ایک ایک پل عذاب بنائے رکھیں گی۔ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر موت مانگے مگر اس پر ترس نہیں کھائیں گی۔ ایسی عورتوں کا انجام آخر کار کیا ہوتا ہے۔ یہ تمام عالم جان لے۔'' وہ طیش کے عالم میں کف اڑاتا بولا اور اپنی بات مکمل کر کے فون کریڈل پر پٹخ دیا تھا۔

ساجدہ جہاں نے فون بند کر دیا۔ عجیب گم صم سا انداز تھا۔

وہ تو بہت معصوم دکھتی ہے۔ اتنے دن میں نے اس کے ساتھ کیسا بھی سلوک روا نہ رکھا مگر حیرت ہے کسی سے شکایت تو دور ذکر تک نہیں کیا اور وہ دادی، وہ تو ہر وقت اپنی چہیتی کو فون کرتی ہیں مگر زمرد نے منہ سے بھاپ تک نہیں نکالی وگرنہ اب تک تو بڑھیا زمین و آسمان ایک کر دیتی۔ شاید بدر نے دھمکایا ہو، آخر کو میرا فرمانبردار بیٹا ہے۔ ماں کی برائیاں کیونکر برداشت کرے گا۔'' وہ دیر تک بیٹھ کر طرح طرح کی باتیں سوچتی رہی تھیں۔

☆......☆

''میری وجہ سے ایک انسان تباہ ہو رہا ہے۔ مجھے زبردستی اس کی نجی زندگی میں گھسیٹا جا رہا ہے اور آپ کہتی ہیں خاموشی اور درگزر سے کام لوں۔ مجھے اپنی فکر نہیں، اس معصوم لڑکی کا خیال ہے وہ کیوں گناہ گار

قرار دی جائے۔ کیوں سزا بھگتے؟ جب کہ اس نے کچھ کیا ہی نہیں۔ سوری مامی اس معاملے میں، میں آپ سے ایگری نہیں کر سکتا۔ میں خاموش نہیں رہوں گا۔'' آکاش نے راحت بیگم سے بات کی تو انہوں نے اپنا موقف سنایا جو اسے کسی طور قبول نہ تھا۔ اسے صرف اور صرف زمرد کی فکر تھی۔

''تم اس عورت کو نہیں جانتے، ساری زندگی اس نے اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں گردانا، جو کچھ ٹھان لے کر گزرتی ہے۔ اسے روکنے والا آج تک پیدا نہیں ہوا۔ بدر کے ذہن میں یہ زہر بھرنے والی بھی اور کوئی نہیں سوائے ساجدہ جہاں کے، تم خود کو اس سب سے دور رکھو، اس معاملے میں خود کو مت گھسیٹو، یہ ان کے گھر کا معاملہ ہے۔ زمرد میری بیٹی ہے۔ وہ ہر حال میں اپنا گھر بچائے گی۔ جتنا تم اس معاملے میں دخل دو گے، بات بننے کے بجائے بگڑتی چلی جائے گی۔ شادی کے ابتدائی دو سال میں نے حویلی میں کیسے گزارے ہیں، یہ صرف میں ہی جانتی ہوں۔ اس عورت نے میری زندگی عذاب بنا رکھی تھی۔ اماں بھی اس کی زبان درازی کے آگے خاموش ہو جاتیں۔ اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ صرف غفار بھائی تھے جن سے دبتی تھی۔ اللہ کی پکڑ سخت ہوتی ہے، میں نے ہمیشہ اپنا دل صاف رکھا۔ میں نہیں جانتی کہ آخر وہ مجھ سے خدا واسطے کا بیر کیوں رکھتی ہے۔ روایتی جٹھانیوں والا رویہ کیوں مجھ سے روا رکھا حالانکہ میں ہمیشہ ان کی عزت کرتی آئی ہوں۔ ہمیشہ میں نے ان کو بڑی بہنوں والا پیار دیا۔ اس کے باوجود وہ مجھے بخشنے کو تیار نہیں۔ جانے کہاں جا کر ان کی یہ دشمنی اختتام پذیر ہوگی۔ پہلے میں تھی اب میری بیٹی کو تکلیف دے کر مجھے نشانہ بنا رہی ہیں۔ مجھے زچ کرنا چاہتی ہیں مگر میں کچھ نہیں کہوں گی ہمیشہ کی طرح اب بھی میں نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑا۔'' انہوں نے آکاش کے جذبات کو سرد کرنے کے لیے اتنی طویل گفتگو کی تھی۔

''چاہے آپ کی یہ خاموشی اور صبر زمرد کو کسی عظیم نقصان سے دوچار کر دے۔ تب بھی آپ یہی کہیں گی؟'' آکاش نے افسوس سے اپنی بزدل و ڈرپوک سی مامی کو دیکھا تھا۔

''ہاں کیوں کہ میں کہہ چکی ہوں۔ اس عورت کو روکنے والا آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا۔ تمہارے ماموں میرے ساتھ نہیں، وہ اپنے بھتیجے اور بڑی بھابی پر اندھا اعتماد کرتے ہیں۔ میں اگر کچھ کہوں گی تو یہی سمجھیں گے کہ عام عورتوں کی طرح میں ان کو اپنوں کے خلاف کر رہی ہوں۔ ان کے کان بھر رہی ہوں اور تم جانتے ہو، وہ یہ سب کچھ کتنا ناپسند کرتے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ۔ اللہ پر سارا معاملہ چھوڑنے میں، میں کتنی حق بجانب ہوں۔'' وہ بے چارگی سے بولیں تھیں۔

''ٹھیک ہے جو آپ کی مرضی مگر میں زمرد کو اکیلا ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ آپ لوگوں کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ سگے چچا کے گھر پر ہے۔ نہ رابطہ نہ ملاقات، ایسے لگتا ہے آپ لوگوں نے اس کی شادی کر کے اپنی جان چھڑا لی ہے۔'' وہ ہر حال میں اپنی بات پر ڈٹا رہا۔

''ان معاملوں کی نزاکت تم نہیں سمجھتے۔ بہتر یہی ہے کہ تم خاموش رہو۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھیں۔

''آپ لوگوں کی خاموشی نے ہی تو یہ دن دکھایا ہے۔ وہ لوگ مزید شیر ہو گئے۔ آپ لوگ اگر زمرد کو ایسے نہ چھوڑتے تو وہ اسے یوں اپنی ملکیت نہ سمجھتے۔ وہ لاوارث نہیں۔ آپ لوگ اس بات کو کیوں نہیں سمجھتے۔'' وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

راحت بیگم نے خاموشی سے کمرے سے نکلنے میں عافیت جانی۔ آکاش نے بہت افسوس و دکھ سے انہیں جاتا دیکھا تھا۔

☆......☆

سیاہ رنگ کا پیروں کو چھوتا لباس پہنے، ساتھ ہم رنگ جیولری پہنے وہ اداس سی اپنے کمرے کی طرف کھلنے والے ٹیرس میں کھڑی تھی۔

سیاہ رنگ میں اس کی دودھیا رنگت نکھر کر مزید چم چم کرتا نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ سنہرے لہریے دار بال ہوا سے کھیلتے اس کے روپ کو جلا بخش رہے تھے۔

معاً اس نے دیکھا سفید کرولا سرخ محل کے پورچ میں آ کر رکی تھی۔ وہ ذرا سا ریلنگ تھام کر جھکی، گاڑی سے اترتے شخص کو دیکھ کر اس کی نیلے کانچ سی سکھوڑی آنکھیں، حیرانگی و خوشی سے پوری کھل گئیں۔

اس نے ریلنگ سے ہاتھ ہٹاتے، دونوں پہلوؤں سے لباس تھاما، تیز قدموں سے بھاگتے کمرے سے نکلی، تیزی سے راہداری عبور کر کے سیڑھیاں اترنے لگی۔ میکے سے آنے والی ہوا بھی مسرت بخشتی ہے۔ آنے والا تو پھر آکاش تھا۔ طویل سیڑھیاں عبور کر کے وہ حویلی کے کشادہ صحن میں اتری تھی۔ سامنے ہی آکاش نظر آیا۔ کیمل کلر کے شلوار قمیص میں پشاوری چپل پہنے نکھرا نکھرا سا آکاش، وہ بھاگتے ہوئے آ کر اس سے لپٹ گئی۔

''آکاش!'' وہ بری طرح سے روتے ہوئے اسے پکار رہی تھی۔

''کتنا یاد کیا تم سب کو۔ مجھے بالکل بھول گئے۔ سوائے دادی کے کوئی فون نہیں کرتا۔'' وہ ہچکیوں سے روتے، شکوہ کر رہی تھی۔

''کتنی معصوم ہے یہ بدر! خدا بھی تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔'' آکاش کی آنکھوں میں نمی لہرا گئی اس نے خود سے لپٹی روتی سسکتی زمرد کی کمر پر ایک ہاتھ رکھا دوسرا اس کے سنہری بالوں والے سر پر رکھ کر تسلی دینے کے انداز میں تھپکنے لگا۔

''اب تو میں آ گیا ہوں نا، روؤ مت پگلی، میں تمہارے پاس ہوں۔'' اس نے زمرد کو چپ کروانے کی کوشش کی تھی۔

بہت سارا رونے کے بعد وہ شرمندہ شرمندہ سی اس سے الگ ہوئی اور اپنے آنسو پونچھے۔

''ممی، پاپا، دادی سب کیسے ہیں؟ پاپا مجھے یاد کرتے ہیں یا بھول گئے؟'' وہ آنسوؤں کے درمیان بولی۔

''کوئی نہیں بھولا۔ ایک حقیقی شہزادی کو، کون بھول سکتا ہے بھلا۔'' اس کا لہجہ بہت مضطرب تھا۔

''شہزادی اب نہیں رہی، وہ تو بہت بدل گئی ہے۔'' وہ جیسے بڑبڑائی تھی مگر آکاش نے سن لیا تھا۔

''وہ اپنے اندھے شک میں پل پل تمہیں ختم کر رہا ہے۔ مٹا رہا ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا کسی کے لیے تم خود کو نہیں بدلو گی۔ مگر افسوس تم نے ایک ایسے شخص کے لیے خود کو بدل لیا جو تمہارا ہے ہی نہیں، اس کی انا اور اس کا زعم اسے تمہارا ہونے ہی نہیں دے رہا۔ تم ہو کے اس کی اصل صورت پہچاننے سے انکاری ہو۔ وہ تم پر کتنے رکیک الزامات لگا چکا ہے اور تم اب بھی اس کے لیے پاگل ہو رہی ہو؟ میں تمہیں لینے آیا ہوں، اب تم مزید اس گھٹیا آدمی کے ساتھ نہیں رہو گی۔'' آکاش کی بات پر سیڑھیاں اترتی ساجدہ جہاں کے قدم وہیں تھم گئے تھے۔

''میری محبت اس کے دل سے شک اور ہر منفی سوچ مٹا دے گی۔'' وہ اتنا ہی کہہ سکی۔ آکاش کے بدر

کے لیے کہے گئے الفاظ اسے حقیقتاً برے لگے تھے۔

''سوچ ہے تمہاری، ساری زندگی انتظار کرو گی۔ تب بھی وہ تمہارا نہیں، اپنی خود ساختہ انا کے زعم میں تمہیں تڑپاتا رہے گا۔ کبھی سکھ نہیں دے گا۔ تم ہمیشہ تکلیف میں رہو گی۔'' وہ قطعی لہجے میں بولا۔

''میں تمہیں لینے آیا ہوں، تمہیں ہر حال میں میرے ساتھ جانا ہوگا۔ تم مزید اذیت برداشت نہیں کرو گی۔ وہ گھٹیا شخص تمہیں میرے نام پر زچ کرتا رہے گا اور تم سہتی رہو گی۔ یہ میں ہونے نہیں دوں گا چلو۔'' اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

''چٹاخ......'' زمرد نے اس کے بڑھے ہاتھ کو نظر انداز کر کے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا تھا۔

''تم کون ہوتے ہو، میری زندگی میں مداخلت کرنے والے، بدر میرا شوہر ہے اور میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں، جب تک ہمت ہے میں اس کی بے رخی اور ہر اذیت برداشت کروں گی۔ تمہیں مجھ پر ترس کھانے کی کوئی ضرورت نہیں، میں اپنی خوشی اور اپنی رضا سے یہاں موجود ہوں، مجھے اگر جانا ہوتا تو پہلے ہی دن دل برداشتہ ہو کر یہ گھر چھوڑ دیتی اور مجھے یہ کرنے سے کوئی بھی روک نہیں سکتا تھا۔ آئندہ میرے سامنے بھی مت آنا۔ میرا راستہ کھوٹا کر کے میرا گھر اجاڑ کر تمہیں کیا ملے گا؟'' وہ چلائی تھی۔

ساجدہ جہاں گنگ رہ گئی تھیں۔ ٹھیک یہی حالت آکاش کی تھی۔

''اتنی ہمت...... تم اتنی بہادر کب سے ہو گئیں؟ میں تو سمجھ رہا تھا تم روؤ گی، گڑگڑاؤ گی۔ مجھ سے مدد کی بھیک مانگو گی۔ تم نے ناموافق حالات سے لڑنا کب سیکھ لیا؟ حیرت ہے تم اتنی بڑی ہو گئی اور مجھے پتا ہی نہ چل سکا۔'' وہ آنکھوں میں نمی لیے حیرت سے اس نازک لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ جسے ہوا بھی تیزی سے چھو کر گزرتی تو وہ آکاش کی طرف دیکھ کر منہ بسورتی تھی۔ ہر موڑ پر آکاش کی محتاج وہ چھوٹی سی لڑکی، آج اسے اپنا گھر نہ اجاڑنے کی درخواست کر رہی تھی۔ اتنی بڑی بڑی باتیں اس کے منہ سے سن کر وہ حیران تھا۔

''میں تمہیں ایسے نہیں دیکھ سکتا۔ پلیز زمرد میرے ساتھ چلو۔ تم یہ سب سہتے سہتے ٹوٹ جاؤ گی۔ پلیز خود پر ظلم مت کرو۔'' اس کی التجا پر ایک پل کو زمرد کے قدم لڑکھڑائے تھے مگر اس نے بروقت خود پر قابو پا لیا۔

''پلیز آکاش! مجھے ان حالات سے لڑنے دو۔ مجھے کمزور مت کرو۔ میں نے بدر کو پانے کی خاطر بہت طویل انتظار کیا۔ قسمت مجھ پر مہربان ہو گئی۔ میں اب بھی انتظار کرنا چاہتی ہوں۔ وہ اگر میرا ہے تو ضرور میری طرف لوٹے گا۔ میری ہمت گھٹانے کے بجائے بڑھاؤ، مجھے تمہارے حوصلے کی بہت ضرورت ہے، مجھے کمزور مت کرو۔'' وہ بے بسی سے رو پڑی۔

''مگر میں یہ سب کیسے برداشت کروں گا۔ تم تکلیف سہتی رہو اور میں تمہیں حوصلہ دیتا رہوں۔ بہت مشکل بات ہے۔''

''تمہیں یہ کرنا ہوگا اگر جو تم میرے مخلص دوست ہو تو تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔ کیونکہ میں یہ سب کچھ برداشت کرنا چاہتی ہوں۔ جب تک ہمت ہے سب سہتی رہوں گی۔ جب ہمت جواب دے گئی اسی پل تمہارے در پر مدد مانگنے آؤں گی۔''

''چاہے اس سارے میں تمہیں کتنا ہی نقصان اٹھانا پڑے۔ اپنی شخصیت مسخ کرنا پڑے؟'' وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ کر بولا تھا۔

''ہاں...... یہی چاہتی ہوں، اپنی محبت کی مضبوطی ناپنا چاہتی ہوں۔ میری محبت کتنا سہہ سکتی ہے مجھے کتنا حوصلہ دیتی ہے۔ یہ سب محسوس کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ ایک عزم سے بولی تھی۔

''آدھا زمانہ تمہارا طلب گار، کیوں یہ سب کر رہی ہو؟ اس ناقدر شخص پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ خود کو اتنا مت گراؤ۔ وہ کبھی تمہیں نہیں سمجھے گا۔'' آکاش نے اسے باز رکھنے کی آخری ناکام کوشش کی تھی۔

''تم جانتے ہو جو میں ٹھان لوں، اسے پورا کر کے رہتی ہوں، اس لیے تردد مت کرو، میں فیصلہ کر چکی ہوں۔'' وہ قطعی پن سے بولی۔

''ٹھیک ہے جو تمہاری مرضی، اللہ تمہاری راہ آسان کرے۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے وہاں سے چلا گیا۔

زمرد ہاتھوں میں چہرہ چھپا کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ساجدہ جہاں الٹے پیروں اپنے کمرے میں گئی تھیں اور بدر کو فون پر تمام صورت حال سے آگاہ کیا تھا وہ پیچ و تاب کھاتا رہ گیا۔

☆......☆

آستین کہنیوں تک فولڈ کیے انگارہ ہوتی آنکھوں پر گاگلز چڑھائے وہ لب بھینچے جانے کب سے رش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ سفر تھا کہ کٹنے کے بجائے طویل تر ہوتا جا رہا تھا۔

اس کے دماغ پر ایک ہی بات سوار تھی آکاش سرخ محل آیا تھا اور زمرد سے مل کر گیا تھا۔ یہی نہیں اسے ساتھ لے جانے کی کوشش بھی کی تھی۔

وہ سرخ محل پہنچا تو سارا گاؤں میٹھی نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایک تو اس کے اعصاب چیخ رہے تھے۔ اوپر سے گیٹ بند تھا اور چوکیدار کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔

وہ ہارن پر ہاتھ رکھ کر بھول گیا۔ چوکیدار جو اندر کوارٹر میں سو رہا تھا بغیر قمیص کے ہی بڑبڑا کر جاگتے ننگے پیر باہر کو بھاگا اس نے گیٹ کے دونوں پٹ بمشکل صاحب کے خوف سے کھولے تھے اور ایک سائیڈ پر مودب سا کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنی جھاڑ کا منتظر تھا مگر حیرت کی انتہا نہ رہی جب صاحب نے کار تیزی سے پورچ میں لے جا کر روک دی اور خود تیز تیز قدموں سے چلتے اندر حویلی میں چلے گئے۔

اس نے سکھ کا سانس لے کر گیٹ بند کیا تھا۔

☆......☆

ماں جی سمیت تمام ملازم سو چکے تھے۔ پوری حویلی میں خاموشی کا راج تھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا اپنے کمرے میں آیا تھا۔

زمرد سیاہ لبادے میں ملبوس صوفے کی پشت سے سر ٹکائے سو رہی تھی یا جاگ رہی تھی۔

چہرے پر آنسوؤں کے مٹے مٹے نشان موجود تھے۔ چہرہ نم اور گلابی سا محسوس ہو رہا تھا۔

بدر نے ایک چھیدتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی اور پھر ہاتھ میں پکڑا موبائل والٹ گاڑی کی چابی تمام چیزیں اس نے سائیڈ ٹیبل پر ڈالیں۔ شور کی آواز سے سوئی جاگتی سی کیفیت میں زمرد نے آنکھیں کھولیں اور بدر کو سامنے پا کر حیرت و خوشی سے سیدھی ہو بیٹھی۔

''آپ!'' وہ اس کی طرف دیکھتے اٹھنے لگی تھی کہ بدر نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

''مجھے ان چونچلوں سے رام کرنے کی کوشش بے سود ہے۔ بیٹھی رہو ابھی بہت حساب نکلتا ہے تمہاری طرف سے۔'' اس کا لہجہ اس کا انداز سب بیگانگی لیے ہوئے تھا۔

زمرد ٹھٹھکی تھی۔

اس نے کوٹ اتار کر بیڈ پر پھینکا۔ ٹائی ڈھیلی کر کے گلے سے کھینچی اور کمرے میں دور پھینک دی۔ کمرے کے وسط میں آ کر زمرد کے عین سامنے کچھ فاصلے پر رک گیا۔ اس کی خاموشی و بھسم کر دینے والی نظروں سے زمرد کو بہت خوف محسوس ہوا۔

''سیاہ رنگ کا انتخاب کر کے کس کا سوگ منا رہی ہو؟ کیا میرا؟ میں تو ابھی زندہ ہوں۔'' اس کی سرد آواز و استہزائیہ لہجہ کمرے میں گونجا تھا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ میں سمجھ نہیں پا رہی۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''میرے سامنے یہ معصومیت کا چولا اتار دیا کرو، مجھے نفرت ہے اس ڈرامے بازی سے۔'' وہ دہاڑا۔

زمرد نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ ان لہجوں کی عادی ہی کب تھی۔ آنسو دیوانہ وار بہہ نکلے۔

''وہ یہاں کیوں آیا تھا۔ جب کہ میں تم سے کہہ چکا تھا کہ مجھے وہ شخص اپنی زندگی میں قطعی برداشت نہیں۔ یہ ہمت تم نے اسے دی ورنہ اس جیسے بزدل شخص کی یہ مجال کہ وہ میری غیر موجودگی میں میرے گھر آئے اور میری ہی بیوی کو اپنے ساتھ جانے پر اکسائے، کس کی شہہ پر وہ یہ سب کرتا رہا، صرف تم ہو اور کوئی نہیں۔'' اس کے لہجے کا پتھریلا پن زمرد کو سن کر گیا۔ وہ نا سمجھتے ہوئے بھی سمجھ گئی تھی۔

بدر نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے مقابل کھڑا کر دیا۔

جس شخص کی ذرا سی قربت اسے سرشار کر دیتی۔ آج اس لمحے اسے خوف زدہ کر رہی تھی۔

''میری طرف دیکھو۔'' بدر نے اس کا بازو جھنجھوڑا، زمرد کا جھکا سر نہ اٹھ سکا وہ خود میں بدر کی طرف دیکھنے کا حوصلہ نہیں پاتی تھی۔

''پلیز چھوڑیں مجھے۔'' اس نے کمزور سا دفاع کیا۔

''میں نے کہا میری آنکھوں میں دیکھو۔'' اس کی دہاڑ پر زمرد نے کانپتے ہوئے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر اس کی طرف ایک لحظہ کو دیکھا مگر اس کی سرخ ہوتی آنکھوں اور چہرے کے سخت تاثرات نے نگاہیں جھکانے پر مجبور کر دیا۔

''تو تم اعتراف نہیں کرو گی؟'' اس نے زمرد کے بازو پر اپنے ہاتھ کی گرفت سخت کرتے اسے تنبیہہ کیا اور اس کا بازو چھوڑ دیا۔

وہ جو ایک قدم پیچھے ہو کر اپنا بازو سہلانے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا وہ اس کی حرکتِ قلب بند کرنے کو کافی تھا۔

''بدر......!'' اس کی آنکھیں خوف و حیرت کی زیادتی سے پھٹ پڑیں۔ لرزتی لبوں سے اس نے بمشکل بدر کو پکارا تھا۔

وہ پینٹ کی بیلٹ کھینچ کر نکال چکا تھا۔

زمرد کے ذہن نے فوراً سے بیشتر ایک راہ سجھائی تھی۔ وہ چچی سے تو مدد لے سکتی ہے یہ سوچتے ہی وہ دروازے کی سمت بھاگی۔ دروازے کا ناب ہر طرح سے آزمانے لگی مگر وہ کھل کر نہ دیا۔

جو یقیناً لاک کیا جا چکا تھا۔

''بدر پلیز......'' وہ دروازے کے ناب پر ہاتھ جمائے بالکل دروازے سے لگ کر کھڑی تھی اور سوکھے پتے کی طرح لرز رہی تھی۔

ہاتھ میں کس کر بیلٹ پکڑے، سنگین ارادوں سے اس کی طرف بڑھتے بدر کو دیکھ کر وہ رونے لگی۔

کچھ دیر پہلے آکاش سے کیے گئے وعدے اور ہمت کا ذکر، اب ختم ہونے کو آ رہا تھا اسے اپنی ساری ہمت زائل ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

''آکاش کے ساتھ تمہارا کیا چکر ہے؟ سچ سچ بتانا؟ وہ اعتراف کر چکا، اب تمہاری باری ہے۔'' اس کی آنکھوں سے لہو بہتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ دروازہ چھوڑ کر سہم کر دیوار سے جا لگی۔

''پلیز بدر! ایسا کچھ نہیں۔'' وہ رونے لگی۔

''مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

''چٹاخ'' یکے بعد دیگرے ہنٹر نے اس کے منہ پر نشان چھوڑ دیا تھا۔ وہ صوفے کے ہتھے سے ٹکرائی اور زمین پر گر گئی۔

''پلیز بدر!'' وہ روتے ہوئے التجا کرنے لگی۔

''تم جیسی عورتوں کا علاج مجھے خوب آتا ہے۔ میں ایک خاندانی اور عزت دار شخص ہوں۔ میرے گھر میں یہ ساری ذلالت نہیں چلے گی۔ میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ تم آئندہ اس کا نام لینا تو دور اسے سوچتے ہوئے بھی کانپو گی۔'' بدر کا بیلٹ والا ہاتھ ہوا میں معلق ہوتا دیکھ کر اس کا چہرہ دھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید ہوا تھا اور منہ سے ہلکی سی چیخ ابھری۔

وہ منہ سے کف اڑاتا، مغلظات بکتا اسے مارتا رہا وہ جسم پر پڑنے والے نیلوں کو سہتی چیختی رہی۔ مدد اور رحم کی بھیک مانگتی رہی۔

خواب دیکھنے والی شہزادی کی آنکھوں میں خوشیوں کے بجائے آنسو تھے۔ درد تھا۔ وہ اپنی معصومیت کی قسمیں کھا رہی تھی مگر کوئی یقین کرنے والا نہ تھا۔

اپنی انا اور اپنی ذات کے زعم میں مبتلا وہ شخص اس پر رحم کھانے یا یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔

وہ مار کھاتے ہوئے سب کو پکارتی ان ناموں میں ایک نام آکاش کا بھی ہوتا اور پھر بدر کے تھکتے ہاتھ دوبارہ پوری قوت سے اسے مارتے۔ وہ درد سے چیختی رہی۔ درد جو صرف جسم پر پڑنے والی ضربوں کا نہ تھا، اپنے خواب کی اتنی بھیانک تعبیر کا تھا۔

☆......☆

خوب صورت و نازک سی شہزادی کا ناتواں وجود نیلوں نیل تھا۔ جسم کا ایک ایک جوڑ درد سے ٹوٹ رہا تھا۔

وہ رات کے آدھے پہر ٹیرس کے کھلے خنکی والے ماحول میں بیٹھی سسک رہی تھی۔

''وہ تم جیسی شہزادی کو سونے کے پنجرے میں قید تو رکھ سکتا ہے مگر تمہاری قدر کبھی نہیں جان سکتا۔ اس کی توجہ حاصل کرتے کرتے تم مر جاؤ گی۔ مگر وہ تمہیں کبھی نہیں ملے گا۔'' اس کی سماعتوں میں آکاش کی کہی گئی ایک ایک بات گونج رہی تھی۔

''وہ ایک انا پرست اور حاکم ذہنیت کا شخص ہے۔ ویسا بالکل نہیں ہے جیسا تم سمجھتی ہو۔'' درد کی ایک لہر

اس کے پورے وجود سے ہو کر گزر رہی تھی۔

''زندگی خوابوں خیالوں کے سہارے نہیں گزرتی، حقیقت کو تسلیم کرنا سیکھو، تم اس کے ساتھ ٹوٹ جاؤ گی۔'' وہ اسے پکارتے ہوئے زار و قطار رو رہی تھی۔

''میں تمہیں تمہارے سپنوں سے اور تصور سے کہیں حسین زندگی دے سکتا ہوں۔'' اسے آکاش بہت یاد آ رہا تھا۔

''میری محبت تمہاری امانت ہے۔ آخری لمحے تک تمہارا منتظر رہوں گا۔ آہ آکاش......!'' اس کی آنکھوں سے درد کی برسات برس رہی تھی۔

''آکاش! تمہارا تھا تمہارا ہے اور تمہارا ہی رہے گا۔ کسی کے کہنے پر کبھی مجھے مت چھوڑنا، اپنے آکاش کو مت چھوڑنا، ہم ہمیشہ سے ایک ہی تھے۔ دنیا کے خوف سے، کسی دکھ کے ملنے پر، ہر چوٹ لگنے پر، وہ مہربان و مخلص بانہیں اس کے لیے وا ہوتیں۔ وہ بہت سے رشتوں کو چھوڑ کر صرف اسی کی طرف بڑھتی۔ آج اس لمحے اسے وہ مہربان بانہیں بہت یاد آ رہی تھیں۔ خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی تھی۔

اس سچے و مخلص شخص نے اپنا ہر وعدہ پورا کیا تھا۔ زمرد نے ہر پل اس سے جھوٹے وعدے کیے۔ وہ ایک وعدہ بھی پورا نہ کر سکی تھی۔ آج وہ اس کی مدد کو آیا تھا مگر زمرد نے اسے دھتکار دیا تھا۔

بدر کے کہنے پر اسے چھوڑ دیا۔ اس نے خود کو بدل لیا تھا۔ کیوں کہ وہ ایک مشرقی لڑکی تھی۔

☆......☆

وہ ہڑبڑا کر خواب سے جاگا تھا۔ اس کا تنفس بہت تیز تھا۔ چہرے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمک رہے تھے۔ اس نے خواب دیکھا تھا زمرد بہت برے حال میں تھی اور بچوں کی طرح بانہیں پھیلائے ہچکیوں سے روتی، اسے پاس بلا رہی تھی۔

اس نے جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیلا اور ایک ہی سانس میں پی گیا۔ بیڈ سے اتر کر وہ کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ اسی مضطرب سی کیفیت میں وہ فون تک آیا اور زمرد کو فون ملانے لگا۔ رات آدھے سے زیادہ بیت چکی تھی۔ اسے زمرد کی بات یاد آئی تو ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''کیا کروں؟'' وہ سر تھامے صوفے پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک ذہن میں طرح طرح کے خیالات آتے رہے۔ پھر وہ اٹھ کر وضو کرنے چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ رب کے حضور زمرد کی آسودہ و خوشیوں بھری زندگی کے لیے دعا کرنے لگا تھا۔

☆......☆

شب خوابی کے نیلے لباس میں وہ بیڈ سے پاؤں لٹکائے بیٹھا۔ اپنی جمائی روک رہا تھا۔ رات بھر اس نے بہت مکمل و آسودہ نیند لی تھی۔

اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے وہ چونکا، پورے کمرے میں نگاہ دوڑائی زمرد کہیں نہیں تھی۔

وہ تیزی سے دروازے کی سمت گیا تھا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے پلٹا اور ٹیرس کا دروازہ کھول دیا۔ وہ زمین پر دیوار سے ٹیک لگائے سکڑی سمٹی سی بیٹھی تھی۔

''اٹھو۔'' اس نے زمرد کو ٹھوس لہجے میں آواز دی۔ وہ اسی طرح غافل رہی۔

''اب کے بدر نے پاؤں کے انگوٹھے سے اسے ضرب لگائی اور اونچی آواز میں حکم دیا۔

وہ ہڑبڑا کر جاگی تھی۔ اسے دیکھ کر زمرد کی روئی روئی متورم نیلی آنکھوں میں خوف اتر آیا تھا۔
”میرے پاس تمہارے ناز نخرے اٹھانے کا وقت نہیں، فوراً کھڑی ہو جاؤ۔“ اس نے پھر پھوڑے۔
وہ دیوار کا سہارا لے کر اٹھی، ہمت مجتمع کرتی کھڑی ہوئی۔
بدر نے اس کا بازو سختی سے تھاما اور ٹیرس کا دروازہ ٹھوکر سے کھولتا باہر آیا تھا۔ زمرد میں کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں تھی۔ اس کی آنکھ کے پپوٹے رونے کی زیادتی سے سوجے ہوئے اور چہرہ ستا ہوا تھا۔
وہ بدر کے ساتھ گھسٹتی رہی۔
نیچے سیڑھیوں کے اختتام پر ساجدہ جہاں کچن کی سمت جا رہی تھیں۔ ٹھٹھک کر رکیں۔
”یہ بدر کب آیا؟ مجھے کسی نے خبر تک نہ دی۔“ ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ پریشانی فطری تھی۔ وہ تو چھینکتا بھی ماں کی اجازت سے تھا۔
زمرد کی ابتر حالت۔ مار کے نشانات اس کے چہرے اور گردن پر صاف دکھائی دے رہے تھے۔ بدر کا اس کو یوں پکڑے اپنے ساتھ گھسیٹ کر لے کے جانا وہ فوراً سے بیشتر سارا معاملہ سمجھ گئیں۔
وہ اسے گھسیٹتا ہوا اپنے ساتھ ملازمین کے کوارٹرز کی طرف لایا تھا۔ قطار در قطار بنے ان کوارٹرز سے گزر کر وہ اسے ایک تاریک کمرے میں لے کر آیا جس کی سیڑھیاں نیچے زمین کو جاتی تھیں۔
”تم شام تک یہاں بھوکی، پیاسی، تنہا رہ کر اپنی موت کا انتظار کرو گی یا میرے سامنے اقرار کر کے معافی مانگو گی۔ یہ نہیں کرو گی تو پھر یہ اذیت اور ذلت تمہیں برداشت کرنا ہو گی۔“ اس نے چبا چبا کر کہتے اس کو تاریک و سنسان کمرے میں دھکیلا۔ دھول مٹی سے اٹا کمرہ بالکل خالی پڑا تھا۔ زمرد نے اس سارے دورانیے میں پہلی بار لب وا کیے تھے۔ بدر کے واپسی کو پلٹتے قدم رک گئے۔
”آپ کو مجھے اذیت دے کر تسکین ملتی ہے تو میں یہ سب کچھ برداشت کرتی رہوں گی۔ جب تک مجھ میں ہمت ہے۔ سہتی رہوں گی۔ اس لیے نہیں کہ میں بے بس ہوں یا مجبور، اس لیے کیوں کہ میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔ آپ کا ہر ظلم ہر اذیت اور ہر ذلت چپ چاپ سہتی رہوں گی۔ ایک نہ ایک دن آپ کو میری صداقت پر اعتبار کرنا پڑے گا۔“ کانچ سی نیلی آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھری تھیں۔ گردن پر نیلا نشان خوب صورت چہرے پر بدر کے مضبوط ہاتھ کا نشان، اس کی پیشانی پر چمکتا خون کا نشان، یہ سب کچھ بدر کی دین تھے۔
اس کے لہجے میں ایسا کچھ ضرور تھا جس نے ایک پل کے لیے بدر کو ساکت کر دیا تھا۔
آکاش کا اعتراف یاد آتے ہی اس کے وجود میں شرارے دوڑے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر زمرد کے سنہری بالوں کو مٹھی میں سختی سے جکڑا تھا۔
”کل رات کی مار شاید تم بھول گئی ہو۔ اسی لیے تمہاری زبان میرے سامنے چل رہی ہے۔ آئندہ میرے سامنے زبان چلائی تو کاٹ کر ہاتھ میں دے دوں گا۔ میرے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں۔ جو کہتا ہوں وہ کر گزرتا ہوں۔ آئندہ خیال رہے۔“ اس نے بن پانی مچھلی کی طرح تڑپتی زمرد کے بالوں کو کئی بار جھٹکے دے کر دانت پیستے غرا کر کہا تھا اور اپنی مٹھی سے اس کے بال آزاد کیے۔
اس کی بات پر زمرد کا پورا وجود تھرا اٹھا۔ بدر اسے وہاں روتا بلکتا چھوڑ کر دروازے کو موٹا سا تالہ لگائے چلا گیا تھا۔
(باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ)

ردا کی ڈائری

صبا سحر کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

اے نئے سال کے ابھرتے ہوئے سورج
تمہیں اپنی کرنوں کی قسم
میری ایک بات مان لو
کہ اس نئے سال میں
دل کی راہوں پر چلنے والوں کے
راستوں کو روشنیوں سے بھر دینا

عانیہ نیازی کی ڈائری سے

نیا سال

نیا سال آیا ہے
میری ان صبحوں کی نیلی تہوں سے ابھرتا
خیابان دشت جبل کی ٹھٹھرتی خموشی میں برفیلی
چٹکی بجاتا دبے پاؤں
یخ آلود شاموں کی خاموشیاں
اس کے قدموں کی آہٹ سمیٹے
گزرگاہوں پر سائبانوں میں نوحہ کناں
در آتی شب کے دریچوں درزوں
پُرشور جھونکوں کی بے مہر ٹھنڈک
برودت زدہ پانیوں پر پرندے
کناروں پر ایستادہ پیڑوں کی نمناک شاخوں کی
جانب اڑے جا رہے ہیں
غمگین آنکھوں میں، چھتوں پر
دھڑکتے دلوں میں ہزاروں
خیالوں کی شمعیں جلائے
دبے پاؤں آتے ہوئے
سالوں کو دیکھتے ہیں

نوشین مدثر کی ڈائری سے

فیضان عارف کی نظم

ملال

وقت گزرا تو یہ ملال ہوا
ختم زندگی کا ایک سال ہوا
آج زندگی کو عروج ملا
آج لمحات کو زوال ہوا
سوچ کی جھیل میں گرا پتھر
بے سبب منتشر خیال ہوا
یاد کر کے وصال کے لمحے
دل یہ پاگل بہت نڈھال ہوا
اتنی شدت سے کوئی یاد آیا
آج جینا بڑا محال ہوا
لوگ دیکھے بہت مگر اب تک
کوئی تیری کہاں مثال ہوا
کوئی جا کر ذرا اسے کہہ دے
ہجر میں کیا ہمارا حال ہوا

نگہت توقیر کی ڈائری سے

وصی شاہ کی غزل

آج کل زباں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
تمہاری ہاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے

درخت پر جو کبھی چوڑیوں سے ڈالا تھا
اس اک نشان پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
سلگ رہی ہیں ذہن میں قبائیں لفظوں کی
مگر زباں پر وہی سردیوں کا موسم ہے
تمہارے آنے پر سورج کے ہاتھ چمکیں گے
مرے مکاں پر وہی سردیوں کا موسم ہے
تیری جدائی کے پل سے ہوا ہے عشق حنوط
کہ اس جہاں پر وہی سردیوں کا موسم ہے
وہ مجھ کو سونپ گیا فرقتیں دسمبر کی
درخت جاں پہ وہی سردیوں کا موسم ہے
ہمارے لب تو دعائیں جلائے رکھتے ہیں
پر آسمان پر وہی سردیوں کا موسم ہے

دھنک ناز کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

بدن کی قید سے نکلیں تو اس نگر جائیں
جہاں خدا سے کسی شب مکالمہ ہوگا
جہاں پہ روح کا بھی کوئی حق ادا ہوگا
نہ دل کو تنگ کرے گی حصول کی خواہش
نہ کوئی خدشہ لاحاصلی ستائے گا
ہمیں قبول نہ ہوگی صدائے نوحہ گری
کہ پھر وصول نہ ہوگی شکستِ سادہ دلی
نہ مرحلے وہ مشقت کے پیشِ جاں ہوں گے
کہ جن کے خوف سے لب ہنسنا بھول جاتے ہیں
نہ ایسی شب کی مسافت کا سامنا ہوگا
جہاں پہ کوئی چراغ وفا نہیں جلتا
لبوں کی شاخ پر حرف دعا نہیں کھلتا
کہیں پہ کوئی مزاج آشنا نہیں ملتا
عذاب ترک وطلب سے بھی اب مکر جائیں
زمین کی قید سے نکلیں تو اس نگر جائیں
جہاں خدا سے کسی دن مکالمہ ہوگا
جہاں پہ روح کا بھی کوئی حق ادا ہوگا

مریم شیخ کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

ابھی کیا کہیں ابھی کیا سنیں
کہ سر فصیل سکوت جاں
کف روز و شب پہ شرر تھا
وہ جو حرف حرف چراغ تھا
اسے کس ہوا نے بجھا دیا
کبھی لب ہلیں گے تو پوچھنا
سر سحر عمر وسال
وہ جو لوگوں کا ہجوم تھا
اسے دست موج فراق نے
تہہ خاک کب سے ملا دیا
کبھی گل کھلیں گے تو پوچھنا
ابھی کیا کہیں ابھی کیا سنیں
یونہی خواہشوں کے حصار میں
کبھی بے سبب کبھی بے خلل
کہاں کون کس سے بچھڑ گیا
کبھی پھر ملیں گے تو پوچھنا

فاطمہ ظہیر کی ڈائری سے

غزل

واسطہ حسن سے یا شدتِ جذبات سے کیا
عشق کو تیرے قبیلے یا میری ذات سے کیا
میری مصروفیات اس کو کہاں روک سکیں گی
وہ تو یاد آئے گا اس کو میرے دن رات سے کیا
پیاس دیکھوں یا کروں فکر کہ گھر کچا ہے
سوچ میں ہوں کہ میرا رشتہ ہے برسات سے کیا
جس کو خدشہ ہو کہ مر جائیں گے بھوکے
سوچیے' اس کو کسی اور کے حالات سے کیا
آج اسے فکر ہے کہ کیا لوگ کہیں گے ساغر
کل جو کہتا تھا مجھے رسم و رواج سے کیا

......☆......

اشعار

سباس گل................رحیم یار خان
خرچ ہوتی رہی سانسوں کی. نقدی
سفر ہم رایگاں کرتے رہے بس

راؤ تہذیب، حسین تہذیب........رحیم یار خان
عیب آتے ہیں نظر تو دوسرے انسان میں
ہر کوئی اک دوسرے پر طعنہ زن ہے آج کل
یہ بھی سچا وہ بھی سچا میں بھی سچا ہوں اگر
کون سچا ہے یہاں اس عالم امکان میں

مدیحہ اعجاز.............. کراچی
زندگی دوڑتی رہی خزاں کی زہریلی شاموں میں
اس کا نشاں پھر بھی نہ مجھ کو ملا صبح کے اجالوں میں

ریما نور رضوان................ کراچی
جو دل پہ بوجھ ہے اتار دو
دو دن زندگی کے ہیں ہنس کر گزار دو
میں تم کو اپنی جان دوں گی سب کچھ
بدلے میں تم مجھ کو اپنا پیار دو

عابد محمود............ملکہ ہانس
کتنے ہی درد بہانے سے میرے پاس آکر
دیکھتے ہیں کہ میری شام سہانی تو نہیں

فرزانہ شوکت.............. کراچی
وہ پاس رہ کے بھی رکھے گا فاصلہ مجھ سے
یوں میرے وہ عشق کو بے مثال کردے گا
لپیٹ کے غم دنیا میں دے گا اپنا غم
وہ اس طرح سے مجھے مالا مال کردے گا

حنا علی.................ملتان
اب کے برس کچھ ایسی تدبیریں کرتے ہیں
مل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
کچھ خواب یقین کی سرحد پر آ پہنچے
آنکھ کھلنے سے پہلے ان کی تعمیر کرتے ہیں

نوشین مدثر............لاہور
نئی رتیں نئے خواب ہیں اور چاہتوں کے سلسلے
سال نو کے سنگ ہیں تیری گلاب رفاقتوں کے سلسلے
کبھی دن بھر تجھے سوچنا کبھی رات بھر ہے جاگنا
تیری یاد ہے میں ہوں اور جنوری کی شاموں کے سلسلے

امبرین حیدر...............اسلام آباد
منظر بدل گئے پس منظر بدل گئے
حالات اپنے شہر کے یکسر بدل گئے
موسموں کے بدلنے پر کبھی حیراں نہ ہوئے تھے ہم
اب سوچتے ہیں کتنے کیلنڈر بدل گئے

نور بانو............... کوئٹہ
پہلے سے خدوخال نہ پہلے سے ہیں خیال
ہم کتنا ایک سال کے اندر بدل گئے

عانیہ نیازی...............ربوہ
اب کے برس کچھ ایسی تدبیر کرتے ہیں
چلو ایک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
خزاں کی اجاڑ شامیں نہ آئیں اگلے سال
آؤ اس بہار رُت کو زنجیر کرتے ہیں

......☆......

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

تعلیم، مشترکہ دشمن

دو بڑے زمین داروں کا ذکر کیے بغیر جھنگ میں میرے ملاقاتیوں کا سلسلہ تشنہ رہ جائے گا۔ ایک روز ایک بڑے زمین دار صاحب ملاقات کے لیے تشریف لائے خود تو بڑی حد تک ناخواندہ تھے مگر تعلیم کے فوائد اور فضائل پر طویل تقریر کرنے کے بعد بولے:

"جناب! آپ اس پسماندہ ضلع کے لیے نیکی کا ایک اور کام کرتے جائیں فلاں فلاں گاؤں میں ایک پرائمری اسکول کھول دیا جائے۔ تو یہی اس علاقے کے لوگوں پر احسان عظیم ہوگا اگر آپ قبول فرمائیں تو بندہ اسکول کے لیے مفت زمین بیس ہزار روپے نقد اور ایک استاد کی ایک برس کی تنخواہ جیب سے ادا کرنے کے لیے تیار ہے۔

ریما نور رضوان۔ کراچی

گدھے

اگرچہ میں سیمینارز کو ذرا تشویش کی نظر سے دیکھتا ہوں لیکن ان دنوں میری شدید خواہش ہے کہ ملکی مسائل کے بارے میں کہیں کوئی سیمینار منعقد ہو اور مجھے اس میں شمولیت کی دعوت مل جائے کیوں کہ ابھی سال ہی میں مجھ پر انکشاف ہوا ہے کہ پاکستان کے مسائل کی اصل وجہ کیا ہے اور میں اس سلسلے میں اپنا تھیسس پیش کرنا چاہتا ہوں۔ چونکہ مجھے ابھی تک کسی جانب سے اس قسم کے سیمینار میں شامل ہونے کے لیے کوئی دعوت نامہ نہیں آیا اس لیے اپنا یہ زبردست تھیسس آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

آپ جگر تھام کر یا دل پر پتھر رکھ کر اسے پڑھ لیجیے گا یاد رہے کہ یہ انکشاف تازہ ترین اور ملکی مسائل کی جڑ ہے اور انکشاف یہ ہے کہ ہم گدھوں سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ ہم ان سے اتنا لاڈ پیار کرتے ہیں کہ ان کی عادتیں بگڑ گئی ہیں اور وہ پہلے سے بھی زیادہ گدھے ہو گئے ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ کی تصنیف "گدھے ہمارے بھائی ہیں" سے اقتباس

نوشین مدثر۔ لاہور

اس کا ماہ کا شعر

نیا سال

تو ہے نیا تو رکھا صبح نئی شام نئی
ورنہ ان آنکھوں نے دیکھے ہیں نئے سال کئی

عانیہ نیازی۔ ربوہ

اس ماہ کا فلسفہ

زندگی بند دروازہ ہی سہی مگر جو لوگ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے ان کے لیے یہ بند دروازہ کھلنے پر کبھی مایوسی نہیں لاتا پس اللہ کے فیصلوں پر مکمل اعتماد اور رحمت کا کامل یقین ہی تو زندگی گزارنے کا اصل مقصد ہے۔

امبرین حیدر۔ اسلام آباد

اس ماہ کا وعدہ

یہ جو وعدے ہوتے ہیں یہ تو زندگی کی آس ہوتے ہیں اور آس میں زندہ رہنے پر، ہجر کاٹنے پر، دکھ سہنے پر، انتظار کرنے پر، آنسو پینے اور جھوٹی ہنسی ہنسنے پر مجبور کرتی ہیں۔

عابد محمود۔ ملکہ ہانس

اس ماہ کی

ہری مرچیں

شوہر نے کار چلاتے ہوئے بیگم سے کہا۔ "ذرا کار کی کھڑکیاں تو کھول دو گرمی سے برا حال ہو رہا ہے۔"

بیوی نے جواب دیا۔ "چپ چاپ بیٹھے رہو۔ پیچھے ہمارے پڑوسی اسلم صاحب کی کار آرہی ہے انہیں پتا چل جائے گا کہ ہماری کار میں ایئر کنڈیشنڈ نہیں ہے۔

☆

ایک ماں نے اپنے بچے کو اسکول میں داخل کرواتے ہوئے کہا۔ "میرا بچہ حساس ہے اسے سزا ہرگز نہ دیجیے گا اگر یہ اتفاق سے شرارت کر بیٹھے تو اس کے برابر والے بچے کو زور سے تھپڑ مار دیجیے گا یہ خود بہ خود سمجھ جائے گا۔

☆

ایک خاتون نے ٹریفک سارجنٹ کو اپنی تیز رفتاری کی وجہ بتاتے ہوئے کہا۔

"میری گاڑی کے بریک خراب ہو گئے ہیں اس لیے میں چاہتی ہوں کہ کسی حادثے کے بغیر گھر پہنچ جاؤں۔"

سیدہ امبر ہاشمی۔ کراچی

اس ماہ عورت کے روپ......!

عورت ہی ظالم ہے۔ عورت ہی مظلوم، عورت ہی حاکم ہے، عورت ہی محکوم، عورت ہی ساس ہے، عورت ہی بہو، عورت ہی نند ہے عورت ہی بھابھی۔ اگر تمام فساد کی جڑ عورت ہے تو امن و امان کی فاختہ بھی عورت ہی ہے۔ ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ استحصال عورت ہی کا ~~ہوتا ہے~~ کہیں اسے کوڑیوں کے مول بیچ دیا جاتا ہے تو کہیں اسے پیر کی جوتی سمجھا جاتا ہے۔ وہ تمام ہوش مند مرد جو اپنی بیوی کو پیر کی جوتی سمجھتے ہیں کیا وہ اپنی ماؤں اور بہنوں کو بھی یہی درجہ دیتے ہیں کیوں کہ آخر وہ بھی تو عورتیں ہی ہیں۔

اگر عورت بھابھی کی شکل یا پھر نند کے روپ میں فساد کرواتی ہے تو ان "عقل مند" مردوں کو تو اپنی آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں اور انصاف سے کام لینا چاہیے۔ انہیں نہ تو بیوی کی محبت میں اندھا ہونا چاہیے اور نہ ہی ماں، بہنوں کے پیار میں پاگل۔ انہیں ہر بات کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد ہی دونوں فریقین میں سے کسی کو کچھ کہنا چاہیے۔

ہمارے ملک میں طلاق کی شرح میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ بھی عورتوں کے آپس کے جھگڑے ہیں۔ یعنی عورت ہی ظلم کرتی ہے اور عورت ہی ظلم سہتی ہے۔ عموماً جب کوئی ماں اپنے بیٹے کی شادی کر دیتی ہے تو اسے یہ خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ میرا ہونہار سپوت اس باہر والی (بیوی) کے چکر میں پھنس کر مجھے تو بھول ہی جائے گا۔ یہی سوچ بہنوں کی ہوتی ہے بس پھر شوہر کے کان کچھ اس طرح سے بھرے جاتے ہیں کہ وہ نہ صرف اپنی بیوی سے بدظن ہو جاتا ہے بلکہ اپنے بچوں سے بھی بے پروا ہو جاتا ہے۔

اگر یہ مرد اپنی عقل کے خانوں کو کھول کر سوچیں تو انہیں بخوبی احساس ہو جائے کہ وہ عورت جو اپنے اتنے پیارے رشتے چھوڑ کر آئی ہے تو کس کی خاطر؟ اپنے شوہر کی خاطر ہی نا!! اگر وہ شوہر بھی اسے اعتماد نہ دے، اس پر اعتبار نہ کرے تو پھر اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ ایک عورت اپنے شوہر سے صرف اعتبار چاہتی ہے۔ وہ اعتبار کا دامن تھام کر مشکل سے مشکل کام سر انجام دے لیتی ہے اگر وہ کوئی غلطی کرتی ہے تو شوہر کو پہلے اس سے بات کرنی چاہیے نہ کہ تین حرف کا استعمال کر کے اس کی زندگی اجیرن کر دے۔ اگر مرد طلاق کا ہتھیار استعمال کرتے ہیں تو اس سے نہ صرف ان کی بلکہ ان کے بچوں کی زندگی بھی داؤ پر لگ جاتی

ہے۔اس سے نہ توان کی بہنوں کا کچھ بگڑتا ہے اور نہ ہی والدہ کا۔ جب بہنوں کو اپنے بستے گھروں کو چھوڑ کر روز روز میکے والوں کی خدمت کے لیے آنا پڑتا ہے تو ان کی محبت کی قلعی بھی چار دن میں کھل جاتی ہے۔ اس لیے اپنے ہنستے بستے گھروں کو محض کسی کی باتوں میں آ کر اجاڑنے سے پہلے اپنے معصوم بچوں اور بے بس بیوی کی طرف سچے دل سے ایک نظر ضرور ڈال لیجیے تا کہ آپ کو حقیقت کا ادراک ہو سکے۔ باقی آپ مرد تو ماشاء اللہ ہوتے ہی عقل مند ہیں۔

نوٹ: یہ تحریر ان مظلوم بہوؤں کے لیے جو حقیقتاً اپنے سسرال والوں کے ظلم و ستم کا شکار ہیں نہ کہ ان کے لیے جنہوں نے اپنی ساس نندوں کو ناکوں چنے چبوائے ہوئے ہیں۔

ایس امتیاز احمد۔کراچی

اس ماہ کا

پاکیزہ جذبہ

جب تم کسی کو نظر انداز کرو
اور وہ تمہیں اس کا بدلہ
وفا سے دے
تو
جان لو
کہ وہ تمہیں خود سے زیادہ
اور سچی محبت کرتا ہے

ریما نور رضوان۔کراچی

اس ماہ کا افسانہ

خواب اور جگنو

اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وادی میں جگنوؤں کی تلاش میں وہ اس قدر دور چلی آئے گی کہ واپسی کا راستہ بھول بیٹھے گی۔

پہاڑی کے اس پار ایک دلکش وادی تھی جہاں تتلی اور جگنو کا کھیل ہوتا تھا۔ وہ روزانہ شام کو اپنے بابا سے آنکھ بچا کر جگنو پکڑنے نکل آتی تھی۔

اس شام بھی ایسا ہی ہوا لیکن گیٹ پار کرتے بابا نے اسے دیکھ لیا۔ ''پارس بیٹے کہاں جا رہی ہو؟'' اس نے فوراً اپنے بابا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''پلیز بابا جانی بس ایک جگنو کو پکڑ کر ابھی آجاؤں گی مجھے جانے دیں، پلیز بابا۔''

''او کے لیکن پرامس کرو کہ ابھی پانچ منٹ میں آؤ گی۔''

''جی بس یوں۔'' اس نے چٹکی بجائی اور بھاگ گئی۔

اس نے وادی میں جھانکا جہاں رنگ برنگ کی تتلیاں اور جگنو منڈلاتے ہوئے ایک خوشگوار احساس پیدا کر رہے تھے۔ اس نے اپنے سنہری بالوں کو بینڈ کیا اور ایک جگنو کو اپنی مٹھی میں چھپانے کے لیے بھاگ کھڑی ہوئی۔

شام کا منظر بھیگ کر خود کو رات کی تاریکی سمو رہا تھا لیکن وہ جگنو کو پکڑنے میں اس قدر مگن تھی کہ اسے پتہ ہی نہ چلا کہ وہ ایک ایسی جگہ آ گئی جہاں پہلے کبھی نہ آئی تھی اس نے اپنی چاروں طرف نظر دوڑائی تو ایک انجان جگہ تھی اور وہ راستہ کہیں نہ تھا جو اس کے گھر کی طرف جاتا تھا اردگرد جنگلی درندوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

جگنو پکڑنے کی خواہش اس پر اس قدر حاوی ہو گئی تھی کہ وہ اپنے پیارے بابا جانی سے کیا وعدہ توڑ بیٹھی تھی۔

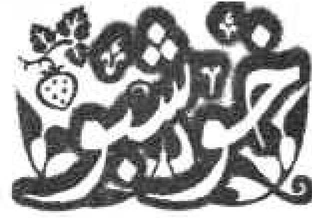
''اف نہیں۔'' اس نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھا اور چیخ اٹھی ''بابا جانی۔''

''پری بیٹے کیا ہوا، خواب میں ڈر گئی ہو۔ یہ خواب تھا اس نے اپنے بابا جانی کے ہاتھ پکڑتے ہوئے حقیقت کی دنیا میں آتے ہوئے سوچا۔

پارس نے شکر ادا کیا کہ راستہ بھولنے سے پہلے ہی اسے احساس ہو گیا کہ ''خواہشات کو اپنے اوپر اس قدر حاوی نہیں کرنا چاہیے کہ آپ اپنی منزل کھو بیٹھیں۔''

حریم فاطمہ۔جھنگ

☆



حضور اکرمؐ نے فرمایا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: ''ایک آدمی کسی دوسری بستی میں اپنے بھائی کی زیارت کے لیے گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھا دیا جو اس کا انتظار کر رہا تھا جب وہ شخص اس کے پاس سے گزرا تو فرشتے نے پوچھا۔

''تم کہاں جا رہے ہو؟''

اس نے کہا۔ ''اس بستی میں میرا بھائی رہتا ہے اس کے پاس جا رہا ہوں۔''

فرشتے نے پوچھا۔ ''کیا اس کا تم پر کوئی احسان ہے جس کی وجہ سے تم یہ تکلیف اٹھا رہے ہو اور اس کا بدلا اتارنے جا رہے ہو؟''

اس نے کہا۔ ''نہیں صرف اس لیے جا رہا ہوں کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔'' فرشتے نے کہا۔ ''میں تیری طرف اللہ کا فرشتہ ہوں (اور یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ) اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے محبت کرتا ہے جیسے تو اس سے صرف اللہ کے لیے محبت کرتا ہے۔'' (مسلم)

سیدہ نورین۔کراچی

محبت

محبت سے غم اور اداسی ضرور پیدا ہو گی وہ محبت ہی نہیں جو اداس نہ کر دے۔ (اشفاق احمد)

نوشین مدثر۔لاہور

کچھ کھٹا میٹھا

☆ اگر آپ کسی بے وقوف کی شکل نہیں دیکھنا چاہتے تو آپ کو پہلے اپنا آئینہ توڑنا چاہیے۔

☆ تجربہ بہترین استاد ہے لیکن اس مدرسے کی فیس بہت زیادہ ہے۔

☆ ڈپلومیٹ وہ شخص ہے جو ایک عورت کی سالگرہ کا دن تو یاد رکھے لیکن اس کی عمر بھول جائے۔

☆ تین آدمیوں میں راز، راز رہ سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان میں سے دو مر چکے ہوں۔

☆ ایک مرتبہ شادی کرنا فرض ہے دوسری مرتبہ حماقت اور تیسری مرتبہ پاگل پن۔

☆ ہجوم میں کئی سر ہوتے ہیں لیکن دماغ نہیں ہوتے۔

☆ مہمان چلے جانے کے بعد اکثر بہت اچھے لگتے ہیں۔

☆ جب دولت محو گفتگو ہوتی ہے تو کوئی قطع کلامی نہیں کرتا۔

☆ اپنے متعلق آپ خود کچھ نہ کہیں یہ کام آپ کے جانے کے بعد ہو جائے گا۔

☆ کوئی آئینہ انسان کی اتنی حقیقی تصویر نہیں پیش کر سکتا جتنی اس کی بات چیت۔

☆ خوشی امید کی ایک ''ماسٹر کی'' ہے، جس سے ہر بند دروازہ کھولا جا سکتا ہے۔

☆ انسان کی زندگی بھی پودوں جیسی ہوتی ہے کچھ کو پانی دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کسی کو راہ دکھاتے ہیں کچھ کو جنگل کے پودوں کی طرح خود سنبھالتے ہیں۔

امبرین حیدر۔اسلام آباد

نصیب والے

جھڑکیاں دینے والا، رعب جمانے والا، دھمکیاں دینے والا بھول چکا ہوتا ہے کہ وہ بھی انسان ہے۔ انسانوں پر رعب جمانے اور انہیں جھڑکیاں دینے کا اسے کوئی حق نہیں۔ ہر نفلی استحقاق صرف غرور نفس کا دھوکا ہے اور غرور انسان میں صرف اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک وہ بدقسمت نہ ہو۔ نصیب والے ہمیشہ عاجز و مسکین رہتے ہیں۔
(واصف علی واصف)

نورین ملک۔کراچی

سوچ ریزے

☆ کچھ ارادے کچھ فیصلے کچھ خواہشیں دریا کنارے بنی بستیوں جیسی ہوتی ہیں جنہیں کچھ پورا نہیں ہونا ہوتا۔ وقت مٹی کی ڈھیری میں تبدیل ہو جانا ہوتا ہے اور انسان کیا ہے ایک مٹی کی ڈھیری اور اکڑتا کتنا ہے؟

☆ کچھ لمحے ایسے بھی تو زندگی میں آتے ہیں جب دعائیں بھی پوری نہیں مانگی جاسکتیں اور ادھوری دعائیں بھی روگ جیسی ہوتی ہیں ہم کسی کا ساتھ مانگتے ہیں اور وہ مل بھی جاتا ہے لیکن پھر نباہ نہیں ہو پاتا۔ فطرتوں میں تضاد نکل آتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے جھگڑے پھیل کر جدائیوں کا دشت بن جاتے ہیں تو وجہ صرف یہی ہوتی ہے کہ ہم نے دعائیں ادھوری مانگی ہوتی ہیں۔ دعائیں تو بڑی مکمل بڑی جامع ہونی چاہئیں۔

عابد محمود۔ملکہ ہانس

یادیں!

چاہتوں کے سفر میں کچھ یادیں ہمارے ذہن و دل میں بہت گہرے نقوش مرتب کرتی ہیں۔ وہ یادیں ان خوشگوار لمحوں پر محیط ہوتی ہیں جو ہمارے لیے ان گنت مسکراہٹوں کا باعث بنتے ہیں جب کہ ان میں سے کچھ یادیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمارے لیے نہایت اذیت کا سبب بنتی ہیں۔ جس گھڑی ان یادوں کا دل پر نزول ہوتا ہے اس وقت ہماری آنکھوں سے بے اختیار اشکوں کا طوفان برپا ہو جاتا ہے۔ ہم اپنی زندگی سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ ہر نئی سانس ہمارے لیے ایک نئی اذیت کی پیامبر بن کر ابھرتی ہے۔ یہ یادیں ایک زہریلی ناگن کی شکل میں ہمیں ڈستی رہتی ہیں اور ان یادوں کا زہر ہماری روح و جسم میں سرائیت کر جاتا ہے۔ ہم اپنی زندگی سے اس زہر کو نکالنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں لیکن یہ زہر ہماری رگ و جان میں پیوست ہو جاتا ہے کیوں کہ جن لوگوں کو ہم اپنے دل میں بسا لیتے ہیں۔ ان سے وابستہ یادیں ہمارے دل میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ ہم ان یادوں کو بھلانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں لیکن زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر وہ یادیں ہمارے دل پر حملہ آور ہو جاتی ہیں اور پھر سے ان یادوں کے زہر آلود نشتر ہمارے دل میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ یہ یادیں ایک عذاب کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور یہ عذاب زندگی کی سانسوں کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے۔ ہم اپنے دل پر بوجھ تو محسوس کرتے ہیں لیکن اس بوجھ سے خود کو آزاد نہیں کر پاتے۔ ہم سانس تو لے رہے ہوتے ہیں لیکن "جی" نہیں سکتے۔ زندہ رہنے اور جینے میں فرق یہ ہے کہ جینے سے مراد ایسی زندگی بسر کرنا ہے جو خوشیوں سے بھرپور ہو۔ ہر لمحہ ہمیں نئی خوشیوں کا سامنا کرنا پڑے۔ ہمارے ساتھ ایک ایسا شخص ہو جس کا وجود ہمارے لیے سراپا خلوص ہو۔ ہم اپنی زندگی اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اس کی مرضی سے بسر کریں جب کہ محض زندہ رہنے کا مطلب ایسی زندگی بسر کرنا ہے کہ جس میں ہماری زندگی کی تمام تر خوشیاں ہم سے روٹھ چکی ہوں گویا ہم سانس تو لیتے ہیں لیکن ہمارا دل انہی یادوں کے جھرمٹوں میں کھو جاتا ہے اور ہم انہی یادوں میں تمام عمر بسر کر دیتے ہیں۔

ایس امتیاز احمد۔کراچی

تم کیا جانو کہ زندگی کیا ہے؟

زندگی بھی ایک ڈائری کی مانند ہے۔ جس کے ہر صفحے پر دن، تاریخ، ماہ و سال زندگی چسپاں ہیں۔ صفحہ ایک سے لے کر آخر تک زندگی اس پر بے شمار تاریخیں لکھتی ہے ہر تاریخ کی نوعیت زندگی کے مزاج پر منحصر ہے۔ جب یہ خوش ہوتی ہے تو دھنک کے ساتوں رنگ ڈائری پر سجاتی ہے اور جب ناخوش ہوتی ہے تو ماتمی سیاہ رنگ سے صفحوں کو کالا کر دیتی ہے۔ ہم اگر شروع سے آخر تک اسے پڑھتے جائیں تو پتہ چلے گا کہ تاریخ کے ساتھ ساتھ تحریروں میں پختگی سوچ اور تجربہ دکھائی دیتا ہے۔ لیکن افسوس کہ جوں ہی ہم ان تجربوں سے فیض یاب ہونے لگتے ہیں۔ ڈائری کے صفحات ختم ہو جاتے ہیں۔

ثناء کنول اللہ دتہ۔لودھراں

محبت

محبت اپنے عروج کے بعد زوال ضرور دیکھتی ہے۔ جس طرح خاموشی سے کوئی دل میں گھر کر جاتا ہے۔ اسی طرح بہت خاموشی سے کوئی اپنے سے پرایا بھی بن جاتا ہے۔ چند واقعات کے لیے محض کچھ لمحے ہی درکار ہوتے ہیں۔ کسی کے دل سے اترنے میں اور پھر دل کی زمین بنجر ہو جاتی ہے۔ وہاں محبت پھر کبھی پروان نہیں چڑھتی بس یادوں کی کھردری زمین رہ جاتی ہے۔

دانیہ آفرین۔کراچی

مرد اور عورت

مرد فطرتاً ایک بچہ ہے۔ جب کسی کی چاہت میں مبتلا ہوتا ہے تو پھر اسے پانے کے لیے اس کی کیفیت ایک ایسے ضدی بچے کی سی ہو جاتی ہے جسے اپنا من پسند کھلونا ہر حال میں چاہیے ہوتا ہے اور اس کے حصول کے لیے وہ خود کو سر بازار نیلام تک کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔

جب کہ ہمارے معاشرے کی عورت اکثر ایک ایسی خاموش جھیل کی مانند ہوتی ہے جس میں پتھر پھینکنے سے وقتی تلاطم ضرور پیدا ہوتا ہے مگر پھر شانت ہو جاتی ہے وہ جس سے محبت کرتی ہے اسے پانا بھی چاہتی ہے مگر جب کوئی راہ دکھائی نہ دے تو حالات کے آگے ہتھیار بھی ڈال دیتی ہے۔

دعاؤں کی چھاؤں میں وہ اپنی چاہت کو نم آنکھوں سے اپنے ہی ہاتھوں کسی اور کو سونپ دیتی ہے اور اف تک نہیں کرتی۔

زارا صدف قمر۔کراچی

دولت

دولت کا انبار کھاد اور کوڑے کے ڈھیر کی مانند ہے۔ جس شخص کے پاس یہ ڈھیر جمع رہتا ہے اس کے وجود سے اس کے گرد و نواح اور اس کی سانسوں سے بدبو کے بھبکے آتے رہتے ہیں لیکن جونہی کھاد کا یہ ڈھیر دور دور بکھیر دیا جاتا ہے اور آسمانوں سے اس پر شبنم کا نزول ہوتا ہے۔ تو اس میں سے خوب صورت رنگوں والے خوشبو دار پھول پیدا ہوتے ہیں جن کی خوشبو سے ساری کائنات مہکنے لگتی ہے۔

اشفاق احمد شہر آرزو۔صفحہ 368

ذرا سوچیے

☆ اندھیرا آپ کو اندھیرے سے باہر نہیں نکال سکتا صرف روشنی ہی ایسا کر سکتی ہے۔ نفرت آپ کو نفرت سے باہر نہیں نکال سکتی صرف محبت ہی آپ کو نفرت سے باہر نکال سکتی ہے۔

☆ جب تمہاری مخالفت حد سے بڑھنے لگے تو سمجھ لو اللہ تمہیں کوئی مقام دینے والا ہے۔

☆ عزت کے موتی پر اگر ایک بار میل آجائے تو سینکڑوں دریا بھی اسے دھو نہیں سکتے۔

☆ خوشامدیوں سے بچو وہ تمہیں کسی بھی جگہ ذلیل کروا سکتے ہیں۔ (حکیم اقلیوس)

☆ اگر تم سخت محنت کے عادی ہو تو مفلسی تمہارے نزدیک نہیں آئے گی۔ (زرتشت)

☆ اپنے سے اچھے کو تلاش کر، اپنے جیسے کے ساتھ تو عمر ضائع کر دے گا۔ (حضرت شیخ سعدی)

زارا صدف قمر۔کراچی

ذرا پھر سے کہنا

حمد

دھڑکنوں کا قرار اللہ ہو
زندگی کی بہار اللہ ہو
تیری رحمت کے سبب اب تک
ہے یہ روشن دیار اللہ ہو
سوکھی شاخوں کے سر برہنہ پر
پھر گلوں کا سنگھار اللہ ہو
خشک، بنجر، ویران دھرتی پر
بارشوں کی پھوار اللہ ہو
دنیا والے سب مان جائیں گے
ہے دلوں کا نکھار اللہ ہو
سب ترے کرم سے ہی ممکن ہوا
ہے جو گل کا وقار اللہ ہو

سباس گل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلی کھلتی ہے بسم اللہ کہتی ہوئی کھلتی ہے
بادل سے بوند ٹپکتی ہے بسم اللہ کہتی آتی ہے
بحر و بر بسم اللہ کہہ کر آواز سناتا ہے
پانی کا گھونٹ حلق سے جاتا ہوا بسم اللہ کہتا ہے جاتا
صبح کو آنکھ بسم اللہ کہتی ہوئی کھلتی ہے

فرخ سلطانہ

نیا سال

جانِ نور!
سنو جاناں
ٹھہرو
کچھ دیر بھلا کر ان پرانی باتوں کو
جو تمہارے میرے درمیاں آ گئیں ہیں
جو دوری کا سبب تھیں
آؤ جانِ نور
ہاتھوں میں ہاتھ لے کر
شانوں پر سر ٹکا کر
ایک دوجے کو بانہوں میں بھر کر
دسمبر کی دھوپ میں بیٹھ کر
اپنے درمیاں سے خفگیاں
غلط فہمیاں، دوریاں نکال کر
آؤ جانِ جاناں
مل جل کر تمام اگلی پچھلی باتیں یاد کریں
کہ تم کہاں صحیح تھے
میں غلط تھی
کہاں میں غلط تھی
تم صحیح تھے
اور......
کہاں وقت غلط تھا
اور کیا اچھا ہوا؟
کیا برا ہوا؟
بہکتی مہکتی جنوری کی دہلیز پر
کچھ رنگ زیست کے بکھیریں

ریما نور رضوان

نظم

دن ڈھلتا نہیں
دن گزرتا نہیں
کچھ بھی اب نہیں
بھاتا ہے مجھ کو
سب کچھ ادھورا ادھورا
سا
لگتا ہے
نہ بھوک لگتی ہے نہ ہی پیاس لگتی ہے
نہ آنکھ لگتی ہے
نہ ہی نیند آتی ہے
نہ سکون ملتا ہے
نہ ہی چین ملتا ہے
جاناں
جب تم مجھ سے
روٹھ جاتے ہو

افسانہ آفتاب کاوش

نظم

چاہتوں کی منزل تک
خواب نگر کے
رستے میں
گر رکاوٹیں انگنت
قدم تمہارے تھکا ڈالیں
چاہتوں کے بدلے میں
نفرتوں کے سنگی ہوں
پیار بھری باتوں کو
طنز بھرے لہجوں کا
سامنا ہر سو ہو
سن لو رفیق میرے
تم کو چلتے رہنا ہے
اس وقت تک کے تمہاری
خواب نگر تک جاتی راہ
تم کو چاہتوں کی منزل
تک خود ہی
حوصلوں کے ساتھی کو سنگ تمہارے
ہمقدم نہ کر دے

مریم ماہ منیر

اگر

سر پٹختے
ایڑیاں رگڑتے
ہر اک کو
مناتے
روتے
چیختے
چلاتے
اگر
ضد کرنے سے
تم مل جاتے

جہاں آفتاب

محبت کے اسیر

محبت کے اسیر اکثر
محبت تسخیر نہیں کر پاتے
ہتھیلی پر دمکتی
ہیرے جیسی چاہت
کوئلہ سی لکیروں میں بدل ڈالتے ہیں
محبت کے مطلب، معانی، معیار سے عاری
اپنی سوچوں کے قافلوں کو
ہر سمت دوڑاتے رہتے ہیں
جذبے پرکھتے ہیں
وفائیں تولتے ہیں
کبھی اس سے
کبھی اس سے ملاتے رہتے ہیں
یہ محبت کی شدتیں ہی اکثر
اس کی روح کو گھائل کر جاتی ہیں

یہ دوسروں کو
موردالزام ٹھہرانے والا "عشق"
اپنی مات کا اکثر
خود ہی سبب بنتا ہے
منہ زور دل کی
لامتناہی خواہشیں
بے پناہ حسرتیں
جو پیار کے رستوں پر بھی
پرجوش قدم چاہتی ہیں
اور خفگی کے محاذ پر بھی
جنگ کی قائل ہیں
پھر وہ خود کو سزا کیسے سنائے؟
جو محبت! خود اپنی ہی قاتل ہے
اپنی عجلت، کم ہمتی، ناقدری سے اکثر
انمول سپنے تعبیر نہیں کر پاتے
عہد ناموں کے محل اوسارنے والے
اعتبار تعمیر نہیں کر پاتے
محبت کے اسیر اکثر
محبت تسخیر نہیں کر پاتے

حمیرا فضا

غزل

آنکھوں میں انتشار بڑی دیر تک رہا
کل اس کا انتظار بڑی دیر تک رہا
کل اس کی یاد نے مجھے تڑپا کے رکھ دیا
دل میرا بے قرار بڑی دیر تک رہا
شاخِ وفا پر پھول کوئی کھل نہیں سکا
گو موسم بہار بڑی دیر تک رہا
اس نازنین کو رب نے دیا ہے عجیب حسن!
چاند اس پہ جاں نثار بڑی دیر تک رہا
سچ ہے کہ مجھ کو ترکِ تعلق کے باوجود
اس بے وفا سے پیار بڑی دیر تک رہا

حکیم خان حکیم

دیارِ یار

ذرا پوچھو تو مجنوں سے دیارِ یار کی قیمت
کہ کیوں وہ چومتا تھا شہرِ لیلیٰ کی گزرگاہیں
زلیخا کے قصرِ یوسفؑ گئے کتنے مراحل میں
مگر یعقوبؑ سا یارو کہاں سے ہم جگر لائیں
نہیں میرے محمدؐ کا زمانے میں کوئی ثانی
کرے فائق نہ کیوں ان کے مدینے کی تمنائیں

عمران فائق

غزل

شامل جو محبت میں اذیت نہیں ہوتی
اے دل کبھی تکمیل جمعیت نہیں ہوتی
جو ہوش نہ ہو سر کا وہ ہوتی ہے عبادت
سر سجدے میں رکھنے سے عبادت نہیں ہوتی
کچھ اپنے ہیں اپنوں کا گلہ کس سے کریں ہم
کچھ غیر ہیں تو غیروں سے شکایت نہیں ہوتی
جان دینے کا تمہیں شوق ہے تو سن لو
مقتل میں تڑپنے کی اجازت نہیں ہوتی

فرزانہ شوکت

لڑکیاں!

کتنی نادان ہوتی ہیں لڑکیاں
بچپن سے خواب بنتی ہیں لڑکیاں
ماں باپ بھائیوں کی سلامتی کے لیے
خدا سے سجدہ رو ہوتی ہیں لڑکیاں
ماں باپ کا مان رکھتی ہیں
بھائیوں پر جان چھڑکتی ہیں لڑکیاں
نازک سا ارمان دل میں لیے رکھتی ہیں
زندگی میں بس پیار چاہتی ہیں لڑکیاں
کانچ کی چوڑیوں سے خوش ہونے والی
سچا ہمسفر چاہتی ہیں لڑکیاں

ایس امتیاز احمد

غزل

اس نے جب درد بڑھانے کا ہنر سیکھ لیا
میں نے بھی اشک چھپانے کا ہنر سیکھ لیا
اس نے سیکھا ہے ہنر قطع تعلق جب سے
میں نے ہر طور نبھانے کا ہنر سیکھ لیا
روٹھ جانے کا اسے شوق ہوا ہے جب بھی
میں نے ہر بار منانے کا ہنر سیکھ لیا
سامنا ہونے لگا ہے میرا رسوائی سے
جب سے آئینہ دکھانے کا ہنر سیکھ لیا
بھول جائے گا بشارت وہ سبھی کھیل تماشے
میں نے جب چھوڑ کے جانے کا ہنر سیکھ لیا

سید بشارت شاہ

نظم

اے دلبرانہ یاراں تو نے چھوڑ دی
وہ الفت وہ عنایت
وہ خوشیاں ہزاروں
وہ امر لمحوں کی سادگی
وہ بات بے بات کھلکھلانا
وہ لوٹ کے اب نہیں آئے گا زمانہ
وہ بہاروں کی خوشیاں نہ نکھریں گی وجدان کو
وہ تتلیاں نہ چھوڑیں گی رنگ بوؤں پر
وہ آشیانہ نا اب روشن ہو گا تیرے وجود سے
جس میں نہ ہو گی مسکراہٹ تیری
وہ شاعروں کے لہجوں میں نا ہوں گی
نہ ہو گی نینوں میں آگہی سرور کی
کہ اے دلبرانہ یاراں لوٹ آ اب کہ
دسمبر گزار ئیں بھیگی بھیگی رت ہے ابھی
کہ آملا کر جنوری کو خوش آمدید کہیں

سارہ احسان

نظم

تیری یادوں کی روانی
اور یہ جنوری
میری باتیں تری کہانی
اور یہ جنوری
میرا ہاتھ تیرا ساتھ اور لمبی سڑک
اور یہ جنوری
گم سم شامیں سنہری راتیں
اور یہ جنوری
بہتی ندی گاتے پنچھی اور اڑتی دھند
اور یہ جنوری
کافی، بستر، تری محبت
اور یہ جنوری
تنہا من، تنہا چاند میرا کمرا
اور یہ جنوری
میری آنکھیں، میری نیند، تیرے خواب
اور یہ جنوری

ثناء کنول اللہ دتہ

غزل

وہ اپنہ چال بدلتا نہیں کبھی
پھول سائے کے ساتھ چلتا نہیں کبھی
دے کے داغ جدائیوں کے ہمیں
میرے غم میں تیرا پیار ڈھلتا نہیں کبھی
تیری سوچوں کے گہرے سمندر میں
یہ دل میرا پھر سے ڈوبتا نہیں کبھی
فضا صاف ہے تیرے پیار کی طرح
کوئی کسی کے غم میں جلتا نہیں کبھی
ہم کیوں نہ بدل لیں راہیں اپنی جاوید
یہ دل کسی کی یاد میں دھڑکتا نہیں کبھی

محمد اسلم جاوید

غزل

وہ جس کی خاطر ہر رشتہ چھوڑتا چلا گیا
ایک خواب تھا وہ بھی ٹوٹتا چلا گیا

ستاروں کو چھونے کی تمنا میں جو آگے بڑھا
سفاک تھا اس قدر زمانہ روندتا چلا گیا
جانے کیوں دلوں میں اس قدر کدورتیں آگئیں
بھری محفل میں ہی وہ منہ موڑتا چلا گیا
خوابوں ہی خوابوں میں ٹوٹے ہوئے خوابوں کو
خوش فہمیاں اس قدر کہ جوڑتا چلا گیا
شہرتوں سے بھلا مجھے کیا مطلب سحر
ایک احساس تھا جو ان کی طلب میں جھنجوڑتا چلا گیا

سحر مبین

آنسو

میں مر بھی جاؤں
تو
میرے جنازے کے قریب
مت آنا
کیوں کہ
میرے ہاتھ نہیں اٹھیں گے تیرے
آنسو پونچھنے کے لیے

کاوش اقبال

دسمبر کی آخری رات

دسمبر کی آخری رات
گزرے سال کے نقش خالی دالان
جنوری کی کن من میں
بھیگی راتیں، نرم کرنوں کا دان
فروری کے رومانوی رنگ میں
محبت کے جنم، عہد و پیمان
مارچ کی مہکتی فضا میں
ہنستے چہرے، بھیگتے نین
اپریل کی بوجھل چادر میں
اداس آنکھیں، دل بے چین
مئی کے بدلتے تیوروں میں
جلتا سورج سلگتے چمن
جون کے تپتے صحرا میں
آبلہ پا وصال کٹھن
جولائی کی پگڈنڈی پر
آنکھیں سونی خواب رہن
اگست کے کیواڑوں سے
جھانکتے جیسے دل ناداں
ستمبر کی سرشاری میں
گنگناتے لب حسین گمان
اکتوبر کے سرمست بادل پر
پیار کے پرندے تیر کمان
نومبر کی آنکھ مچولی میں
سجتے سپنے، ہم حیران
دسمبر کی خنک ہواؤں میں
ٹھٹھرتا لان، تیرے وجدان
دسمبر کی اس آخری رات میں پھر......
تیری آہٹ کے امکان دل خوش گمان

نائلہ طارق

سال نو

اب کے جو نیا سال آئے
سب کے لیے خوشیوں کا پیغام لائے
نہ کسی دل میں کدورت رہے
نہ کسی دل میں رنجش رہے
نہ کسی دل میں غموں کا بسیرا ہو
نہ کوئی آنکھ آنسوؤں سے نم ہو
کسی کے ہاتھ سے نہ کوئی ہاتھ چھوٹے
نہ کوئی اپنا کسی اپنے سے روٹھے
سب بچھڑے ہوؤں کو ملائے
اب کے جو نیا سال آئے
سب کے لیے خوشیوں کا پیغام لائے

رابعہ افضال خان

اے سال نو

اے سال نو

تو اپنے ساتھ
بہار لانا
جس سے پھول کلیاں سب کھل اٹھیں
ایسی خوشبو لانا
جو ہر سو تازگی بکھیر دے
ایسا موسم لانا
جس سے دکھ مٹ جائے
غم چھٹ جائے
دلوں پر چھائی گرد بھی ہٹ جائے
سال نو تو اپنے ساتھ
ایسی صبا لانا
جو نفرتوں کو کدورتوں کو مٹا دے
سال نو تو ایسا آفتاب لانا
جس کی روشنی سے اندھیرے چھٹ جائیں
جس کی کرنیں باہم امید ہوں
اے سال نو ایسی شام لانا
جو سب رنج و ملال اپنے اندر سمیٹ لے
ایسے تارے اور چاند لانا
جو محبت کا پیغام ہوں
اے سال نو تو میرے ہم وطنوں کے لیے
امن لانا
سکون لانا
چین لانا
خوشیاں لانا

دانیہ آفرین

شب غم

آج شب پھر کوئی بچہ فاقے سے سویا ہے
پھر اک بے بس باپ خون کے آنسو رویا ہے
سیاست کے دیوانوں سے اک مزدور گویا ہے
ہڑتالوں نے کیا دیا ہے؟ کیا پایا کیا کھویا ہے؟
غربت کے ماروں نے پھر بوجھ نیا اک ڈھویا ہے
حالت یہ ہے مہمانوں کی آمد پر سفید پوش رویا ہے
لیکن فکروں سے آزاد اور چین سے کب وہ سویا ہے
بس سوچوں میں رہتا ہے گم سم کیا کاٹا کیا بویا ہے؟
اس شہر میں بسنے والوں نے خون کو اپنے دھویا ہے
قاتل مقتول کے جنازے پر آ کر زور سے رویا ہے
انصاف تو اندھا ہے اور ہمت کہنے کی کس میں
میرے شہر کو میرے لہو میں تم نے ہی تو بھگویا ہے

ثمینہ فیاض

پکار

شام کے دھندلکے
ڈوبتا سورج
لوٹتے پنچھی
لہراتا آنچل
یادوں کے جھونکے
بہتے آنسو
بھیگی پلکیں
بوجھل من
تنہا میں اور ایک پکار
لوٹ آؤ ناں

صائمہ قریشی۔ آکسفورڈ

اے نئے سال

اے نئے سال!
میری دعا ہے اس سال
کچھ ایسا کرنا
پیار کرنے والوں کا دامن
سچی خوشیوں سے بھرنا
سب نفرتیں، کدورتیں، غلط فہمیاں
دلوں سے ختم کرنا
خلوص، پیار، وفا، چاہت سے
سب پیاروں کے دامن بھرنا اور
انہیں سدا سلامت رکھنا (آمین)

امینہ رؤف، مصباح مسکان

......☆......

سندیسے

صائمہ قریشی.............آکسفورڈ

السلام علیکم! ردا قارئین کی خدمت میں صائمہ قریشی کا پہلا پیار بھرا سلام۔ ''سو جان سے دل ہارے'' ردا میں میری پہلی تحریر۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرے اس بیٹھے بٹھائے آتے خیال کو اتنی پذیرائی ملے گی۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کن الفاظ میں، میں ان ڈھیروں میسجز کا شکریہ ادا کروں جو میری اس شوخ سی تحریر کے بعد آپ سب کی طرف سے ملے۔ اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔ اس کے بعد میری فیملی کی حوصلہ افزائی اور پھر میری وہ بہت پیاری سی فرینڈز جن کی وجہ سے جن کے پیار کی وجہ سے میں قلم کو رکھ نہیں پارہی ہوں سب کا نام لینا ممکن نہیں ہے کیوں کہ میری یادداشت کبھی کبھی باداموں کی مرہون منت ہو جاتی ہے اور پچھلے کچھ دنوں سے مصروفیت کی وجہ سے بادام کھانے کا ٹائم نہیں مل رہا ہے۔ کسی کا نام رہ گیا تو بھرم ٹوٹ جائے گا۔ اچھا بھلا امپریشن خراب ہو جائے گا (ہاہاہا)۔ میں صالحہ آنٹی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جن کی سپورٹ نے بہت خوشی دی۔ اور انشاء اللہ بہت جلد آپ ردا کے صفحات پر صائمہ قریشی کی ایک اور طویل تحریر دیکھ سکیں گے۔ آپ سب کی محبتوں کی حوصلہ افزائی کی مجھے بہت ضرورت رہے گی۔ آپ سب کے تبصرے تعریف و تنقید کا انتظار رہے گا۔ بہت ساری دعاؤں اور نیک خواہشات کے ساتھ آپ سب کی اپنی صائمہ قریشی۔

افشاں علی.......................کراچی

بہت ساری دعاؤں و نیک تمناؤں کے سنگ افشاں علی حاضر ہے۔ سنٹا کلاوز کی مانند دعاؤں و محبتوں کے نگینے حرفوں کی صورت بکھیر نے افشاں علی آپ سب کی بزم میں حاضرِ خدمت ہے۔ وقت کا تند و تیز دھارا ہر شے کو بہا کر لے جاتا ہے۔ ابھی سال کا آغاز ہوا تھا کہ اختتام آپہنچا۔ پلک جھپکتے سال بیت چلا زندگی کی راہ گزر نے ایک اور سال کی مسافت طے کر لی۔ شب و روز، ماہ و سال کا پر پیچ سفر راہ میں کتنے ان دیکھے موڑ آئے اور گزرتے چلے گئے۔ کبھی منزل ملی تو کبھی سراب، کبھی عروج تو کبھی زوال پر زندگی کا سفر رائیگاں نہ گیا اور یوں ہی گزرتا چلا۔ نئی خواہشوں نئے خیالوں نئی امیدوں اور نئے خوابوں تلے ایک اور سورج طلوع ہونے کو ہے۔ سال نو دہلیز پر آکھڑا ہے اور سالِ گزشتہ یادوں کی کھڑکی سے دبے پاؤں رخصت ہو چلا۔ دعا گو ہوں کہ نیا سال ہم سب کی زندگی میں روشنی بن کر آئے اور ہمارے ملک میں امن سلامتی اور خیر کا اجالا ہو، آمین۔ اب باری آتی ہے خنک سرد و خنکی بھرے دسمبر کی۔ ٹائیٹل بے حد پسند آیا جیسے کوئی معصوم الہڑ سی دوشیزہ نئی نویلی دلہن کی مانند شرمیلی سی نگاہ و خوب صورت سی مسکراہٹ لیے نئے سال کی منتظر ہو۔ سب سے پہلے فہرست پر نگاہ دوڑائی اتنے سارے افسانے واؤ زبردست وہیں اپنے افسانے کو بھی شامل دسمبر دیکھ کر از حد خوشی ہوئی۔ آپی آپ کی سرگوشیاں پڑھیں۔ آپی ان مصنفات میں میرا

تو شمار نہیں نا جو تکبر کرتی ہیں کیوں کہ میں تو بڑی اچھی سی پیاری سی بچی ہوں نا (آہم) اور سندیسے میں شامل بھی رہتی ہوں اللہ تکبر سے بچائے۔ تمام سلسلے وار ناول اپنی اپنی رفتار سے اپنے اپنے مدار میں محو سفر نظر آئے۔ تمام رائٹرز کا کام و نام قابلِ تعریف ہے۔ ایمان علی کا تلخ و غریب گھرانے کی مالی حالات کی عکاسی کراتا اور اللہ پر بھروسا بڑھاتا ناولٹ اچھا تھا۔ اس بار اتنے سارے افسانے شامل دسمبر رہے کہ کس کس کے بارے میں لکھوں ''اس بحر کرب میں''، ''ہم کئی بار مرنے والے تھے''، (ریمل آرزو کی ردا میں یہ پہلی تحریر تھی۔ آپ کو بہت سارا ویلکم)، ''دسمبر کی شام''، ''خوشیوں کے آنگن میں''، ''رفاقتوں کے نئے خواب'' لے کر چلی آئی۔ ''وقت کا دست ستم دیکھیے۔ ''دسمبر'' آیا پر ''وہ لمحہ نہیں ملا''، ''معمولی گرہ کھلی تو ''پچھتاوا'' (عائشہ خان آپ کو بھی ویلکم) اور ''احساس'' نے ''تہی داماں لوگوں'' کو گھیر لیا۔ الغرض ہر تحریر اپنی جگہ اچھی رہی۔ اب کے دسمبر میں میری ایک نظم بھی شامل رہی میرے افسانے ''معمولی گرہ'' کے بارے میں آپ اپنی رائے ضرور دیجیے گا۔ پیاری ریما نور! میرا وجود ریزہ ریزہ کہانی آپ کو بے حد پسند آئی اور اپنے دل کے قریب تر لگی۔ آپ کی پسندیدگی کے لیے بہت بہت شکریہ ڈیئر۔ ساتھ ہی پیاری سی کیتی آراء، زاہدہ ہاشمی، ثناء کنول اللہ دتہ اور اچھی سی صباء عبدالغنی میری پیاری دوستوں میری تحریر و سندیسے کو پسند کرنے آپ سب دوستوں کے نام پیغام میں ثناء کنول اللہ دتہ کی جانب سے اپنے نام پیغام دیکھ کر از حد خوشی ہوئی۔ پیاری دوست آپ مجھے بے حد عزیز ہو۔ یہ قلمی دوستی یوں ہی برقرار رکھیے گا۔ باقی ردا کے تمام سلسلے چاہے اشعار ہوں یا شاعری، کچن ہو یا بیوٹی ٹپس سب ہی اچھے اور کارآمد ہوتے ہیں۔ اب بہت ساری دعاؤں پیار و چاہت اور نیک تمناؤں کے سنگ افشاں علی کو اجازت سندیسے کے سنگ ہمارا اور آپ کا تعلق و رشتہ یوں ہی برقرار رہے، آمین۔

نائلہ طارق.....................کراچی

السلام علیکم! صالحہ آپی اور ردا کے تمام قارئین اور مصنفات، آپ سب کو نئے سال کی بہت بہت مبارک باد۔ دسمبر کا شمارہ بھی بہت زبردست رہا۔ ہمیشہ کی طرح سرورق سے آخر تک آپی کی حوصلہ افزائی اور ہماری نئی رائٹرز کے اضافے نے ردا کو مزید چار چاند لگا دیے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نئی رائٹرز بہت محنت کر رہی ہیں۔ سب ہی بہت اچھا لکھ رہی ہیں اس لیے ان کو پڑھنا بھی بہت اچھا لگتا ہے۔ مجھے ان سے بہت کچھ نیا سیکھنے کو ملتا ہے جب کہ اپنی سینئر رائٹرز کو پڑھنے سے قلم میں نکھار آجاتا ہے۔ مجھے یاد ہے۔ ایک بار آپی نے مجھ سے کہا تھا کہ ''لکھتی رہو قلم نہیں رکنا چاہیے'' دیے سے دیا جلتا ہے۔ میں اپنی ساتھی نئی رائٹرز سے بھی یہی کہوں گی کہ آپ سب لکھنے کا سفر جاری رکھیں۔ ردا ڈائجسٹ میں مصنفات کا کارواں بڑھتا جا رہا ہے۔ ماشاء اللہ ردا کی کامیابی قابلِ تحسین ہے جس کے لیے میں صالحہ آپی اور ردا کے تمام اسٹاف کو مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ نومبر کے شمارے میں سب سے پہلے آپی کے ''میرا پیار کا پہلا شہر'' نے سحر میں جکڑا تھا۔ بہت عمدہ اپنے نام کی طرح۔ آپی! سب کی طرح میری بھی یہ فرمائش ہے کہ آپ کے قلم سے ایک اور اب شاہکار ناول ردا کی رونق بڑھانے آجائے۔ آخر میں تمام قارئین جو میری تحریر پڑھتی ہیں۔ رائے دیتی ہیں۔ جزاک اللہ۔ یہ سب میرے لیے بہت معنی رکھتا ہے۔ آخر میں ایک بار پھر آپ سب کو نئے سال کی ڈھیروں مبارک باد۔

رابعہ افضال خان.............کراچی

پیاری اینڈ سویٹ سی صالحہ آپی ردا اسٹاف اور ردا کی سب ہی رائٹرز و قارئین کو رابعہ افضال خان کی

طرف سے نئے سال کے آغاز کے ساتھ محبت کی چاشنی سے لبالب بھرا سلام قبول ہو اور ساتھ ہی نیا سال بھی مبارک ہو۔ خدا کرے یہ سال ہم سب لوگوں کے لیے ڈھیروں خوشیاں اپنے سنگ لائے، آمین۔ اب بات ہوجائے دسمبر کے ردا کے سرورق پر موجود فارینہ اپنے نام کی طرح پیارے سے ہیئر اسٹائل اور میک اپ کے ساتھ بہت منفرد اور پیاری لگی پھر ''گوشہ آگہی'' کی طرف بڑھے اور صالحہ آپی کے گوشہ آگہی کو پڑھ کر دسمبر سے جڑی کچھ یادیں تازہ ہوگئیں۔ آپ کی طرح دسمبر میرا بھی بہت فیورٹ ہے۔ دھند میں لپٹے بھیگے بھیگے سے دسمبر کی تو کیا ہی بات ہے۔ آئی لو دسمبر۔ ''ردائے جنت'' ہمیشہ کی طرح بہت دلچسپ لگا۔ شازیہ جی ''تجھ سے مانگوں میں تجھ کو'' کی قسط زبردست لگی۔ شہریار اور حسنیٰ کی نوک جھونک نے بے ساختہ چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی۔ نائلہ طارق جی ''جو عشق میں بتی وہ عشق ہی جانے'' ہمیشہ کی طرح اس بار بھی سپر ہٹ رہا۔ جبلا نے اچھا مشکل میں ڈالا تھا۔ بے چارے عثمان کو عارش کے سامنے مگر بہت مزہ آیا۔ روشانے عبدالقیوم ''مشرق کی شہزادی'' کی یہ قسط بھی زبردست رہی۔ مگر بے چارے آکاش کے لیے افسوس بھی ہوا۔ قمروش شہک جی ''تیرے پیار کی خوشبو'' کی یہ قسط بھی ہمیشہ کی طرح دل چھو گئی۔ افسانے میں افشاں علی، عائشہ خان، مہرین کنول، یاسمین اختر، حافظہ مون شاہ، امبر افگن، ایقان علی، ریمل آرزو، شاء کنول، حنا اصغر، نائلہ طارق، شاہدہ علی، مدیحہ اعجاز سب ہی نے اپنی اپنی جگہ بہت اچھا لکھا۔ صائمہ قریشی ''سوجاں سے دل ہارے'' نام کی طرح زبردست ناول تھا۔ ایمان علی آپ نے بہت اچھے موضوع پر قلم اٹھایا۔ واقعی اللہ پر بھروسہ ہمیں ہماری سوچ سے بڑھ کر نوازتا ہے اس ماہ میں افشاں علی، سعدیہ عابد، سیدہ فرزانہ حبیب فرزین نے زبردست لکھا۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' افشاں علی، یاسمین آفریدی، سعدیہ عابد نمبر لے گئیں۔ ''سندیسے'' میں ریما نور رضوان، گیتی آرا، صبا عبدالغنی نے بہت اچھا اور تفصیلی تبصرہ کیا۔ ثریا اقبال ''کچن'' میں مزے دار سوپ کی ڈشز دیکھ کر منہ میں پانی بھر آیا۔ ''سنگھار'' میں موسم سرما سے متعلق بیوٹی گائیڈ بھی اچھی تھیں۔ ریما نور رضوان جی اور صبا عبدالغنی جی آپ لوگوں کا بہت شکریہ کہ آپ نے میرے ناول کو اتنا پسند کیا اور سراہا اور سندیسے میں اپنی قیمتی رائے سے آگاہ کیا اس کے لیے میں آپ کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ آپ لوگوں کی قیمتی رائے میرے لیے بہت اہم ہے۔ سعدیہ عابد جی اور افشاں علی جی آپ دونوں اس بار کہاں غائب ہوگئیں سندیسے کی محفل سے۔ صالحہ آپی نئے سال کے آغاز پر آپ کے لیے اور باقی تمام اسٹاف رائٹرز و قارئین کے لیے بہت ساری دعائیں خدا ہم سب کے لیے نیا سال ڈھیروں ڈھیر خوشیاں لائے (آمین)۔ خدا ردا کو بھی دن دوگنی ترقی سے ہم کنار کرے اور آپ کو صحت و تندرستی عطا کرے، آمین۔ اس کے ساتھ ہی اجازت چاہوں گی زندگی رہی تو انشاء اللہ پھر سندیسے کی محفل میں حاضر ہوں گی۔ آپ سب اپنا بہت خیال رکھیں اور رابعہ افضال خان کو اجازت دیں اللہ حافظ۔

افسانہ آفتاب کاوش..........کراچی

پیاری آپی جی! پھولوں جیسی مسکان رکھنے والی آپی کو میرا محبت بھرا سلام قبول ہو۔ آپی! آپ اور نورین ملک جس خوب صورتی سے ردا جیسے خوب صورت گلدستے کو سجاتی ہیں اس کی تعریف لفظوں سے ادا ہو ہی نہیں سکتی۔ سب سے پہلے ''گوشہ آگہی'' پڑھا۔ اسلامک معلومات کافی حاصل ہوئیں۔ آپ بہت ہی پیاری باتیں کرتی ہیں۔ پھر ''ردائے جنت'' سے مستفید ہوئے۔ فہرست میں آپ کی تحریر دیکھ کر میرا سیروں خون بڑھ گیا اور سب سے پہلے آپ کا ناولٹ پڑھا۔ آپی یقین جانیے آپ نے خوب بلکہ

لکھنے کا حق ہی ادا کردیا۔ بہت خوب لکھا آپ نے تمام سلسلے وار ناول بھی زبردست طریقے سے آگے بڑھتے جارہے ہیں۔ پھر میں نے افشاں علی کا افسانہ پڑھا۔ واہ بہت ہی بہترین۔ تمام مکمل ناول بھی اپنی مثال آپ تھے۔ مستقل سلسلے بھی رنگا رنگ تحریروں سے مزین تھے۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں میری غزل چھپی۔ مجھے دل سے خوشی ہوئی۔ یہ غزل میں نے اپنے بے قرار دل کو قرار دینے کے لیے لکھی تھی وہ بھی صبح کے پانچ بجے، شکریہ۔ رضوانہ کی شاعری بھی اچھی تھی۔ عمران فائق اور سحر مبین کی شاعری بھی مجھے پسند آئی۔ آپ تمام پڑھنے والوں کا میں دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جن لوگوں کو میری تحریر اچھی لگتی ہے۔ آپ لوگوں کی حوصلہ افزائی سے ہی مجھ میں لکھنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ ''سندیسے'' میں افشاں علی اکثر ہی مجھے عزت بخشتی ہیں۔ میری خواہش ہے کہ میں بھی بالمشافہ ملاقات کروں آپ سے۔ میرے دوستوں کے نام پیغام میں شاء کنول اللہ دتہ نے بھی مجھے یاد کیا۔ میں ٹف روٹین کے باعث لکھ ہی کم رہی ہوں مگر لکھنے لکھانے کا سلسلہ میں جاری رکھوں گی کیوں کہ آپ جیسے پیارے دوستوں کا ساتھ جو میرے ساتھ ہے۔ مجھے آپ سب جن کا نام میں لکھ نہیں سکی معذرت قبول کیجیے۔ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

مہرین کنول..........کراچی

ردا کی جان اور ہم نئے لکھاریوں کے اوپر سایہ فگن صالحہ آپی اور ردا اسٹاف و رائٹرز و قارئین کو مہرین کنول کا پیارا بھرا السلام علیکم! اٹ از سو سویٹ آئی لو ٹو دسمبر خوب صورت سرد موسم کا مہینہ سال کے آخر کا مہینہ۔ ٹھنڈی ٹھنڈی بارش و ہواؤں کا مہینہ جو جنوری فروری نئے سال کے مہینوں میں منتقل ہوجاتا ہے۔ میری دعا ہے نیا سال پاکستان کے لیے ترقی و خوش حالی کا پیغام لائے۔ ''ردائے جنت'' اسلام، ایمان اور احسان کے بارے میں معلومات فراہم کر گیا جس سے وراحت کا احساس ہوا۔ سلسلے وار ناول ''تجھ سے مانگوں میں تجھ کو''، ''جو عشق میں بتی وہ عشق ہی جانے''، ''تیرے پیار کی خوشبو'' اور ''مشرق کی شہزادی'' زبردست جارہے ہیں۔ صائمہ قریشی جی ''سو جان سے دل ہارے'' میں آپ نے کمال کردیا مجھے آپ کی تحریر پسند آئی ہے۔ ناولٹ ''بھروسہ'' ایمان علی جی کیا ہی کہنے آپ کے۔ اتنی ایمان افروز بات پھیلانے کی کوشش کی ہے کہ ہمیں ہر حال میں اللہ پر توکل رکھنا چاہیے ویلڈن۔ افسانوں میں افشاں علی جی کا ''معمولی گرہ''، عائشہ خان جی کا ''پچھتاوا''، یاسمین اختر جی کا ''وقت کا دستِ ستم''، ایقان علی جی کا ''خوشیاں ڈھونڈھیں گے''، حافظہ مون شاہ جی کا ''دسمبر''، امبر افگن جی کا ''وہ لمحہ نہیں ملا''، ریمل آرزو جی کا ''ہم کئی بار مرنے والے تھے''، شاء کنول جی کا ''تہی داماں لوگوں''، حنا اصغر جی کا ''خوشیوں کے آنگن میں''، نائیلہ طارق جی کا ''اس بحرِ کرب میں''، شاہدہ علی جی کا ''رفاقتوں کے نئے خواب''، مدیحہ اعجاز کا ''احساس'' سب ہی ٹھنڈے موسم میں گرم و سرد سے افسانے ردا کی لڑی میں موتیوں کی طرح پروئے ہوئے بے حد حسین لگے۔ جن کو پڑھ کر بے اختیار منہ سے نکلا ماشاء اللہ۔ اب آتی ہوں مستقل سلسلوں کی طرف جو کہ ردا کی ڈائری، ذرا پھر سے کہنا، خوشبو، اس ماہ میں اور دوستوں کے نام پیغام بے حد پسند آئے۔ میری پیاری سہیلی ریما نور رضوان جی آپ کا محبت و خلوص بھرا سلام ہمارے سر آنکھوں پر۔ آخر میں اہلِ وطن اور ردا اسٹاف کو مہرین کنول کی طرف سے نیا سال مبارک ہو۔ نئے سال کی خوشیاں مبارک ہوں۔

دانیہ آفرین..........کراچی

صالحہ آپی، نورین ملک اور ردا کے تمام رائٹرز و قارئین کو میرا پیار بھرا سلام۔ سب سے پہلے تو

معذرت میں پچھلے دو تین ماہ سے سندیسوں کی محفل میں شرکت نہیں کر پائی۔ معذرت کے بعد اب بات ہو جائے ہماری ناراضی کی۔ دسمبر میں ہمیں افشاں علی کا مسکراتا خوشیاں ورنگ بکھیرتا خط پڑھنے کو نہیں ملا۔ ہم آپ سے ناراض ہیں ایسے تو نہیں کرتے نا ہمیں عادت سی ہو گئی ہے۔ سب سے پہلے آپ کا خط پڑھنے کی چلو اب مجھے اپنی سب سے فیورٹ، چوڑیوں کا سیٹ گفٹ کر کے مناؤ (ہاہاہا)۔ میری غیر حاضری میں بہت سے نئے لکھنے والوں کا اضافہ ہوا ہے جن میں ندا حسنین، سحرش فاطمہ، ثناء ناز، ریمل آرزو اور یاسمین اختر آفریدی شامل ہیں۔ صائمہ قریشی کا بھی نیا اضافہ ہے۔ آپ سب کو ردا فیملی میں خوش آمدید۔ اب آتی ہوں تبصرے پر۔ ندا حسنین آپ کا پہلا افسانہ ''صدقہ جاریہ'' پڑھ کر ہرگز گمان نہیں ہوا کہ یہ آپ کی پہلی تحریر تھی۔ ماشاء اللہ بہت پختہ اندازِ تحریر تھا۔ معاشرے کے ایک اہم پہلو پر نظر ڈالی آپ نے اپنے اس افسانے میں اس کے بعد اکتوبر میں سحرش فاطمہ آپ کی پہلی تحریر ''میرا احباب میرا مان'' شائع ہوئی۔ اس خوب صورت تحریر نے بہت اہم پیغام دیا۔ اللہ کرے زور قلم اور (آمین)۔ صائمہ قریشی آپ کا ہنستا مسکراتا ناولٹ ہمیں بہت اچھا لگا۔ اب آپ کے قسط وار ناول کا انتظار ہے۔ نومبر میں صالحہ آپی آپ کا ناولٹ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ پلیز اسی طرح ہم سب کو خوش کرتی رہا کریں۔ نومبر میں افشاں آپ کا افسانہ میرے خواب ریزہ ریزہ پڑھا پامسٹری کے ایشو پر لکھ کر آپ نے بہت اچھا کیا۔ کائنات غزل آپ کا افسانہ ''رائٹر'' بھی بہت اچھا تھا۔ بہت اچھا سبق دیا اس میں آپ نے عورت کو۔ اب بات ذرا ماہِ دسمبر کی۔ دسمبر کی فہرست دیکھ کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی۔ افسانوں کی لائن تھی ماشاء اللہ اس بار یاسمین آفریدی آپ کی پہلی تحریر ''وقت کا دستِ ستم'' بہت اچھی تھی۔ افشاں علی کا افسانہ ''معمولی گرہ'' ایک ایسے موضوع پر تھا جو ہمارے معاشرے کا المیہ ہے۔ لوگ اپنے لیے کچھ سوچتے ہیں اور دوسروں کے لیے کچھ۔ ریمل آرزو آپ کا افسانہ ''ہم کئی بار مرنے والے تھے'' ایک مختصر مگر غور طلب تحریر تھی۔ افسانوں کی ایک لمبی لسٹ ہے سب ہی لکھنے والوں نے خوب لکھا ایمان علی آپ کا ناولٹ بھی بہت اچھے موضوع پر تھا۔ صالحہ آپی اور نورین کی محنت کی بدولت ماشاء اللہ ردا کی مقبولیت میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کر کے ردا ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ افشاں آپ کی پہلی نظم پڑھی۔ آپ کی پہلی کاوش بہت اچھی تھی۔ اب شاعری کا سلسلہ بھی جاری رکھیے گا۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں ثناء ناز اور بشارت شاہ آپ کی نظمیں زبردست تھیں۔ باقی سب کی شاعری نے بھی خوب رنگ بکھیرے۔ حمیرا افضا ردا میں پہلی دفعہ آپ کی نظم شائع ہونے پر مبارک باد۔ گیتی آرا اور ریما نور مجھے یاد رکھنے کا شکریہ خوش رہیں۔ صائمہ عبدالغنی آپ کو میرا افسانہ ''محبت چاندسی'' پسند آیا۔ اس کے لیے بے حد شکریہ اسی طرح اپنی آراء دیتی رہیے۔ اس دعا کے ساتھ اجازت کہ آنے والا سال ہم سب کے لیے خوش بخت ہو۔ میرے وطن کے لیے بہاروں کا موسم لائے۔ نئے سال کا سورج میرے ہم وطنوں کے لیے خوشیاں لے کر طلوع ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے آسانیاں پیدا کرے، آمین۔ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

اللہ حافظ۔

ملائکہ اسلم............خانیوال

پیاری سی صالحہ آپی اور پرخلوص سی نورین آپی! لعل سی رائٹرز اینڈ فرینڈز کو پیاری سی ملالہ کا (آہم) محبتوں اور چاہتوں سے لبریز سلام قبول ہو۔ حسب توقع ردا 11 کو ملا۔ ٹائیٹل گرل پر ہر چیز ہی پرفیکٹ لگ رہی تھی۔ ''گوشہ آگہی'' پڑھ کر ایسا فیل ہوتا ہے آپ Foce to Face ہمکلام ہوں۔ دسمبر کی

بھیگتی شاموں کے پرفسوں خیز ماحول میں بیٹھ کر ردا کو پڑھنا اچھا لگتا ہے۔ ''ردائے جنت'' سے فیض یاب ہوئے۔ ''تجھ سے مانگوں میں تجھ کو'' اچھا جا رہا ہے۔ صائمہ قریشی جی! بچی یار ابیا اور شہیر کی نوک جھونک بڑے مزے کی تھی۔ ایمان علی میرے لیے تمہارا نیم نو نہیں ہے۔ میرا خیال ہے افشاں، ایقان، ایمان، نائیلہ، عائشہ خان کی اب تک ایسی کوئی کاوش نہیں جو میری نظر سے نہ گزری ہو۔ ''جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے'' نائلہ آپی میں تو خود Sad ہو جاتی ہوں۔ بس جو بھی کرنا اچھا کیجیے گا۔ قمروش جی! معصوم کو کہاں غائب کر دیا۔ مہرین کنول اچھی کاوش تھی۔ تھینک گاڈ ہیرو نے دسمبر کی شام پالی تھی۔ یاسمین اختر کی عنوان کی طرح کہانی بھی زبردست تھی۔ حافظہ مون شاہ نے کرداروں کے نام اچھے رکھے تھے۔ ''اس بحرِ کرب میں'' اور ''احساس'' مدتوں یاد رکھوں گی۔ ''مشرق کی شہزادی'' واہ جی واہ زبردست۔ مگر پلیز کرداروں کے ساتھ ناانصافی مت کیجیے گا۔ ریمل آرزو، ثناء کنول، شاہدہ علی نے بھی خوب لکھا۔ حنا اصغر کی ''خوشبوؤں کے آنگن میں'' لاجواب تھی۔ اس بار سب افسانے ہی سبق آموز اور اچھے تھے۔ ''ردا کی ڈائری'' میں حبیبہ عارف اور سعدیہ اسلم کی ''دسمبر'' پسند آئی۔ اشعار میں دانیہ آفرین، سعدیہ عابد، ریما نور، مصباح مسکان، صبا سحر، حنا علی، عانیہ نیازی کے اشعار پسند آئے۔ ''اس ماہ میں'' افشاں علی، ایس امتیاز، سعدیہ عابد، نور بانو اور عانیہ نیازی چھائی ہوئی تھیں۔ ''خوشبو'' کے لیے نام ہی کافی ہے۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' سب ہی نے لاجواب لکھا۔ ''سندیسے'' ریما نور رضوان کا تبصرہ اچھا تھا۔ ''دوستوں کے نام پیغام'' اچھا سلسلہ ہے۔ ''کچن'' دال کا سوپ پسند آیا۔ بلاشبہ دسمبر کا شمارہ زبردست اور خوب تر تھا۔ ایمن تھینکس آپی آپ نے میری حوصلہ افزائی کی۔ اگلے ماہ تک اجازت دیجیے اپنا اور خود سے وابستہ رشتوں کا خیال رکھیے گا۔ اللہ حافظ۔

زارا صدف قمر............کراچی

السلام علیکم! اس ماہ دسمبر کا ''گوشہ آگہی'' پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ یقین کریں صالحہ آپی جی اینڈ نورین آپی اور آل اسٹاف خصوصاً صالحہ اپیا جی کی میں دل سے بہت عزت کرتی ہوں۔ میں ریما نور رضوان کی کزن زارا صدف قمر ریما نور رضوان آپی کے کہنے پر جب سے ردا کو جوائن کیا ہے تب سے فضول کام فضول گپ شپ چھوڑ تھوڑا بہت ٹائم ملتے ہی ردا کا مطالعہ کرتی ہوں۔ میں جو افسانہ جو ناولٹ پڑھتی ہوں بس ذہن پر نقش ہو جاتا ہے۔ اتنی دلچسپ تحریر ماشاء اللہ سے لکھتے ہیں رائٹرز میں ردا اور اس کے لکھنے والوں کی تحریر کو دل سے سراہتی ہوں۔ صالحہ اپیا جی زور قلم اور زیادہ۔

شازیہ مصطفی عمران..........کراچی

السلام علیکم! امید ہے آپ اور تمام لکھنے اور پڑھنے والے خیریت سے ہوں گے اور میری خیریت یہ ہے کہ میں بھی اللہ کا شکر ہے خیریت سے ہوں۔ آج شادی کو تین سال ہو گئے ہیں کتنی جلدی وقت گزرا پتا ہی نہیں چلا۔ میں ایک پیاری سی بیٹی کی ماں بھی بن گئی اور میری بیٹی ایمان میری اور میرے ہسبنڈ عمران کی کل کائنات ہے۔ ایمان آج دو سال کی ہونے والی ہے۔ ماشاء اللہ سے اور مجھے وہ لکھنے نہیں دیتی کہتی ہے مجھے پین دو لکھوں گی۔ ہاں تو میرے پیارے قارئین اور رائٹرز بہنوں کیسی ہیں آپ سب میڈم جو قافلہ لے کے چلی تھیں اس میں نئے لکھنے والے بھی شامل ہو رہے ہیں۔ صائمہ قریشی، نائلہ طارق دونوں ہی بہت خوب صورت لکھ رہی ہیں۔ مجھے جب بھی موقع ملتا ہے۔ ڈائجسٹ پڑھتی ہوں مگر یہ میری ایمان رسالہ تک نہیں چھوڑتی مجھے چھپا کے رکھنا پڑتا ہے۔ رائٹرز جتنی بھی ہیں سب خوب لکھ رہی ہیں اور میں ان سب سے بھی بہت کچھ

سیکھ رہی ہوں کیوں کہ سیکھنے کا عمل تو ساری زندگی چلتا ہے۔ ہماری میڈم کی ہم سب لکھنے والوں کو رہنمائی ہے جو ہم لکھ رہے ہیں۔ میڈم نے میرے ہر ہر قدم پر ساتھ دیا اور رہنمائی کی میں ان کی اتنی مشکور ہوں کہ بس۔ مجھے لکھنے کا پلیٹ فارم دیا اور آج یہ انہی کی حوصلہ افزائی ہے کہ میں سلسلے وار ناولز صرف ان کی بدولت لکھتی ہوں ورنہ کوئی سلسلے وار ناول لکھنے کا موقع کہاں دیتا ہے۔ میری سب سے ہی گزارش ہے کبھی بھی اپنے دل و دماغ میں غرور نہیں لائیے گا کیوں کہ ہماری میڈم صالحہ محمود کو دیکھیے جو ذرا بھی غرور نہیں کرتیں ہم سب لکھنے والیوں کے ساتھ ہیں۔

ڈائجسٹ کے تمام سلسلے ہمیشہ کی طرح لاجواب ہیں مجھے جو سلسلہ سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے وہ میں شوق سے پڑھتی ہوں "دوستوں کے نام پیغام" اس کے ساتھ ہی اجازت چاہوں گی کیوں کہ عمران بار بار مجھے دیکھ رہے ہیں۔ رات کے گیارہ بجنے والے ہیں ایمان سو رہی تھی تو میں نے سوچا لکھ لوں اس کے ساتھ ہی میں اپنا انٹرویو بھی بہت مزے دار لکھوں گی بہت جلد۔

شناء کنول اللہ دتہ..........لودھراں

السلام علیکم صالحہ آپی! افشاں علی، کشف ضیاء، نورین آپی، صبا عبدالغنی وغیرہ سب کو میرا محبت بھرا سلام قبول ہو۔ سب سے پہلے آپ نے میری کہانی شائع کی اس کا شکریہ۔ سب سے پہلے "ہم کئی بار مرنے والے تھے" اور "اس بحر کرب میں" پڑھی۔ نائلہ طارق کیا کیوں دل خون کے آنسو رو دیا۔ افشاں علی "معمولی گرہ" واقعی بالکل صحیح لکھا۔ مہرین کنول "دسمبر کی شام" ایک پیاری تحریر تھی۔ ہلکی پھلکی مزید اچھا لکھیں۔ کیوٹ سی حافظہ مون شاہ بخاری دسمبر کیا تحریر تھی سچ میرے تو آنسو ہی نکل آئے۔ ایقان علی بالکل صحیح لکھا آپ نے ہم دکھوں سے لڑ تو نہیں سکتے مگر انہیں کم ضرور کر سکتے ہیں یہ کوشش ہی کسی کی زندگی ہو گی۔ شاہدہ علی، مدیحہ اعجاز، حنا اصغر، امبر افگن شمائل آپ سب نے بھی خوب لکھا۔ ایمان علی "بھروسہ" تحریر بھی اچھی تھی مجھے پسند آئی ویل ڈن۔ اس بار بھی ردا ہر بار کی طرح زبردست تھا۔

ذاہیٓ..........کراچی

دل و جان سے عزیز نہایت قابل احترام صالحہ آپی اور سویٹ نورین ملک اور تمام ردا فرینڈز کو سلام! امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ سویٹ صالحہ آپی تھوڑی دیر کے لیے آپ کی آواز سنی مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ آپی جی اس بار ردا کے ٹائٹل نے دل خوش کر دیا اور "گوشہ آگہی" میں لکھے آپ کے الفاظ نے مجھے اپنے بچپن میں پہنچا دیا۔ نہ جانے کیوں دسمبر سے جڑی یادیں ہمیں اداس کر دیتی ہیں۔ "ردائے جنت" بلاشبہ اس میں لکھے لفظ ہمارے ایمان کو تازہ کر دیتے ہیں۔ ایمان علی کی کاوش "بھروسہ" بہت پسند آئی اور نائلہ طارق کا افسانہ بہت زبردست تھا۔ باقی تمام رائٹرز نے بھی کمال کا لکھا۔ ہر اسٹوری میں کوئی نہ کوئی سبق چھپا ہوا تھا اور میں ریما نور کا بے حد شکریہ ادا کروں گی کہ انہوں نے مجھے اپنی فرینڈز لسٹ میں شامل رکھا اور میری صحت کے لیے دعا کی۔ خوش رہیں ریما جی۔ ردا کے تمام سلسلے ہمیشہ کی طرح جگمگاتے نظر آئے۔ ردا کی ڈائری میں مہوش جواد کی نظم سپرہٹ لگی۔ "ذرا پھر سے کہنا" میں دانیہ آفرین کی نظم بہت اچھی تھی۔ آپی جی ملک کے حالات دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ آخر کب یہ سب ختم ہو گا۔ دعا ہے کہ آنے والے سال کا سورج ہم سب کے لیے خوشیاں لائے، آمین۔ ہمارے ملک میں ترقی اور خوش حالی کی ہوائیں چلیں اور ناامیدی کے بادل چھٹ جائیں۔ آپ سب کو نیو ایئر کی ایڈوانس مبارک اس دعا کے ساتھ کے جنوری کا امیدوں اور خوشیوں سے بھرا سورج ہم سب کے لیے راحت و سکون لائے، آمین اب اجازت چاہوں گی۔ اللہ حافظ۔

گیتی آراء..........کراچی

پیاری آپی السلام علیکم! امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ سب سے پہلے تو آپ کو نورین کو اور ردا کے تمام رائٹرز قارئین، اراکین کو ہماری طرف سے نئے سال کی ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ آپ سب کو ایسی ڈھیروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔ اب بات ہو جائے ماہ دسمبر کے ردا کی تو سب سے پہلے "گوشہ آگہی" کی خوب صورت لفظوں کے سحر میں ڈوبی باتوں نے ہمیں اپنے حصار میں جکڑ لیا۔ آگے چل کر "ردائے جنت" میں دینی باتیں اور معلومات مشعل راہ بن کر ہمارے دل میں اتر گئیں اور اب باری تھی سلسلے وار ناول، ناولٹ کی جسے ہمیشہ کی طرح آج بھی ردا کے قارئین کو اپنے سحر میں جکڑا ہوا ہے اور اب باری تھی افسانوں کی تو سب سے پہلے افشاں علی اپنی "معمولی گرہ" کے ساتھ حاضر تھیں جس میں انہوں نے ہمارے معاشرے کے ایک اہم مسئلے اور بات کی طرف بہت خوب صورتی سے قلم اٹھاتے ہوئے بڑی گہری چوٹ کی ہے۔ عائشہ خان کا "پچھتاوا" نے دکھی کر دیا۔ مہرین کنول کی "دسمبر کی شام"، "وقت کا دست ستم"، "دسمبر"، "وہ لمحہ نہیں ملا" دلچسپ اور اچھی تحریریں تھیں۔ ایقان علی کی "خوشیاں ڈھونڈ ہی لیں گے"، "ہم کئی بار مرنے والے تھے"، "تہی داماں لوگ"، "اس بحر کرب میں"، "احساس" کے طرز تحریر نے متاثر کیا۔ "ردا کی ڈائری" کے بھی انتخاب بہترین تھے۔ اس ماہ میں اس ماہ کا اقتباس سے لے کر اس ماہ کا لطیفہ سب ہی شاندار رہے۔ "خوشبو" ہمیشہ کی طرح بہترین رہا۔ "ذرا پھر سے کہنا" کی ساری ہی غزلیں، نظم بہترین تھیں۔ خاص کر زاہدہ ہاشمی، حکیم خان حکیم، ایس امتیاز، حمیرا فضا، فرح ناز، سندیسے میں افشاں علی واہ پڑھ کر مزہ آ جاتا ہے۔ ایسا کہ واقعی سندیسے پڑھنے کو دل چاہنے لگے۔ "کچن" میں سردیوں کے حوالے سے سوپ بنانے کے ڈھیر سارے طریقے بتائے گئے۔ "سنگھار" میں موسم سرما کے لحاظ سے بیوٹی پلان بہترین رہا۔ اب اجازت ڈھیروں دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ۔

فریدہ فرید..........پاکپتن شریف

السلام علیکم! جس وقت یہ سطور آپ کی نگاہوں سے گزریں گی۔ 2015ء کا سورج روئے دنیا پر طلوع ہو چکا ہو گا۔ اللہ کرے اس سورج کی ہر کرن عالم اسلام اور پاکستانیوں کے لیے خیر و برکت کی پیامبر ہو۔ یہ سال خصوصاً ردا کی شہزادیوں کے لیے خوش بخت ثابت ہو۔ آپی کی تخلیق "میرے پیار کا پہلا شہر" ابتدائے نظم سے انتہائے وصال تک ساحرانہ گرفت لیے ہوئے تھا۔ آپی کی شخصیت کی مانند آپ کی تحریر بھی مشفق ہے آپ کسی بھی کردار سے خواہ منفی ہو یا مثبت کچھ برا نہیں ہونے دیتیں۔ آپ کا پیغام محبت ہر دل میں اتر جائے ایک جھلک ردا کے سندیسوں میں بکھری نظر آنے لگ گئی ہے۔ سویٹ افشاں علی وائے عجب کہ آپ کے سندیسے طویل اور افسانے مختصر ہوتے ہیں اور غضب یہ کہ دونوں بھرپور توجہ کے لائق ہوتے ہیں۔ افشاں جی اپنی یونیک شخصیت اور طرز گفتگو کی مانند عانیہ نیازی مسلسل غیر حاضری چہ معنی دارد۔ "گوشہ آگہی" سے آپی کی تنبیہہ پر خود کا احتساب کرتے ہوئے ردائے جنت میں ایمان اسلام احسان کا فرق خوب اچھی طرح سے سمجھ گئے۔ یاسمین اختر، ریمل آرزو، ثناء کنول، حنا اصغر، شاہدہ علی کو فرداً فرداً مبارک باد۔ ایقان علی ویل ڈن۔ غرض تمام رسالہ خوب تھا۔ آپی جان، نورین ملک اور تمام سکھی سہیلیوں کو خدا حافظ۔

......☆......

دوستوں کے نام پیغام

عائشہ حمد

مزاجی خدا عمران کے نام

آپ کو تو کبھی بھی اپنی سالگرہ یاد نہیں رہتی ہے مگر مجھے یاد رہتی ہے جنوری کی پہلی کو آپ کی سالگرہ ہے۔ میری دعا ہے آپ اسی طرح خوش رہا کریں، آمین۔ اور مجھے مناتے رہا کریں۔ کیوں کہ میں ناراض بہت ہوتی ہوں ہاہاہاہا......

آپ کی جانی شازیہ مصطفیٰ عمران۔ کراچی

ڈیئرسٹ اینڈ سویٹ سے عرفان ماموں کے نام

میرے سویٹ سے عرفان ماموں کی سالگرہ پر میری طرف سے دل کی تمام تر گہرائیوں سے دعا کا ایک چھوٹا سا تحفہ یعنی ماموں آپ کی سالگرہ کا گفٹ ہے یہ بطور سرپرائز

آپ کے جنم دن پر
سوچتی ہوں اس خاص دن کی مناسبت سے
کون سا تحفہ نذر کروں
پھولوں سے سجا گلدستہ دوں
یا پھر!
دل کی گہرائیوں سے نکلی دعا
کا تحفہ نذر کروں
پھر لمحے میں میرے ہاتھ بلند ہوئے
کچھ لفظوں کے پھول دعاؤں میں ڈھل کر
میرے لبوں سے ادا ہوئے
کہ خدا آپ کا دامن ہمیشہ مسرتوں سے ہمکنار کرے
خدا آپ کی عمر دراز کرے

رابعہ افضال خان۔ کراچی

اس سال کا پیغام سب کے نام

انسانی زندگی تو دکھ سکھ نشیب و فراز سے ہی مزین ہے۔

کچھ خوشیاں کچھ آنسو دے کر ٹال گیا
جیون کا ایک اور سنہری سال گیا

دوسرے سالوں کی نسبت میرا یہ سال 2014ء بہت خوشگوار گزرا۔ رشتوں کے خوب صورت احساسات سے بھرپور اور دوستی کے رنگوں سے آشنائی کرواتا یہ سال یادگار رہے گا۔ سب سے بڑی وجہ سال 2014ء میں ردا میں میرے 5 افسانے اور ایک مکمل ناول شائع ہوا۔ یہ پیغام میرا ان سب لوگوں کے نام ہے جنہوں نے میرے اس سفر میں میرا ساتھ دیا اور مجھے بھی رائٹر کہلانے کا اعزاز بخشا۔ سب سے پہلے ہر دل عزیز محترمہ صالحہ اپیا اور خوب صورت و پیاری آواز کی مالک نورین ملک کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ جنہوں نے مجھے ردا کا حصہ بنایا۔ میری ہر تحریر و سندیسے کو بروقت جگہ دی۔ گزشتہ 4 سالوں سے ردا کے سنگ یہ سفر جاری ہے۔ انشاء اللہ آئندہ بھی یوں ہی جاری و ساری رہے گا (آمین)۔ اس کے بعد میری پیاری نانی جان میری اکلوتی Cute سی بہنا آسیہ میری بہت ہی اچھی کلاس فیلو و دوست کشف ایک محترم ٹیچر اور ساتھ ہی بچپن کی دوست حفصہ انعم اور ان کی اچھی سی امی کا بہت بہت شکریہ جنہوں نے ہر قدم پر مجھے سپورٹ کیا۔ میرا حوصلہ بڑھایا۔ آج ان سب ہی کی بدولت میں اتنا لکھ پاتی

ہوں۔ مجھے آئندہ بھی آپ سب یوں ہی سپورٹ کیجیے گا پلیز۔ اب باری آتی ہے ان سب کی تعریف و تبصرے حوصلہ افزائی جو قدم بہ قدم مجھے نکھارتی رہی۔ جی ہاں آپ سب قارئین کی تو مصباح مسکان، ندا حسنین، ثناء کنول، اللہ دتہ، افسانہ آفتاب، سیدہ فرزانہ حبیب، ایمان علی، دانیہ آفرین، سحرش فاطمہ، روشنی فیصل، سباس گل، انعم خان، ورشیہ کنول، فریدہ فرید، ریما نور، امبرین حیدر، صبا سحر، دھنک ناز، عانیہ نیازی۔ صبا عبدالغنی، نور بانو، فرزانہ شوکت، سیدہ امبر ہاشمی، پیاری، کیتی آراء، نوشین مدثر، جہانہ آفتاب اور جو نام رہ گئے ان کے لیے تہہ دل سے معذرت اور تمام وہ قاری بہنیں جنہوں نے ناصرف میری تحریریں پڑھیں بلکہ ان کی دی گئی رائے نے مجھے آگے بڑھنے کا حوصلہ بھی دیا تو میری پیاری دوستوں سال کے اس اختتام پر میں تہہ دل سے آپ سب کی مشکور ہوں کہ آپ سب نے سندیسے کے ذریعے مجھے سپورٹ کیا۔ آئندہ بھی میرے ہمراہ رہیے گا۔ الغرض سب ہی کو افشاں علی کی جانب سے شکریہ۔ اپنی دعاؤں میں افشاں علی کو بھی یاد رکھیے گا۔

افشاں علی۔ کراچی

ردا فرینڈز کے نام

حسب عادت سب سے پہلے تمام قارئین ردا اور رائٹرز کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ دسمبر میں رابعہ افضال خان آپ کی برتھ ڈے تھی۔ لہٰذا ردا کے توسط سے مابدولت آپ کو مبارک باد دیتی ہیں، قبول فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ آپ کے لبوں سے دور کبھی مسکان نہ ہو اور آپ کو کبھی زندگی میں کوئی نقصان نہ ہو، آمین۔ افشاں علی! مجھے بہت افسوس ہے کہ میں آپ کو آپ کی برتھ ڈے وش نہیں کر پائی مگر میں نے آپ کو دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھا۔ پتا ہے؟ میں آپ کو بہت زیادہ چاہتی ہوں۔ آپ کی تحریریں اور آپ کے سندیسے مجھے بہت عزیز ہیں۔ میں جتنی آپ کی تعریف کروں اتنی ہی کم ہے۔ آپ کی تعریف کے لیے الفاظ ڈھونڈنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ ڈیئر افشاں! میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ آپ کی دوستی میرے لیے کیا ہے؟ اگر آپ کی دوستی کو ایک انمول خزانہ کہا جائے تو یہ لفظ بھی آپ کی دوستی کے آگے ہیچ ہے۔ جس خلوص سے آپ اپنی تمام دوستوں کو یاد رکھتی ہیں اور ان پر دعاؤں کے خزانے لٹاتی ہیں اتنا اچھا اور اعلیٰ اخلاق کا حامل شاید ہی میں نے آج تک کسی کو دیکھا ہو اور مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میں نے آپ کو پڑھ کر ہی لکھنا سیکھا ہے۔ میں آپ کے سندیسے بہت غور سے پڑھتی ہوں۔ اسی لیے مجھ میں اتنی صلاحیت پیدا ہوئی ہے کہ میں ردا کے مستقل سلسلوں میں شامل ہو سکوں۔ آپ کو تو میں ہمیشہ یاد رکھوں گی لیکن ساتھ ہی میں اپنی باقی دوستوں کو بھی نہیں بھولی ہوں۔ امبرین حیدر! آپ کہاں مصروف ہیں یا دوستی کر کے بھول گئیں۔ بھئی دوستی کر لی اب تھوڑی گپ شپ بھی کر لیا کریں۔ آپ کو میں بتا دوں کہ آپ بھی مجھے بہت عزیز ہیں کیوں کہ آپ وہ پہلی قاری ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مجھ ناچیز کو دوستی کے قابل سمجھا۔ آپ کی دوستی بھی میرے لیے ایک انمول خزانہ کی طرح ہی ہے۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے کبھی نہ بھلائیں اور نہ ہی میں آپ کو بھولنے دوں گی۔ اب آپ مجھے جلدی سے بتا دیجیے کہ آپ کی برتھ ڈے کی ڈیٹ کیا ہے؟ تاکہ میں ردا کے توسط سے آپ کو وش کر سکوں اور افسانہ جی! آپ بھی بڑی بزی ہو گئی ہیں۔ جلدی سے ردا میں واپس آ جائیں۔ میں آپ کو بہت مس کر رہی ہوں۔ مصباح مسکان جی! شکریہ کیسا؟ آپ کی تحریر واقعی قابل تعریف تھی اسی لیے میں نے آپ کی تعریف کی۔ مہرین کنول جی! آپ سے بھی میں یہی کہوں گی جو مصباح مسکان جی سے

کہا ہے اور ہاں سحر مبین جی! آپ اگر ہر دوست کا بڑھا ہوا ہاتھ تھامتی ہیں تو پلیز میرا بھی تھام لیں۔ آپ سب کی دوست بن کر مجھے بے حد خوشی ہو گی۔ کیوں کہ آپ لوگوں کی دوستی میرے لیے سلگتے صحرا میں چھاؤں جیسی ہے۔ عائشہ خان! میرے سندیسے کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔ میں آپ جیسی مخلص لوگوں کی جتنی تعریف کروں اتنی ہی کم ہے۔ اس لیے تمام قارئین ردا کی تعریف میں چھوٹے سے اس شعر میں سمیٹ رہی ہوں

خالقِ کائنات نے ہمیں یہ حسین اعزاز دیا
کہ اس نے آپ جیسے ستاروں سے نواز دیا

آہم صرف آپ کے لیے نہیں میرے لیے بھی یہ شعر ہے آخر کو ردا کی میں بھی تو قاری ہوں، (ہاہا)۔ بے پناہ دعاؤں اور مسکراہٹوں کے ساتھ اپنی پیاری دوست و بہن کو اجازت دیں اللہ حافظ۔

صبا عبدالغنی۔ کراچی

ردا فرینڈز کے نام

السلام علیکم! میری بہنوں دوستوں اور شاگردوں سب سے پہلے صالحہ آپی ہاؤ آر یو؟ نورین آپی تسی کیسے ہو جناب امید ہے فٹ فاٹ ہی ہوں گے۔ افشاں علی عرف فوزیہ علی میری پیاری دوست بہن ہمراز کیسی ہو اور آج کل کیا ہو رہا ہے۔ میری طرح صرف کہانیاں لکھ رہی ہو یا پھر پڑھ بھی رہی ہو۔ سچ یار میرے گھر میں رائٹر کی تو کوئی قدر ہی نہیں ہے کام کام اور بس کام ہی کرتے رہو۔ (کیا تمہارے ساتھ بھی ایسا ہے؟) ویسے یہ تو تھا مذاق اور تھوڑا سا سچ بھی دل میں بڑی خواہش تھی کہ کبھی تم سے فرصت سے باتیں کرلوں تو بس پھر آج قلم کا سہارا لے لیا ہے۔ شاید تم میرا خط پڑھ کر مسکرا رہی ہو تو پلیز اس وقت دعا کرو کہ میں جو چاہتی ہوں وہ بس مجھے مل جائے آمین دعا کا اس لیے کہا ہے کہ شاید اوپر والا تمہاری سن لے۔ میں تم سے ڈھیروں باتیں کرنا چاہتی ہوں تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں اگر قسمت مجھے پنجاب سے کراچی دوبارہ لے گئی تو سچ میں تمہارا گھر ضرور دیکھوں گی خدا تمہیں ایک اچھا اور نیک ہمسفر عطا کرے۔ سنو اس دوستی کو کبھی مت توڑنا سمجھیں۔ میری نظم صرف تمہارے نام

میرا اور تمہارا اک رشتہ ہے جاناں
اور یہ رشتہ ہر رشتے سے سچا ہے جاناں
سنو جاناں! اس رشتے کو مت توڑنا
پلیز میرے دل کو مت توڑنا تم وہ لڑکی ہو
جسے دوستی کرنے کو دل چاہا ہے تو سنو لڑکی
اس دل کی خطا بڑی سہی پر تم اسے مت توڑنا
اس رشتے کو مت توڑنا افشاں علی

ثناء کنول اللہ دتہ۔ لودھراں

جیون ساتھی کے نام

میرے جیون ساتھی ساتھ نبھائیں گے
ہماری روحوں کو سیراب کر جائیں گے
جب بھی خودی ستائے چندہ کشمکش نظر آئے
ڈھیرے سے گداز لبوں پہ پیار کی مٹھاس جگائیں گے
مانا انا پرست ہوں پر ہوں وفادار
گرفت میں تیری سما کے چھاتی پہ تیری سر اپنا
ٹکائیں گے
تیری نام کی لگا کر بوٹے مہندی کے اس پر کنگن
نام کے تیرے چڑھائیں گے
کنگنا بھرے ہاتھ کانوں کی لو تک
لے جائیں گے
پھر احساسِ محبت دلائیں گے
برکھاتی شام کی یون حسین رُت کی بدلیاں
میرے جیون ساتھی جب بھی روٹھ جاؤ
محظ اک فریاد کرنا
ہر انداز سے منائیں گے ہم اپنی محبت کو
تجھ پر جتائیں گے ہم!!

Happy Birthday R.G

زارا صدف قمر۔ کراچی

جیون ساتھی کے نام

زندگی جی! کیسے ہو جی۔ آئی رئیلی مس یو، تین دن ہو گئے امی کے گھر آئے ہوئے تمہاری بہت یاد آرہی ہے۔ شادی سے پہلے عجیب خیالات آتے تھے کہ میں اپنی امی، اپنے گھر اپنے بہن بھائی کے بغیر کیسے رہوں گی۔ لیکن آج دیکھو شوہر کی محبت و چاہت ہر رشتے پر حاوی ہو گئی ہے۔ اللہ پاک ہمارا رشتہ ہماری آخری سانس تک قیامت تک قائم رکھے۔ ہمارے درمیاں ہمیشہ محبت رہے۔ آمین ثما آمین۔

جب بادل خوب صورت ہے
جب ہوا کے سنگ خوشبو آتی ہے
جب رات کے آخری پہر چاندنی
چاند کے سنگ شرماتی ہے
بادلوں کے اوٹ میں چھپ چھپ کر
نکل آتی ہے
ایسے میں
ہم سفر جی تمہاری یاد بہت آتی ہے

ریما نور رضوان۔ کراچی

ردا کے قارئین و رائٹرز کے نام

دل و جان سے عزیز صالحہ پیا جی السلام علیکم! آپ تو سچ میں منفرد ہیں۔ میں آپ کی دل سے Respect کرتی ہوں۔ اینڈ آل اسٹاف نورین آپی آپ سب کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نیا سال مبارک ہو۔ تمام سینئر اینڈ جونیئر نئے لکھنے والے جو کسی مصروفیت کی وجہ سے اس ماہ نہیں شامل ہو سکے جو خاموش قاری ہیں سب کو نیا سال مبارک ہو۔ امید واثق تعالیٰ ہے یہ سال ہم پر امن و سلامتی صحت و تندرستی نئی امنگوں، نئے سپنوں کو سچ کرتا گزرے۔ نئے پھولوں کی کھلاہٹ سا ہر منظر جگمگائے ہمارے گھروں میں۔ (آمین)۔ میں زارا صدف قمر جو مجھے پڑھتے ہیں پسند کرتے ہیں میں سچ میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان کی شکر گزار ہوں۔ اللہ آپ سب کو کامیابی عطا کرے۔ خصوصاً (ریما نور) آپی کی میں دل سے شکر گزار ہوں انہوں نے سینئر اعلیٰ لکھنے والوں میں مجھ جیسی ادنیٰ رائٹر کو بھی یاد رکھا۔ (سچ میں ریما باجی)

I Love you and thank you so much.
Allah bleuse u.

شازیہ آپی تو ٹاپ آف دی لسٹ ہی رہتی ہیں ماشاءاللہ زور قلم اور زیادہ۔ روشانے عبدالقیوم، جہانہ آفتاب جی بہترین تخلیق ہے آپ کی۔ مسکان رؤف میں دل سے مسکان جی کی شکر گزار ہوں۔ یہ شکریہ اس لیے انہوں نے میری تحریر کو Like کیا تھا اور ہم مصروفیت کے باعث ان کا شکریہ بھی ادا نہیں کر پائے تھے۔ اللہ آپ کو کامیاب و کامرانی عطا فرمائے، آمین۔ اسی کے ساتھ اب اجازت اللہ سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے، آمین۔

زارا صدف۔ کراچی

پیارے ردا کی تمام پیاری رائٹرز اور پیاری قارئین

سہیلیوں کے نام

اگر کسی کے پاس سب کچھ ہو تو دنیا جلتی ہے
اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو تو دنیا ہنستی ہے
ہمارے پاس آپ کے لیے دعا ہے
جس کے لیے دنیا ترستی ہے

اللہ تعالیٰ آپ سب کو تمام میں، کام میں، گھر میں، عزت میں، صحت میں، زندگی میں، حلال مال میں ہمیشہ خیر و برکت عطا فرمائے اور آپ سب پیاریوں کو ہمیشہ تندرست اور سلامت رکھے، اس نئے سال میں (آمین)۔

امینہ رؤف، مصباح مسکان رؤف۔ جہلم

......☆......

گوشہ چشم

جیا قریشی............کراچی

پیاری اور کیوٹ سی جیا قریشی بہت سی دعائیں اور پیار آپ کے لیے۔ 27 اکتوبر کو آپ کی شادی ہوگئی جس کی آپ کو بہت مبارک ہو اللہ سے دعا ہے کہ آپ کی زندگی کا نیا سفر خوشیوں اور مسرتوں بھرا ہو اور آپ سدا مسکراتی اور ہنستی رہو۔ اپنا بے حد خیال رکھنا اور خوش رہنا۔

فرح ناز رفیق............کراچی

ڈیئر فرح! ہم بھی آپ سے سو فیصد متفق ہیں اور جو بھی رائٹر خود نمائی یا معاوضے کے لیے لکھنے کی سوچ رکھتے ہیں میں نے انہیں کبھی آگے بڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ دنیا کی اس بھیڑ میں کھو جاتے ہیں۔ اسی طرح خود نمائی کا جذبہ بھی انسان پر غالب نہیں آنا چاہیے۔ میں نے ہمیشہ اپنی روح کی تسکین کے لیے لکھا۔ کبھی میں نے نہ معاوضے کی تمنا رکھی اور نہ ہی اسے کبھی معاوضے کا ذریعہ بنایا اور اللہ نے مجھے میری اوقات سے زیادہ لوٹا دیا۔ آپ ردا سے جڑی رہیے ردا آپ کا اپنا ردا ہے۔ لکھنا اور معاشرے کی برائیوں کو بے نقاب کرنا وقت کی ضرورت ہے۔ اپنے کلچر کی نمائندگی کرتے ہوئے لوگوں کو مثبت راہ دکھائیں وہی تحاریر کامیاب ہوتی ہیں آپ ایسے ہی لکھتی رہیے اور اپنا خیال رکھیے آپ کی تحاریر قریبی اشاعت میں شامل ہوں گی۔

ثمینہ فیاض............کراچی

پیاری ثمینہ! سدا خوش رہو اور آپ کو ردا کی محفل میں خوش آمدید! اس بار آپ کی شاعری شامل اشاعت ہے اور افسانہ بھی قریبی اشاعت میں شامل ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ردا سے آپ کا تعلق اب سدا جڑا رہے گا کیوں کہ ردا آپ کا اپنا ردا ہے۔

زارا اصدف قمر............کراچی

سوئیٹ زارا! آپ کی محبتوں اور چاہتوں سے سجا دلکش نیو ایئر کارڈ موصول ہوا یقین جانیے دل خوشی سے بھر گیا۔ اتنی محبتوں اور چاہتوں کا بے حد شکریہ آپ کی شاعری شامل اشاعت ہے اور افسانے لکھنے کی کوشش بھی جاری رکھیے۔ اپنا بے حد خیال رکھیے اور خوش رہیے۔

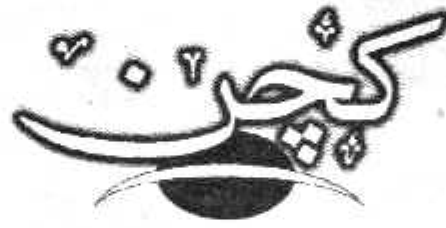
مبشرہ ناز............کراچی

ڈیئر مبشرہ! آپ کا افسانہ مل گیا ہے اور ہماری کوشش ہوگی کہ جلد شامل اشاعت ہو۔

ملالہ اسلم............خانیوال

سوئیٹ ملالہ! خوش رہیے آپ سے بات کرنا ہمیں بھی اچھا لگتا ہے اور آپ کے مستقل سلسلوں کے ساتھ افسانہ بھی مل گیا ہے۔ انشاء اللہ قریبی اشاعت میں شامل ہوگا۔ اپنا خیال رکھیے گا۔

☆ خاص طور پر میں ردا کے پڑھنے والوں سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ردا سے رشتہ صرف پر خلوص رہنا ہے۔ بے لوث لکھنا اپنے اندر کی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا نام ہی ردا ہے۔ لمبے انتظار سے بہتر ہے کہ میں آپ کی صلاحیتوں کو یکجا کر کے ردا میں پیش کر دوں یہ سب سن لیں کہ یہ موقع ہر کوئی نہیں دیتا اور سال میں ایک تحریر آنے کا مطلب یہ ہے ہوتا ہے کہ آپ کی تمام صلاحیتوں کو زنگ لگ گیا۔



مہمانوں کی غیر متوقع آمد جہاں حیرت آمیز خوشی کا باعث بنتی ہے وہیں فوری طور پر "ان کی تواضع کیسے کی جائے" کا مسئلہ بھی گھیر لیتا ہے۔ اس ماہ ہم نے کوشش کی ہے آپ کو ایسی ڈشز سے متعارف کروانے کی جو کم وقت، کم بجٹ میں تیار بھی ہو سکیں، ذائقے میں بھی منفرد ہوں اور مہمان بھی آپ کی مہمان نوازی کی تعریف کرتے ہوئے رخصت ہوں۔

بیف ہرا مصالحہ رائس

ضروری اشیاء:

گوشت : آدھا کلو
چاول : تین پاؤ گرام (پندرہ منٹ بھگو کر ابال لیں)
لال مرچ پاؤڈر : ایک کھانے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر : ایک چائے کا چمچہ
ادرک (چوپ کیا ہوا) : ایک چائے کا چمچہ
لہسن پیسٹ : ایک چائے کا چمچہ
دہی : آدھا کپ
کالا زیرہ : ایک چائے کا چمچہ
جائفل جاوتری پاؤڈر : ایک چٹکی
ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا) : دو کھانے کے چمچے
ہری مرچیں (چوپ کی ہوئی) : دو کھانے کے چمچے
پودینہ (چوپ کیا ہوا) : دو کھانے کے چمچے
نمک : حسب ذائقہ
تیل : حسب ضرورت

ترکیب: سوس پین میں تیل گرم کر کے گوشت ڈال کر فرائی کریں، سنہری ہو جائے تو چوپ کی ہوئی ادرک، لہسن پیسٹ، لال مرچ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، دہی، کالا زیرہ اور نمک ڈال کر بھون لیں حسب ضرورت پانی ڈال کر گوشت گلنے تک پکائیں، مصالحہ بھون کر چولہے سے اتار لیں۔

دیگچی میں گوشت کی ایک تہہ لگا کر ابلے ہوئے چاولوں کی تہہ لگائیں اوپر ہرا دھنیا، ہری مرچیں اور پودینہ ڈال دیں، جائفل جاوتری پاؤڈر چھڑک کر 10-15 منٹ دم دے دیں، مکس کر کے سرونگ ڈش میں نکال کر گرم گرم سرو کریں۔

لاہوری کباب چنا مصالحہ

ضروری اشیاء:

قیمہ (پسا ہوا) : آدھا کلو
لہسن، ادرک پیسٹ : دو چائے کے چمچے
پیاز : ایک عدد
لال مرچ پاؤڈر : دو چائے کے چمچے
گرم مصالحہ پاؤڈر : ایک کھانے کا چمچہ
خشخاش : ایک چائے کا چمچہ

سفید چنے : ایک کپ
دہی : ایک کپ
تیل : حسب ضرورت
نمک : حسب ذائقہ

ترکیب: قیمہ میں لہسن، ادرک پیسٹ، لال مرچ پاؤڈر، خشخاش، نمک کی [illegible] ملادیں اور بیضوی شکل کے کباب بنالیں۔ پتیلی میں تیل گرم کریں پیاز کاٹ کر ڈال دیں سنہری ہوجائے تو اس میں لہسن، ادرک پیسٹ، لال مرچ پاؤڈر، نمک اور تھوڑا پانی ڈال دیں۔ اچھی طرح مصالحہ بھونیں اور اس میں دہی اچھی طرح پھینٹ کر ڈال دیں اُبال آنے تک چمچہ مستقل چلائیں 10 منٹ درمیانی آنچ پر پکنے دیں، اس میں ابلے ہوئے چنے اور کباب احتیاط سے ڈالیں۔ پتیلی کو کپڑے سے پکڑ کر ہلائیں اور تمام اجزاء اچھی طرح مکس کردیں، آخر میں گرم مصالحہ پاؤڈر اور ہرا مصالحہ ڈالیں چاول اور چپاتی دونوں کے ساتھ نوش فرمائیں۔

بلوچی پلاؤ

ضروری اشیاء:
گوشت : آدھا کلو
چاول : آدھا کلو (دھو کر بیس منٹ کے لیے بھگودیں)
سونف پاؤڈر : ایک کھانے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر : ایک کھانے کا چمچہ
زیرہ : ایک چائے کا چمچہ
لونگ : چھ عدد
ثابت سیاہ مرچیں : آٹھ دس عدد
ادرک، لہسن پیسٹ : ایک چائے کا چمچہ
سبز الائچی : چار یا پانچ عدد
بڑی الائچی : دو عدد
براؤن پیاز : پون کپ
دہی : آدھا کپ
پیاز (چوپ کرلیں) : دو عدد
بادیان کے پھول : تین عدد
زردہ رنگ : پون چائے کا چمچہ
نمک : حسب ذائقہ
گھی : حسب ضرورت

ترکیب: پیالے میں گوشت، دہی، سونف پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، زیرہ، لونگ، ثابت سیاہ مرچیں، ادرک، لہسن پیسٹ، سبز الائچی، بڑی الائچی اور بادیان کے پھول ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں۔ دیگچی میں گھی گرم کرکے گوشت اور پیاز ڈال کر فرائی کریں۔ سنہری ہوجائے تو مصالحے کا آمیزہ اور نمک شامل کرکے بھون لیں۔ حسب ضرورت پانی ڈال کر درمیانی آنچ پر ڈھک کر پکائیں۔ گوشت گل جائے تو چاول ڈال کر اتنا پانی ڈالیں کہ چاول اس میں ہی پک جائیں۔ چاولوں کا پانی خشک ہوجائے تو زردہ رنگ اور براؤن پیاز ڈال کر 20-15 منٹ ہلکی آنچ پر دم پر رکھ دیں۔ مکس کرکے سرونگ ڈش میں نکال کر سلاد اور رائتے کے ساتھ گرما گرم سرو کریں۔

بیف قیمہ ہری مرچیں

ضروری اشیاء:
بیف قیمہ : آدھا کلو (موٹا)
پیاز (سلائس کاٹ لیں) : دو عدد
آئل : پون کپ
لہسن، ادرک پیسٹ : ایک کھانے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر : آدھا چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ (کٹا ہوا) : ایک چائے کا چمچہ

نمک : حسب ذائقہ
دہی : ایک کپ
ہری مرچیں (چھوٹی) : آدھا کپ

ترکیب: سوس پین میں کوکنگ آئل گرم کرکے پیاز ڈال کر فرائی کریں پیاز سنہری ہوجائے تو قیمہ، لہسن، ادرک پیسٹ، نمک اور ہلدی پاؤڈر ڈال کر قیمہ بھون لیں۔ قیمے کا پانی خشک ہوجائے تو دہی ڈال کر ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ دہی کا پانی خشک ہوجائے تو مصالحہ بھون لیں۔

ہری مرچیں اور کٹا ہوا گرم مصالحہ ڈال کر دم پر رکھیں۔ مزیدار بیف قیمہ ہری مرچیں تیار ہے۔ سرونگ ڈش میں نکال کر چپاتی کے ساتھ سرو کریں۔

آلو کی بھجیا

اجزا:
آلو : آدھا کلو
لہسن (باریک کٹے ہوئے) : چار جوے
ثابت سفید زیرہ : ایک چائے کا چمچہ
سوکھی لمبی لال مرچیں : آٹھ عدد
پسی ہوئی ہلدی : آدھا چائے کا چمچہ
سوکھی ہوئی کھٹائی : چار عدد
نمک : حسب ذائقہ
سرسوں کا تیل : ایک پیالی

ترکیب: کڑاہی میں سرسوں کا تیل گرم کرکے لہسن سنہری کریں، پھر آلو اور نمک ملا کر ہلکی آنچ پر آلوؤں کے 1/2 گل جانے تک پکائیں۔ اس میں باقی اجزا ڈالیں اور دم پر رکھ دیں۔

چنے کی دال گوشت

اجزا:
بکرے کی بوٹیاں : آدھا کلو
چنے کی دال (ابلی ہوئی) : ایک پیالی
پیاز (باریک کٹی ہوئی) : دو عدد
پسا ہوا لہسن ادرک : ایک کھانے کا چمچہ
پسی ہوئی ہلدی : ایک کھانے کا چمچہ
پسی ہوئی لال مرچ : ایک کھانے کا چمچہ
پسا ہوا گرم مصالحہ : ایک کھانے کا چمچہ
بھنی اور پسی دار چینی : ایک چائے کا چمچہ
لیموں کا رس : ایک کھانے کا چمچہ
گرم پانی : چار پیالی
نمک : حسب ذائقہ
تیل : ایک پیالی
پودینہ، ہری مرچیں، لیموں کا رس، ادرک چھڑکنے کے لیے

ترکیب: دیگچی میں بوٹیاں، 1/2 پانی، پیاز، لال مرچ، ہلدی، لہسن ادرک اور نمک ملا کر پکائیں۔ پانی خشک ہوجائے تو اس میں دال اور باقی پانی شامل کرکے دال اور گوشت یکجان ہونے تک پکائیں۔ اس میں باقی اجزاء ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ مزیدار دال گوشت پودینہ، ہری مرچیں، لیموں کا رس اور ادرک ڈال کر پیش کریں۔

پودینے کی چٹنی

ضروری اشیاء:
پودینہ : ایک گٹھی
ہرا دھنیا : آدھی گٹھی
ہری مرچیں : دس عدد
انار دانہ : پانچ چائے کے چمچ
لہسن کے جوے : چار عدد
سفید زیرہ : ایک چائے کا چمچہ
نمک : حسب ذائقہ

ترکیب: پودینہ اور ہرا دھنیا توڑ کر دھولیں، انار دانہ صاف کرکے بھگودیں، سفید زیرہ، لہسن، ہری مرچیں،

پودینہ، ہرا دھنیا اور انار دانہ نمک تمام اشیاء ملا کر بلینڈر میں ڈال کر بلینڈ کرلیں یا سل میں پیس لیں۔ چٹنی پیسنے کے بعد نمک، مرچ چکھ لیں اگر کچھ کمی لگے تو حسب خواہش شامل کرلیں۔ لیجیے پودینے کی مزیدار چٹنی تیار ہے۔ اسے آپ شیشے کے صاف اور خشک جار میں محفوظ کرلیں۔ اسے بیسنی روٹی، آلو بھرے پراٹھے اور دال بھرے پراٹھے کے ساتھ کھائیں، خوب مزہ دے گی۔ اس کے علاوہ دال، چاول، بریانی اور پلاؤ کے ساتھ کھانے کا بھی اپنا مزہ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اسے دہی میں ڈال کر رائتہ بنا کر بھی استعمال کر سکتی ہیں۔ ہر صورت میں مزہ دے گی اور ہاضمہ درست رکھنے میں مددگار ثابت ہوگی۔ ساتھ ہی آپ کے دسترخوان کی شان بھی بڑھائے گی۔

سیب کی چٹنی

ضروری اشیاء:

کچے سیب : آدھا کلو
پیاز : چار عدد
لہسن، ادرک پیسٹ : ایک چائے کا چمچ
چینی : ایک کپ
سرخ مرچ پاؤڈر : ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ : ایک چائے کا چمچ
سرکہ : دو چائے کے چمچے
خربوزے کے بیج : ڈیڑھ کھانے کا چمچہ (چھلے ہوئے)
نمک : حسب ذائقہ

ترکیب: سب سے پہلے سیب دھو کر چھیل لیں اور کدوکش کرلیں یا باریک کاٹ لیں۔ پیاز بھی باریک کاٹ لیں، ایک دیگچی میں سیب، پیاز اور ادرک، لہسن ڈال کر پکائیں۔ ساتھ ہی اتنا پانی ڈالیں کہ تمام اشیاء اچھی طرح گل جائیں۔ پانی خشک ہو جائے تو چینی، سرخ مرچ پاؤڈر، گرم مصالحہ پاؤڈر، خربوزے کے بیج اور نمک شامل کر کے دھیمی آنچ پر پکائیں، چینی کا پانی خشک ہو جائے تو سرکہ شامل کر کے پانچ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں اور چمچہ چلاتی رہیں جب چٹنی گاڑھی ہو جائے تو چولہا بند کر دیں۔ چٹنی ٹھنڈی کر کے صاف ستھرے مرتبان میں محفوظ کرلیں۔

سیب کی مزیدار چٹنی مختلف کھانوں کے ساتھ کھائیں۔

کسٹرڈ فلڈ کریم پفس

اجزا:

پف پیسٹری کا آٹا : ایک پاؤ
کسٹرڈ کیسٹر پاؤڈر : آدھی پیالی
تازہ دودھ : آدھا کلو+ایک پیالی
چینی : آدھی پیالی
تازہ کریم : ایک پیالی
بادام، پستے (باریک کٹے ہوئے) : آدھی پیالی

ترکیب: آٹے کو بیلیں اور اسے کون کے سانچے پر لپیٹیں۔ اس عمل کو دہراتے ہوئے 6 کونیں تیار کریں۔ انہیں بیکنگ ٹرے میں رکھیں اور پہلے سے گرم اوون میں 180 سینٹی گریڈ پر 15 منٹ پکا کر نکال لیں۔ تھوڑا ٹھنڈا ہو جائے تو کون کو سانچے سے علیحدہ کرلیں۔ ایک پیالی دودھ میں کسٹرڈ پاؤڈر گھولیں۔ باقی دودھ دیگچی میں ڈال کر ابالیں، اس میں چینی شامل کریں، چینی حل ہو جائے تو چمچہ چلاتے ہوئے تھوڑا تھوڑا کسٹرڈ پیسٹ ملائیں، آمیزہ گاڑھا ہونے لگے تو کریم ملا کر پھینٹیں، پھر ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیں۔ کسٹرڈ کے آمیزے کو چمچے کی مدد سے کونوں میں بھریں اور بادام اور پستے چھڑک کر پیش کریں۔

☆......☆

شہلا مشائق

سنگھار

چہرے کی خوب صورتی اور تازگی کو تادیر برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا بھرپور خیال رکھا جائے، وقتاً فوقتاً چہرے کی کلینزنگ کرتے رہنا چاہیے۔ آج ہم آپ کو چند آزمودہ گھریلو ماسک بتانا بتا رہے ہیں جن کے استعمال سے آپ کی جلد فریش اور تازگی سے بھرپور ہو جائے گی۔ ماسک کے ہفتے پندرہ دن کے استعمال سے چہرے پر ملائمت اور چمک پیدا ہوتی ہے۔

چہرے کو شگفتہ کرنے کا ماسک، مڈ ماسک، کھیرے کا ماسک، اسٹرابیری کا ماسک، انناس کا ماسک، انڈے کی سفیدی کا ماسک، دہی اور بیسن کا ماسک۔

مختلف اقسام کے ماسک

چہرے کو شگفتہ کرنے کا ماسک

چہرہ اچھی طرح دھو کر بھاپ دیں پھر نرم تولیے سے پونچھ کر سکھائیے پھر اس پر تھوڑا سا چقندر کا رس ملیے اور دس منٹ تک کے لیے سوکھنے دیجیے بعد ازاں اس پر لیموں کا رس روئی سے لگائیے اور اسے بھی دس منٹ سوکھنے دیں۔ پھر چہرے پر تازہ بالائی کا مساج کریں اس سے بھی اپنا چہرہ صاف کریں اور خوب میل کی بتیاں مل مل کر اتاریے۔ اس کے بعد ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھو ڈالیے اس سے آپ کی جلد حد درجہ صاف اور چکنی چمکدار ہو جائے گی۔ بس اب اس پر ہلکا سا میک اپ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح آپ خزاں میں بہار، پت جھڑ میں گلاب نظر آئیں گی۔

مڈ ماسک

اس میں چکنائی، مٹی اور مصفا اجزا شامل ہوتے ہیں یہ جلد کو خشک کرتی ہے۔ چکنی جلد کے لیے مفید ہے۔ سیاہ دانے بھی صاف کرتی ہے۔ مڈ ماسک کے استعمال کے بعد جلد صاف ستھری اور کندن کی طرح نکھری نکھری نظر آتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شروع میں مڈ ماسک کے استعمال کے بعد آپ کی جلد پر کچھ دھبے نظر آئیں۔ پریشان نہ ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ مڈ نے جلد کی گہرائی میں موجود کثافت کو باہر نکال لیا۔ اس لیے اس کا باقاعدہ استعمال اہم ہے اس سے جلد کے عضلات مستحکم ہوتے ہیں۔ یہ ادھیڑ عمر جلد کے لیے زیادہ موثر اور مفید ہے کیوں کہ عمر بڑھنے کے ساتھ جلد کی رونق ختم ہونے لگتی ہے وہ اس مڈ ماسک سے بحال ہو جاتی ہے۔

کھیرے کا ماسک

کھیرا چہرے کے لیے بہترین ہے۔ کھیرے کا ماسک لگانے کے لیے کھیرے کے پتلے پتلے گول قتلے کاٹ کر پورے چہرے پر لگالیں۔ چہرے پر کھیرا لگانے سے قبل ان پر تھوڑا سا بے بی آئل لگالیں۔

اسٹرابیری کا ماسک

اسٹرابیری اگرچہ ہمارے ملک میں بہت کم ملتی ہے لیکن جہاں ملتی ہے وہاں کی خواتین کے لیے یہ

خوش خبری ہے کہ اسٹرابیری کا ماسک کھیرے اور ہر قسم کے کاسمیٹکس ماسک سے زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اسٹرابیری کا ماسک لگانے کے لیے اس کا گودا پورے چہرے پر لگایا جاتا ہے۔

انناس کا ماسک

انناس کھانے ہی میں خوش ذائقہ نہیں ہوتا، اس کے اور بھی بے شمار فوائد ہیں۔ ان میں سے ایک اہم فائدہ جس کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اس کا رس تھکی ہوئی پژمردہ جلد کو شاداب و تازگی بخشنے میں جادوئی اثر رکھتا ہے۔ انناس کا رس ماسک کے طور پر چہرے پر لگائیں اور پھر کمال دیکھیں۔

انڈے کی سفیدی کا ماسک

گھر میں انڈے ہر وقت موجود رہتے ہیں ناشتے کے لیے آملیٹ بناتے ہوئے تھوڑی سی سفیدی انڈوں میں سے الگ نکال کر رکھ دیجیے اور فرصت ملتے ہی اس سفیدی کو پھینٹ کر چہرے پر لگائیں اور دس منٹ بعد ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھو لیں۔ آپ خود دیکھیں گی کہ آپ کا چہرہ نکھر گیا ہے۔

دہی اور بیسن کا ماسک

دہی اور بیسن ہر گھر کے باورچی خانے میں ہر وقت موجود ہوتا ہے تھوڑا سا دہی لے کر اس میں ایک کھانے کا چمچہ بیسن ملا لیں۔ اس میں چاہیں تو لیموں کا رس بھی شامل کر سکتی ہیں۔ اب اس آمیزے کو دس منٹ تک منہ پر لگائیں اور پھر چہرہ ٹھنڈے پانی سے دھو لیں اگر جلد بدرنگ ہو جائے تو لیموں اور زیتون کا تیل ملا کر صبح و شام اس سے چہرے کا مساج کریں۔ یہ عمل بھی جلد کے لیے بہتر ہے۔

ٹماٹر کا ماسک

ٹماٹر کے گودے کو لیموں کے رس میں شامل کر کے چہرے پر لگانے سے چہرے کی رنگت نکھر جاتی ہے۔

میدہ اور دودھ کا ماسک

میدہ اور دودھ کا ماسک روزانہ چہرے پر لگانے سے چہرے کی میل اور کثافت دور ہو جاتی ہے اور رنگت صاف اور خوب صورت ہو جاتی ہے۔

کیلے کا ماسک

کیلے کے گودے کو اچھی طرح مسل کر اس میں تھوڑا سا دودھ یا بالائی ملا کر چہرے پر لگانے سے سانولی رنگت صاف اور نکھر جاتی ہے۔

جلد کو تروتازہ رکھنے کا طریقہ

☆ ان طریقوں پر عمل کرنے سے ہر قسم کی جلد تروتازہ رہتی ہے۔
☆ صبح سویرے خالی پیٹ ایک گلاس پانی میں ایک چمچ شہد ڈال کر پئیں۔
☆ صابن بالکل استعمال نہ کریں۔
☆ سب سے پہلے اپنے چہرے پر نیم گرم پانی اور فیس واش کے مکسچر سے مساج کریں پھر ٹھنڈے پانی سے دھو لیں۔
☆ بیسن یا کریم اپنی جلد کے مطابق استعمال کریں۔
☆ اپنا تولیہ الگ رکھیں کسی اور کا استعمال نہ کریں۔
☆ دن میں دو دفعہ چہرہ دھوئیں۔
☆ میک اپ اتارنے کے بعد کلینزنگ کریں۔
☆ ایسا کاسمیٹک استعمال نہ کریں جو آپ کی جلد خراب کرتا ہو۔